نور العینین
فی
ایمان آبای سید الکونین
صلی اللہ علیہ وسلم
مصنف
علامہ محمد علی رحمۃ اللہ تعالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وتقلبك في الساجدين

اور تمہیں سجدہ کرنے والوں میں پلٹتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ (روح المعانی)

نور العینین

فی

ایمان آبای سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنف

علامہ محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الحدیث جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ لاہور

فرید بک سٹال ۳۸، اردو بازار، لاہور

بانیٔ ادارہ

جناب محترم سید اعجاز احمد رحمۃ اللہ تعالےٰ

متوفی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ/ ستمبر ۱۹۹۸ء

نام کتاب : نور العینین فی ایمان آبائی سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف : علامہ محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ

پرنٹرز :

کتابت : محمد صدیق حضرت کیلیانوالہ

طبع ثانی : اگست 1999ء

قیمت : 220/- روپے

الانتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو قدوۃ السالکین حجۃ الواصلین پیری و مرشدی حضرت قبلہ خواجہ سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرکار کیلیانوالہ شریف اور نگہدارِ ناموسِ اصحاب رسول محبِ اولادِ بتول پیرِ طریقت راہبرِ شریعت حضرت قبلہ پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب زیب سجادہ کیلیانوالہ شریف کی ذاتِ گرامی سے منسوب کرتا ہوں جن کے روحانی تصرف نے ہر مشکل مقام پر میری مدد فرمائی۔

ان کے طفیل اللہ میری یہ سعی مقبول و مفید اور میرے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین!

احقر العباد

محمد علی عفا اللہ عنہ

الإهداء

میں اپنی یہ ناچیز تالیف زبدۃ العارفین حجۃ الکاملین، میزبان مہمانانِ رحمۃ للعالمین حضرت قبلہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب ساکن مدینہ منورہ، خلف الرشید شیخ العرب والعجم حضرت قبلہ مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدفون جنت البقیع (مدینہ طیبہ) خلیفہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ عالیہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی دعا سے فقیر نے اس کتاب کی تحریر کا آغاز کیا۔

ع - گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد علی عفا اللہ عنہ

تقریظ

پیر طریقت شہباز شریعت حضرت علامہ الٰہی بخش صاحب لاہور

اُستاذ العلماء مناظر اسلام شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا الحاج

الحافظ محمد علی صاحب دامت برکاتہ العالیہ ناظم علی جامعہ رسولیہ شیرازیہ

بلال گنج لاہور کا وجود اس قحط الرجال کے دور میں علمائے سلف کی ایک چلتی پھرتی تصویر ہے۔ آج سے چند سال پیشتر ہمارے تصور میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ قدرت ان سے ایک عظیم الشان کام لینے والی ہے۔ تاریخ عالم کے واقعات اور شواہدات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض اوقات بہت سے افراد مل کر ایک تاریخی کارنامہ سرانجام دیتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات فرد واحد ایک ایسا محیر العقول کارنامہ سرانجام دے دیتا ہے۔ کہ بہت سے افراد مل کر مدتوں تک بھی وہ کام مکمل نہیں کر سکتے۔ اور اس کا نام صدیوں تک زندہ و تابندہ رہتا ہے عقائد و مذاہب پر تحقیق و تدقیق کا سلسلہ شروع سے جاری ہے۔ بلکہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ اختلافات و اعتراضات کے دھارے ہمیشہ بہتے رہتے ہیں۔ دلائل و براہین کے ساتھ ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ دلائل و براہین ہی کسی کی عظمت و شخصیت کا پتہ بتاتے ہیں۔ شیعہ مذہب ابتداء سے ہی تشریح طلب رہا ہے۔ شیعہ مذہب کا بانی کون تھا اُس کے عقائد و نظریات کیا تھے۔ اور پھر شیعہ مذہب میں اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور رسول کی اولاد و ازواج اور صحابہ کرام کے متعلق جو شیعہ لوگوں کے جو عقائد تھے ان کے مدلل جوابات نقط ان کی کتابوں سے ہی دیئے جا سکتے تھے۔ اس عظیم کام کے لیے

ایک عظیم محقق کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے یہ کام علامہ موصوف سے لیا۔ نہایت محققانہ انداز سے قلم اٹھایا۔ اور تحقیق کا حق ادا کردیا۔ اس درویش صفت انسان نے گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر کتابوں کی دنیا میں سفر کرنا شروع کیا۔ عقل و خرد کے پیمانوں سے علم و حکمت کے خزانوں کی تلاش شروع کی۔ نہایت کامیابی کے ساتھ قیمتی ذخائر کو تلاش کیا۔ شیعہ مذہب کی عمارت کے بڑے بڑے ستونوں کو ان کی کتابوں سے اتنے مضبوط دلائل کے ساتھ گراتے چلے گئے ہیں۔ کہ شیعہ صاحبان بھی اگر دیانتداری سے اس کا مطالعہ کریں تو انہیں فاضل مصنف کا احسان مند ہو کر اپنے عقائد و نظریات پر نظر ثانی کرنے کی نہایت پاکیزہ دعوت دی گئی ہے۔ تحفہ جعفریہ کی پانچ .... عقائد جعفریہ کی چھ .... اور فقہ جعفریہ کی چار جلدیں .... ہزاروں کتابوں کے مطالعے سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ یہ حقیقت بالکل بجا ہے۔ کہ اس سے پہلے بھی اچھی بڑی بڑی عظیم کوششیں کی گئیں۔ تحقیق کے بڑے بڑے خزانے ازالۃ الخفاء اور تحفۂ اثنا عشریہ کی صورت میں ہمارے سامنے آئے۔ مگر مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے۔ کہ میرے خیال کے مطابق کسی زمانہ میں بھی اتنی محقق اور مفصل کتاب ردِّ روافض میں نہیں لکھی گئی۔ اور میں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر آج حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صاحب زندہ ہوتے تو یقیناً فاضل مصنف کو دعا اور مبارک باد دیتے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے۔ کہ قبلہ شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد علی صاحب کو عمر دراز فرمائے۔ اُن کا سایہ اہل سنت وجماعت پر ہمیشہ سلامت رکھے۔ اور ہم سب کو اُن سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

راقم الحروف

بندہ عاصم الٰہی بخش قادری

ترجمہ تاثرات

شیخ العرب والعجم عُمدۃ الاتقیاء میزبان مہمانان مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا

علامہ محمد فضل الرحمٰن مدظلہ صاحب

خلف الرشید شیخ الشیوخ حضرت مولینا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن

مدینہ شریف۔ زادھا اللہ شرفا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو ہدایت فرما دے تو یہ تیرے حق میں سرخ رنگ کے جانوروں کے حاصل ہونے سے کہیں بہتر ہے (یعنی یہ نعمت تمام نعمتوں سے بڑی ہے)!!"

تمام تر خوبیاں اس اللہ پاک کے لیے کہ جس نے اُمتِ محمدیہ کو باعمل علماء کے ساتھ مخصوص فرمایا، اور انہیں عام لوگوں کے لیے مرجع قرار دیا اور شریعت مقدسہ پر گمراہ اور اس کے دشمنوں کے لگاتار حملوں کے خلاف محافظ بن کر کھڑے ہوئے اور انہیں شریعتِ پاک کی حفاظت کھرے کھوٹے کی پرکھ کرنے کی ذمہ داریاں سونپی۔

اور بے انتہا اللہ کی رحمتیں اور ان گنت سلام اُس کے مخصوص بندے اور عظیم الشان رسول جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوں جو ہم سب کے آقا

اور شفاعت فرمانے والے ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے اپنی تمام مخلوق ۔ حضرات انبیاء کرام سے ممتاز بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :۔

" بیشک میں تم میں دو بھاری اور گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی عترت یعنی اہل بیت۔ میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلاتا ہوں "۔

یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی قرابت یعنی رشتہ داری کو تمام قرابتوں سے برگزیدہ فرمایا۔ اور آپ کے صحابہ کو ممتاز فرمایا جو ہدایت کے تابندہ ستارے نہیں نہیں بلکہ روشن سورج ہیں۔ ان میں سے بعض وہ حضرات ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے فضیلت اور کرامت میں جمعہ ور عطا فرمایا۔ جیسا کہ خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ وغیرہ۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نازل ہو۔

بعد ازاں میں فاضل کبیر، استاذ منظر، قدوہ سالکین، زبدۃ المحققین و عمدۃ المتقین جناب مولانا محمد علی صاحب (اللہ ان کی حفاظت فرمائے) کا شکر یہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھ راقم الحروف کو اپنی تالیف کردہ کتب میں بطور ہدیہ عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ میری طرف سے اور اسلام و مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے۔

میں نے اُن کی تالیفات میں سے شیعہ مذہب المعروف تحفہ جعفریہ کی پہلی اور دوسری جلد کے مختلف مقامات کا مطالعہ کیا اور کئی ایک جگہوں سے مجھے اپنے دوستوں سے سننے کا اتفاق ہوا۔ جن سے مذہب شیعہ کے فاسد عقیدوں کی بیخ کنی کی گئی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاضل علامہ کی قیمتی محنت اور اس عظیم مجموعہ کی تالیف و تکمیل پر کی گئی ان تھک محنت لائق صد شکر اور احسان ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ یوں ہو

جائے کہ ان کی کتابیں دینی علوم کا خزانہ بن جائیں۔ یہ مقصد کا حاصل کرنا ہر اس شخص کے لیے بہت آسان کر دیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین حنیف کی معرفت آسان کر دی ہو اور حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کی سنت پاک کا سمجھنا سہل کر دیا ہو۔

میں نے مصنف موصوف کی شخصیت میں عظیم ہمت اور گہرا اخلاص پایا۔ جس کا ثبوت ان کی اس تصنیف کے بارے میں لگاتار شب بیداری اور ان تھک محنت سے ملتا ہے اور پھر مزید یہ کہ اس کتاب کی ترتیب اور تقسیم ابواب اور مسئلوں کی علیحدہ فصل سے ملتا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے قرآنی آیات کو ہر مناسب مقام کی زینت بنایا۔ صحابہ کرام کے فضائل کے سلسلہ میں اکابر علماء کی گراں قدر اور نفیس درساں عبارات اس کتاب میں درج کی اور ان حضرات کے ساتھ حسن اعتقاد کے سلسلہ میں جو تحریرات لازم تھیں انہیں کتاب کی رونق بنایا اور حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے متعلق جو عقائد کا راستہ مستقیم تھا اُسے مضبوطی سے تھامنے کے لیے ضروری حوالہ جات سے کتاب و مزین کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، ازواج اور آپ کی آل پاک کے بارے میں اچھی گفتگو کا انداز اختیار کیا وہ شخص نفاق سے بچ گیا۔ اور جس شخص نے ان حضرات کے بارے میں نازیبا باتیں کہیں وہ سیدھے راستے سے علیحدہ ہو گیا۔ اور یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کی فضیلت اور بزرگی ہی صحابہ کرام کی فضیلت اور بزرگی میں موجزن ہے۔ کیونکہ ان کی فضیلت آپ ہی کے شجرہ فضیلت کی شاخ ہے۔ اور یہی معاملہ آپ کی آل پاک میں موجود ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہوا کہ صحابہ کرام اور آپ کی آل پاک کی فضیلت در اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ لہذا ان دونوں میں سے جس کی بھی تعریف یا مذمت کی گئی بیشک وہ

دوسرے کو بھی شامل ہو گی سو اللہ کی لعنت اُس شخص پر کہ جس نے ان میں سے بعض کے ساتھ دوستی اور دوسرے بعض کے ساتھ عداوت کر کے تفریق کی۔ تو اگر کسی نے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ عداوت کا اظہار کیا تو اسے دوسرے کی محبت ہرگز نفع نہ دے گی۔ اور وہ شخص اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہو گا۔

میں اپنے موضوع کی طرف واپس آتا ہوں اور کہتا ہوں کہ مصنف مذکور نے اپنی اس عظیم الشان تصنیف میں عبارت سلیس اور فن فصاحت اور بلاغت کے معیار کے مطابق رکھی علاوہ ازیں اس کتاب کی عظمت اُن تقاریظ سے بھی عیاں ہے۔ جو علم و دین میں ممتاز علماء ہیں اور حضرت مشائخ کرام اور باعمل علماء کی تعریفی تحریرات سے اس کتاب کی عظمت عیاں ہے اور اس تالیف کی فضیلت اس واضح دلیل سے بھی ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ کی امت میں سب سے بہتر ابو بکر صدیق پھر عمر الفاروق پھر عثمان ابن عفان پھر شیر خدا علی ابن طالب پھر اصحاب شوریٰ ہیں۔

یہ چند کلمات جو میرے دل میں آئے اور میری زبان سے ادا ہوئے میں نے انہیں سحر علی کے وقت قلم بند کیا اور میں اس سنہری تالیفات پر مطلع ہو کر انتہائی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ اور اسی طرح علم و عمل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کی تلاش کے لیے ہونا چاہیئے عرش عظیم کے مالک اللہ کریم سے میں مصنف کی عمر میں برکت کا طلب گار ہوں اور درخواست گزار ہوں کہ وہ اپنے محض فضل و کرم و احسان سے انہیں ثواب جزیل عطا فرمائے یقیناً میرا رب دعا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے اور ہمارے آقا خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ پر رحمتیں نازل فرمائے۔

الفقیر الی اللہ تعالیٰ

فضل الرحمن بن فضیلۃ الشیخ

ضیاء الدین القادری المدنی

تعارف مصنف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد

تخلیقِ کائنات کے ساتھ ہی خالقِ کائنات نے جب بنی آدمؑ کو عزت و شرافت کا تاج بخشا تو اسے پردۂ عدم سے منصۂ شہود میں لا کر سطحِ زمین پر آباد فرمایا پھر ہر دور و ہر عہد میں دینی امور کی رشد و ہدایت اور دنیوی ضروریات کی فلاح و بہبود کا راستہ دکھانے کے لیے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام، عظیم المرتبت اولیاء کرام علیہم الرحمۃ اور متبحر علمائے دین مبعوث و مقرر فرماتا رہا۔ ان عظیم ہستیوں نے نوعِ انسانی کو صراطِ مستقیم کی تلقین و تبلیغ فرمائی اور انہیں شرک و کفر اور گمراہی کی بھیانک تاریکیوں سے نکال کر ان کے سینوں کو نورٌ علیٰ نور اور معرفتِ خداوندی سے معمور فرمایا اور یہ حضرات متلاشیانِ حق کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوئے۔

چودہ سو سال ہوئے، خلاقِ عالم نے سلسلۂ نبوت تو اپنے محبوب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرما دیا۔ جب سیدِ کائنات ختمی مرتبت نے بظاہر دنیا سے پردہ فرمایا تو اس وقت سے آج تک اولیاء اور علماء ہی ہیں جو پیامِ حق بندگانِ حق تک پہنچاتے رہے ہیں اور تا قیامت پہنچاتے رہیں گے۔ ان ہی عظیم محسنینِ امت میں سے ایک استاذ العلماء استاذی المکرم حضرت الحاج الحافظ علامہ مولانا محمد علی صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث و ناظمِ اعلیٰ دار العلوم جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ بلال گنج امیر روڈ لاہور ہیں۔ آپ بیک وقت اللہ بہت سی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک متبحر عالمِ دین، حق گو مجاہد، شیریں لسان خطیب ایک مجرب اور مشفق استاد اور اعلیٰ درجہ کے مدرس ہیں۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد سیکڑوں

بہ جیسے مجاہد ہے جو ملک کے طول و عرض میں عرصہ سے مسلک اہلسنت و الجماعت کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔ راقم الحروف بھی ان کے گلشن کے خوشہ چینوں میں سے ایک ادنیٰ سا غلام ہے۔

حضرت مولانا الحاج الحافظ محمد علی صاحب دامت برکاتہ' مذہباً سُنی حنفی، بریلوی' مشرباً نقشبندی ہیں، ساکناً لاہوری و مولداً گجراتی ہیں۔

قبلہ استاذی المکرم نے کم و بیش اٹھارہ سال تک نارووال ضلع سیالکوٹ کی مرکزی جامع مسجد شاہ جماعت میں فرائض خطابت انجام دیئے۔ اس مسجد کی بنیاد حضرت امیر ملت قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رحمۃ اللہ نے رکھی تھی۔ اس مسجد میں خطابت کے دوران عوام کے اجتماع کا یہ حال ہوتا تھا کہ جامع مسجد کے وسیع ہال اور صحن کے علاوہ گلیوں، بازاروں، دکانوں اور مکانوں کی چھتوں پر عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا تھا۔ جب آپ اپنی تقریر میں قرآن مجید کی آیات اپنے مخصوص لہجہ میں تلاوت فرماتے تو مجمع جھوم جھوم اٹھتا تھا۔

پیدائش

استاذی المکرم مولانا الحاج محمد علی صاحب مدظلہ العالی ۱۹۳۲ء میں موضع حاجی محمد مضافات شہر لالہ موسیٰ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں آپ کے والدین کی مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ خود فرماتے ہیں:

"جب میری عمر سات برس کی ہوئی اور ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت تنگدستی کا دور دورہ تھا۔" آپ کی والدہ محترمہ جو کہ ایک ولیہ کاملہ تھیں اور روزانہ ایک ہزار رکعت نوافل ادا کرتی تھیں، نے محسوس فرمایا کہ ہم اپنی کفالت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فیصلہ فرمایا کہ اپنے بیٹے محمد علی کو کسی دینی مدرسہ میں داخل کرایا جائے تاکہ علم دین حاصل کریں اور اسی سبب سے اللہ تعالیٰ ہمارے دن پھیر دے گا۔ فلہٰذا آپ کی والدہ ماجدہ نے آستانہ عالیہ بھکھی شریف ضلع گجرات کے ایک مدرسہ میں داخل کروا دیا مگر صحیح سرپرستی

نہ ہونے کی وجہ سے آپ چار پانچ سال تک مختلف مدارس میں گھومتے رہے اور اس عرصہ میں صرف قرآن مجید ناظرہ ہی ختم ہوا۔

بعد ازیں جب آپ گھر واپس تشریف لائے تو خیال کیا کہ اب کسی طرح والدین کی خدمت کرنی چاہیے گھر سے نکلے اور لاہور پہنچ کر ہربنس پورہ کے قریب بھائی جھنڈ چھاؤنی میں ملازم ہو گئے اور اس طرح بذریعہ ملازمت کچھ عرصہ تک والدین کی خدمت کرتے رہے ۱۹۴۷ء میں جب تقسیم ہند ہوئی تو آپ واپس اپنے گاؤں حاجی محمد ضلع گجرات چلے آئے

تعلیم و تربیت

چونکہ والدہ محترمہ کا دلی ارادہ علم دین پڑھانے کا تھا اور آپ اکثر اوقات اس کی دعا بھی فرماتی رہتی تھیں۔ اسکا نتیجہ تھا کہ آپ کے دل میں علم دین کے حصول کی تڑپ اس شدت سے پیدا ہوئی کہ جب آپ خیال فرماتے کہ ساری عمر یونہی گزر جائے گی؟ تو آنکھوں سے اشکوں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔ ایک دن والدہ صاحبہ سے اجازت چاہی تو انہوں نے خاموش رہنے کی تلقین فرمائی۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کے والد اور بھائی اجازت نہیں دیں گے۔

اور پھر ایک دن آپ بلا کسی اطلاع کے گھر سے نکلے اور میانہ گوندل ضلع گجرات پہنچ گئے۔ وہاں ایک مسجد میں حافظ قاضی غلام مصطفٰے صاحب ننوال ضلع جہلم قرآن مجید حفظ کراتے تھے آپ بھی ان کے حلقۂ درس میں داخل ہو گئے اور ایک سال میں پندرہ پارے حفظ فرمائے۔ دفعتہً ایک دن خیال آیا کہ غدر کا زمانہ ہے اور حالات مخدوش ہیں والدین کہیں یہ نہ سمجھے بیٹھے ہوں کہ ان کا بیٹا کہیں شہید ہو گیا ہے جس کی آج تک کوئی اطلاع نہیں آئی۔ لہٰذا آپ نے والدین کو ایک خط اپنی خیر و عافیت کے متعلق لکھا مگر اس میں اپنا پتہ درج نہ فرمایا۔ صرف یہ تحریر کیا کہ میں زندہ و سلامت ہوں اور بخیر و عافیت ہوں لہٰذا تلاش کی زحمت گوارہ نہ فرمائیں۔ قرآن پاک مکمل حفظ کر کے خود گھر واپس آجاؤں گا۔

یہ خط جب پہنچا تو حقیقتاً والدین آپ کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ والدین آخر والدین ہوتے ہیں برداشت نہ کر سکے۔ خط پر موہنا ڈپو کی مہر دیکھ کر والد صاحب وہاں پہنچ گئے اور تلاش کرتے کرتے میانہ گوندل تشریف لے آئے اور ملاقات ہوئی تو گلے لگا کر بہت روئے لہٰذا واپس گھر لے آئے۔

چند دن گھر پر گزارنے کے بعد پھر ذہنی اشتیاقِ حصولِ علم موجزن ہوا۔ آپ پھر بھاگ گئے اور موضع گوہر مضافات منڈی بہاؤ الدین پہنچے۔ وہاں آپ کو ایک نہایت ہی مہربان اور تجربہ کار استاد مل گئے جن کا اسم گرامی حافظ فتح محمد صاحب تھا۔ وہ آپ کو اپنے مدرسہ اجووال لے گئے اور بڑی محنت و جانفشانی سے قرآن مجید مکمل کرایا۔ قرآن حکیم مکمل حفظ کرنے کے بعد آپ گھر تشریف لے آئے۔

میلانِ طبع کو دیکھتے ہوئے گھر والوں نے مزید علوم دینیہ حاصل کرنے کی اجازت دے دی اور آپ دار العلوم جامعہ محمدیہ بھکھی شریف ضلع گجرات میں داخل ہو گئے۔ دار العلوم کے شیخ الحدیث اور ناظم اعلیٰ علامۃ الدھر جامع المعقول والمنقول حضرت پیر سید جلال الدین شاہ صاحب نے بڑی شفقت فرمائی اور آپ کو حضرت مولانا علامہ بشیر احمد سرگودھوی مرحوم کے سپرد فرما دیا۔ انہوں نے آپ کو قانونچہ کیلانی، نحو میر اور شرح مائۃ عامل وغیرہ ابتدائی کتب پڑھائیں۔

تلاشِ مرشدِ کامل

دورانِ تعلیم مرشدِ کامل کی تلاش ذہن میں آئی تو اپنے استاذِ مکرم حضرت علامہ مولانا حافظ محمد سعید احمد صاحب خطیب اعظم علی پور چٹھہ کی معیت میں آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف حاضر ہوئے۔ سراج السالکین قدوۃ العارفین قبلہ پیر سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری قدس سرہ العزیز، اکمل و اعظم خلیفہ مجاز، سلطان العارفین، قطب زمان اعلیحضرت قبلہ میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا "آپ حافظ قرآن ہیں" پھر جواب سے پہلے خود ہی

فرمایا: "ہاں آپ حافظ قرآن تو ہیں" پھر فرمانے لگے "آپ کس لیے آئے ہیں؟"
آپ نے عرض کیا حضور! اللہ اللہ سیکھنے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت خواجہ پیر سید نور الحسن شاہ صاحب
بخاری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آپ پہلے بھی ایک دفعہ یہاں آئے تھے۔ آپ نے عرض کیا
ہاں حضور! حاضر ہوا تھا۔ حضرت صاحبؒ کے اس عارفانہ کلام کا دل پر نہایت گہرا اثر ہوا
دراصل واقعہ یہ تھا کہ جب آپ اجنوال میں قرآن مجید حفظ کر رہے تھے تو اس گاؤں کا
ایک چوہدری شیر محمد راجہ آپ کو ساتھ لے کر حضرت کیلیانوالہ شریف حاضر ہوا تھا راستہ
میں دوران گفتگو چوہدری صاحب نے آپ سے پوچھا کہ حافظ صاحب! بھلا مرشد کیسا
ہونا چاہیے؟ آپ نے فرمایا کہ ایسا جسے کم از کم اتنی خبر تو ہو کہ کوئی آنے والا عقیدت
لیے آ رہا ہے۔ جب یہ دونوں صاحب حاضر بارگاہ ہوئے تو جمعہ شریف کا دن تھا۔
حضرت صاحبؒ خطبہ کے لیے ممبر پہ رونق افروز ہوئے۔ آیت قرآنی۔ ھو الذی
ارسل رسولہ بالھدی الخ تلاوت فرمائی۔ دوران تقریر آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ
یہ کہتے ہیں کہ پیر وہ ہوتا ہے جسے خبر ہو کہ مرید آ رہا ہے۔ مگر دوستو! آزمائش اچھی بات
نہیں ہوتی۔ ظنوا المؤمنین خیرا (مومنوں کے متعلق حسن ظن رکھو) حدیث پاک
پڑھی اور وعظ ختم فرمایا۔ خطبہ کے اختتام پر اشارہ فرمایا کہ اسے یعنی آپ کے ساتھی کو
پیچھے کر دو کیوں کہ چوہدری صاحب داڑھی منڈے تھے۔
اگلی صبح اجازتیں ملنے لگیں۔ سب لوگ اجازتیں لے کر جا رہے تھے سب سے
آخر میں آپ کی باری آئی تو حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جو لوگ رہ گئے ہیں ان کو کہہ دو،
چلے جائیں۔ میری طبیعت خراب ہے۔ پھر کبھی آ جائیں۔ اس طرح قبلہ استاذی المکرم
کے دل میں یہ بات راسخ ہو گئی۔ شیخ کامل یہی ہیں اور بہر صورت ان سے اکتساب
فیض کرنا چاہیے لیکن حضرت قبلہ عالم نے بڑی کوشش کے بعد قبول فرمایا اور اپنے
حلقۂ ارادت میں داخل کیا۔ پھر فرمانے لگے کہ حافظ صاحب! کوئی کام نہ کیا کرو۔ تیجہ

پڑھا کرو، پھر سبق یاد کیا کرو، برکت ہوگی۔ اصل بات یہ تھی کہ جن دنوں حضرت استاذی المکرم قانونچہ کیلانی پڑھتے تھے تو رات کو اُٹھ کر صرف کی گردانیں منہ بند کر کے ناک کے راستہ دہرایا کرتے تھے۔ جس کو حضرت شیخؒ نے "کوں کوں" سے تعبیر فرمایا۔ یہ آپ کا کشفِ باطنی تھا۔ اس کے بعد حضرت قبلہؒ نے فرمایا۔ "حافظ صاحب! جلدی "گھتّی" مارنا" یعنی جلدی آنا۔ آپ اگلے جمعہ تیس میل پیدل چل کر درگاہ شیخ پر پہنچے تو حضرت شیخ نے آپ کا وظیفہ مکمل فرما دیا اور ساتھ ہی فرمایا "حافظ صاحب! اب کی بار بہت جلدی "گھتّی" مارنا" یعنی بہت جلدی آنا۔

استاذی المکرم نے اگلے جمعہ کو حاضر ہونے کا ارادہ کیا مگر اس سے پہلے ہی حضرت شیخ کیلانی اس دارِ فانی سے پردہ فرما گئے۔ یہ سارا واقعہ حرف بحرف قبلہ استاذی المکرم نے خود بیان فرمایا۔

تکمیلِ علم بعد ازاں استاذِ گرامی حضرت مولانا علامہ محمد علی صاحب مدظلہ العالی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں داخل ہوئے اور بحر العلوم استاذ الاساتذہ جامع معقول و منقول علامۂ زمان حضرت مولانا غلام رسول صاحب رضوی فیصل آبادی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ حضرت مولانا قبلہ رضوی صاحب نے نہایت جانفشانی، کمال محنت و شفقت سے پڑھایا اور آپ نے انہیں سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ استاذی المکرم اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ جیسی محنت اور محبت میرے ساتھ قبلہ مولانا علامہ غلام رسول صاحب نے فرمائی ہے اس کی شاید ہی کہیں مثال مل سکتی ہو۔

علوم درسیہ سے فراغت کے بعد آپ نے اورینٹل کالج لاہور سے نمایاں حیثیت سے فاضلِ عربی کا امتحان پاس فرمایا پھر حضرت مولانا علامہ غلام رسول صاحب رضوی کی وساطت سے محدثِ اعظم پاکستان حضرت قبلہ مولانا علامہ سردار احمد صاحب قدس سرہ العزیز سے اکتسابِ حدیث کے بعد سندِ حدیث حاصل کی۔

دارالعلوم کا قیام

سنہ ۱۹۶۳ میں جلال گنج امیر روڈ لاہور میں ایک قطعہ زمین خرید کر یہ دینی ادارہ کی بنیاد رکھی اور اپنے مکرم و محترم استاذ قبلہ مولانا علامہ غلام رسول صاحب رضوی دام ظلہ العالی کے نام نامی کی نسبت سے اس ادارہ کا نام دارالعلوم جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ تجویز فرمایا۔ اس وقت اس دارالعلوم میں شعبہ حفظ القرآن تجوید و قرات، درس نظامی، دورۂ حدیث اور دورۂ تفسیر القرآن نہایت محنت اور جانفشانی سے پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ آپ کی مساعی جمیلہ کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ دارالعلوم جس کا اجراء ایک چھوٹی سی کٹیا سے ہوا تھا۔ آج ایک عظیم الشان بلند و بالا عمارت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ دینی طلباء کے لیے ہر قسم کے قیام و طعام کا تسلی بخش انتظام کیا گیا ہے اور سینکڑوں اندرونی و بیرونی طالبان دین متین اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں۔

ادارہ ہنوز تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ دعا ہے خدائے ذوالجلال اپنے حبیب باکمال کے طفیل اس دارالعلوم کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور تشنگان حق کے لیے چشمۂ علم و عرفان بنائے رکھے آمین۔

والدین استاذ محترم مصنف کتاب ہذا کے والد گرامی جناب غلام محمد صاحب اگرچہ دینی علوم سے ناشناسا تھے۔ تاہم ضروریات دین کو خوب سمجھتے تھے اور اپنے دور کے قطب کامل قدوۃ السالکین حضرت قبلہ خواجہ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ مجاز اعلیٰ حضرت قبلہ عالم خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ سے ان کا روحانی تعلق تھا۔ وہ ایک پرہیزگار شب زندہ دار، خوف خدا میں چشم گریاں رکھنے والے اور یاد خدا میں ہمہ وقت شاغل قلب کے مالک تھے۔ ان کا معمول تھا کہ آدھی رات کے بعد بستر سے الگ ہو جاتے اور بقیہ رات سر بسجود گزار دیتے۔ اور ان کے اندر نیم شبی کی دلگداز آوازیں رات کے سکوت کا جگر پاش پاش کر دیتی تھی۔ گھر والے انہیں دیکھتے کہ وہ اندھیری رات میں سر سجدے میں رکھ کر زار و قطار رو

رہے ہیں۔ یقیناً وہ ایک جنتی انسان تھے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ	وہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا
بَكَىٰ مِنْ خَشْيَةِ	جو اللہ کے خوف سے روئے۔
اللّٰهِ حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ	تا آنکہ دودھ واپس تھن میں
فِي الضَّرْعِ۔	چلا جائے۔

ان کا معمول تھا کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز مسجد میں جا کر ادا کرتے۔ اللہ نے انہیں بڑی دلگداز آواز بھی دی تھی۔ تو جب وہ تہجد کے بعد یاد خدا اور خشیت الٰہی پر مشتمل اشعار اپنی جان گداز آواز میں پڑھتے اور سامحو آہ وبکی کرتے تو آس پاس کے مکانات والے لوگ بھی اس واضح آواز کو سنا کرتے۔ اور یہ سلسلہ تادم سحر جاری رہتا۔

مصنف علام نے بھی چونکہ اسی ماحول میں تربیت پائی تھی تو ان پر بھی اس کا گہرا اثر ہوا۔ اور ہم نے ان کے شبانہ معمولات کو بھی اسی رنگ میں ڈھلا ہوا دیکھا ہے بلکہ آپ کے اکثر تلامذہ اور اولاد میں بھی تہجد کے لیے رات کے پچھلے پہر بیدار ہونے کی عادت موجود ہے۔

اسی طرح مصنف علام کی والدہ ماجدہ کا حال بھی اس سے فزوں تر ہے۔

عالم شباب ہی میں خانوادہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک معمر اور از حد پرہیز گار خاتون فاطمہ بی بی رحمہا اللہ ساکن موضع بانیاں گجرات سے ان کا تعلق قائم ہوا۔ اور اس کا یہ فوری اثر ہوا کہ انہوں نے مسلسل تین سال اندھیری کوٹھڑی میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے گزار دیئے۔

پھر ان کی ساری عمر ترک دنیا میں گزری۔ کبھی نیا کپڑا نہ پہنا۔ البتہ جو پوشش بھی زیب تن کی وہ اُجلا اور پاکیزہ ہوتا۔ روزانہ غسل کرنا ان کا معمول تھا۔ آپ کی والدہ حد سے زیادہ دریا دل اور سخیہ تھیں۔ جو ہاتھ میں آیا راہ خدا میں لوٹا دیا۔ عبادت کا یہ حال تھا کہ

چوبیس گھنٹوں میں تقریباً بارہ سو تک نوافل ادا کیا کرتیں۔ انہوں نے تقریباً سو سال عمر پائی اور وفات سے چند روز قبل تک یہی معمول رہا کہ کھڑے ہو کر رات بھر عبادت میں گزار دیتیں۔ اور ہزار سے بارہ سو تک نوافل ادا کرتیں۔

جب مصنف علام نے لاہور میں جامعہ رسولیہ شیرازیہ رجال گنج لاہور قائم کیا اور قرآن وحدیث کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا تو آپ کی والدہ تقریباً ١٩٧٢ء میں آپ کے پاس لاہور آ گئیں۔ پھر ہم نے خود دیکھا ہے کہ وہ طلباء جامعہ سے قرآن کریم کا ثواب بخش کرتیں اور روزانہ تقریباً پانچ سے دس تک قرآن کریم جمع ہو جاتے اور وہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا ختم شریف دلاتیں۔ روزانہ پھل وغیرہ تقسیم کرتیں۔ حتیٰ کہ "دادی گیارھویں والی" ان کا نام پڑ گیا۔ طلباء جامعہ سے از حد شفقت کیا کرتیں۔ جو ختم قرآن کا ثواب بخشتیں اسے کچھ نوازا بھی کرتیں۔ آج جب دادی اماں کی شفقتیں یاد آتی ہیں تو آنکھ پُر نم ہو جاتی ہے۔

ان کی وفات کا یہ عالم ہے کہ نماز ظہر کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے حضرت مصنف کو ہاتھ کے اشارہ سے بلایا اور طلباء میں پیسے تقسیم کرنے کا اشارہ کیا۔ پھر نقاہت کی وجہ سے لیٹے ہوئے نماز ادا کرنا شروع کی۔ ہاتھ اٹھا کر سینے پر باندھے اور ساتھ ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ سن وصال ١٩٨٣ء ہے۔

وصال کے بعد جب انہیں نہلانے کا وقت آیا، یہ مشہور واقعہ ہے کہ خاندان کی عورتوں نے جو نہلا رہی تھیں محسوس کیا کہ دادی اماں کا دل دھڑک رہا ہے۔ انہیں مغالطہ لاحق ہو گیا کہ دادی اماں کہیں زندہ تو نہیں مگر آپ تو واقعی وصال فرما چکی تھیں۔ مگر وہ ان کا قلب ذاکر تھا جو ہنوز مصروف ذکرِ خدا تھا۔ لاہور چوبرجی کے قریب میانی قبرستان میں ان کا مزار پر انوار ہے۔ ان کے وصال پر انہیں ایصال ثواب کے لیے قرآن کریم کا اس قدر ثواب جمع ہوا کہ حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ ان کی قبر کی ہر اینٹ کے عوض

ایک قرآن پڑھا گیا ہے۔ قبر کی اینٹیں تقریبًا ایک ہزار تھیں۔

ایک پرہیزگار اور شب زندہ دار ماں کی تربیت کا استاد گرامی حضرت مصنف کے قلب و باطن پر واضح اور گہرا اثر دیکھنے میں آیا ہے۔

حضرت مصنف کے خاندان میں اور بھی کئی ایسے کامل لوگ گزرے ہیں۔ چنانچہ استاد گرامی کے ارشاد کے مطابق ان کی ساس صاحبہ ایک ولیہ کاملہ تھیں ان کی وفات پر انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا سحری کا وقت تھا کہ وہ اچانک زور زور سے پکارنے لگیں کہ سبحان اللہ سبحان اللہ وہ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی گلی کے موڑ سے نمودار ہو کر تشریف لا رہے ہیں۔ اور مجھے فرما رہے ہیں۔ ؎

عزت نوریاں تھیں ودھ پا دیں جے ساڈے دل آ دیں۔

پھر عالم بے ہوشی میں یہی مصرعہ ان کا ورد زبان رہا اور چند دن بعد ان کا وصال ہو گیا۔ تب ان کے وصال کے بعد حضرت مصنف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کردہ مذکورہ مصرعہ کے ساتھ شعر کو مکمل کرتے ہوئے یوں دوسرا مصرعہ ملایا۔

عزت نوریاں تھیں ودھ پا دیں جے ساڈے دل آ دیں
جنت دے دروازے کھلے کیوں دیراں ہُن لا دیں

اولاد آپ کی اولاد میں سے سب سے بڑے بیٹے مولانا قاری حافظ محمد طیب صاحب ہیں۔ جو ایک مستند عالم دین۔ فاضل علوم دینیہ فاضل قراءات سبعہ اور فاضل عربی ہیں۔ اور متعدد ضخیم کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے چند ایک کے یہ نام ہیں

ا۔ ترجمہ الریاض النضرہ فی مناقب العشرۃ المبشرہ چار جلدوں میں (عشرہ مبشرہ صحابہ کرام کے مناقب و محامد پر مشتمل حضرت محب طبری رحمۃ اللہ کی مشہور آفاق کتاب

کا اردو ترجمہ)

۲- شرح الشاطبیہ دو جلدوں میں (قراءات سبعہ کے متعلق امام شاطبی رحمۃ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب جسے قصیدۂ لامیہ بھی کہتے ہیں کا ترجمہ و تشریح)۔

۳- الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازہ۔ نماز جنازہ کے بعد دعا کے جواز پر قرآن و حدیث کے دلائل کا بیش بہا خزینہ جو ۲۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

۴- جشن میلاد قرآن و حدیث میں۔ جواز عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل قرآن و حدیث کے دلائل کا انمول مجموعہ۔

مولانا محمد طیب صاحب آج کل انگلینڈ میں تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں ان کی تقریر و تحریر میں حضرت مصنف کا انداز بیان اور زور استدلال نمایاں جھلکتا نظر آتا ہے۔

مولانا محمد طیب صاحب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا حافظ رضائے مصطفیٰ اور حافظ احمد رضا حفظ قرآن کے بعد درس نظامی میں زیر تعلیم ہیں۔ جبکہ مولانا حافظ رضائے مصطفےٰ علوم درسیہ کے آخری سال میں زیر تعلیم ہونے کے ساتھ ایک منجھے ہوئے اور شیریں لسان مقرر بھی ہیں۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے حافظ محمد رضا قرآن پاک حفظ کر رہے ہیں۔ حضرت مصنف کی چھوٹی صاحبزادی بھی قرآن کریم کی حافظہ ہیں۔ خدا اس گلشن علم کو ہمیشہ پر بہار رکھے۔

اولاد کی تربیت و تعلیم کے انداز بھی بتلا رہا ہے کہ حضرت مصنف گہرا دینی شغف رکھتے ہیں اور اپنی اولاد کو اپنا سچا جانشین بنانا چاہتے ہیں۔ جبکہ موجودہ دور کے علماء میں یہ جذبہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑا قومی المیہ ہے کہ جلیل القدر علماء کی اولاد علم دین سے ناآشنا نظر آتی ہے۔ ایسے دور میں حضرت مصنف کا وجود علماء کے لیے قابل تقلید ہے۔

اخلاق و عادات

حضرت مصنف جہاں انگنت خوبیوں کے مالک ہیں۔ وہاں ان کی ایک بڑی قابل عمل اور قابل تقلید

حضرت والدین اور اساتذہ کا بے پایاں احترام و اطاعت بھی ہے۔ استاد محترم کو جس قدر ہم نے اپنے اساتذہ کے سامنے مودّب اور سراپا احترام پایا ہے اس کی مثال کم ہی نظر آتی ہے۔ جبکہ والدین کے لیے حق اطاعت کی بجا آوری اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ آپ ہر جمعرات کو جامعہ کے طلباء سمیت اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے جاتے ہیں۔ اور پورا قرآن کریم ختم کر کے ایصال ثواب کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں سارا ہفتہ طلباء سے ثواب جمع کرتے رہتے ہیں۔ اور ہر جمعرات کو قبر انور پر پڑھے گئے ہوئے الگ قرآن کریم جمع ہو جاتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و اولیاء اور مرسلین مرحومین خصوصاً والدہ ماجدہ کا ختم شریف دلاتے ہیں۔ زندگی میں والدہ کا جو وظیفہ مقرر کیا تھا وہ اب بھی اسی طرح اپنی کاپی میں درج کرتے ہیں۔ بلکہ جیسے جیسے مہنگائی بڑھتی ہے اور گھر والوں کا خرچہ بڑھاتے ہیں۔ والدہ صاحبہ کا بھی خرچہ بڑھاتے ہیں۔ جو طلباء پر خرچ کرتے ہیں جیسے کہ والدہ خرچ کیا کرتی تھی اور اس کا ثواب والدہ کو پہنچاتے ہیں۔

دوسری بڑی خوبی اور اعلیٰ ترین صفت عشق محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو آپ کو بار بار کشاں کشاں مدینہ طیبہ لے جاتا ہے اور اب تک آپ سات مرتبہ دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ اور ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں۔ کہ وہ گھڑی آئے کہ آنکھیں روضۂ رسول کے دیدار سے ٹھنڈی ہو جائیں

چند جید تلامذہ

یوں تو حضرت مصنف کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ جو ملک اور بیرون ملک جا بجا شمع دین کو فروزاں کر رہے ہیں۔ تاہم ان میں سے چند ایک کے اسماء گرامی بطور مشتے از خروارے درج ذیل ہیں

۱۔ حضرت علامہ مولانا نذیر احمد صاحب آف گجرات پھالیہ۔ جو آج کل لاہور بلال گنج میں خطیب اور جامعہ شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ میں شعبہ درس نظامی

میں صدر مدرس ہیں۔

۲۔ مولانا علامہ محمد یوسف صاحب کوروی۔ جو انگلینڈ کے شہر کاونٹری میں حضرت علامہ مولانا عبدالوہاب صدیقی خلف الرشید مناظر اعظم حضرت مولانا محمد عمر اچھروی کے قائم کردہ علوم اسلامیہ کے مشہور مرکز جامعہ اسلامیہ میں شعبہ درس نظامی میں صدر مدرس ہیں۔

۳۔ مولانا قاری محمد برخوردار صاحب مہتمم جامعہ کریمیہ بلال گنج لاہور آپ فاضل درس نظامی ہونے کے ساتھ قراءات سبعہ عشرہ کے جید اساتذہ میں سے ہیں۔ اور لاہور میں حفظ و قراءات کے ایک وقیع ادارہ جامعہ کریمیہ کے مہتمم ہیں۔

۴۔ مولانا احمد علی صاحب مرزا پوری۔ شیخوپورہ شہر میں مصروف تدریس ہیں۔

۵۔ حضرت مصنف کے بڑے صاحبزادے حضرت علامہ مولانا قاری حافظ محمد طیب صاحب جس کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے۔

۶۔ مولانا صوفی محمد یونس صاحب۔ جو جامعہ رسولیہ شیرازیہ میں حضرت مصنف کے زیر سایہ شعبہ درس نظامی میں مصروف تدریس ہیں۔

اور فقیر خود بھی اسی گلشن کا ایک خوشہ چیں ہے۔ فقیر نے حضرت مصنف کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ کی توجہ اور اعانت سے فاضل عربی اور فاضل تنظیم المدارس کا کورس پاس کیا اور ایم اے تک عصری علوم حاصل کئے اور اب آپ کی توجہ سے انگلینڈ میں مصروف تبلیغ اسلام ہوں۔

خدا تعالیٰ آپ کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

احقر: حافظ محمد صابر علی صابری رضوی ایم اے

خطیب مکہ مسجد لوٹن سٹی۔ انگلینڈ

فہرست مضامین

نور العینین فی ایمان آبائی سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	باب اوّل	۴۱
۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر وجہنمی ثابت کرنے پر مخالفین کے دلائل اور ان کا رد۔	۴۱
۳	جواب اوّل؛	۴۲
۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے کفر پر مرنے کے متعلق امام اعظم کے قول کی تحقیق۔	۴۳
۵	جواب دوم؛	۴۴
۶	امام جلال الدین سیوطی نے آپ کے والدین کریمین کے ثبوت اسلام اور موحد ہونے پر چھ عدد رسالہ جات تصنیف فرمائے ہیں۔	۴۴
۷	جواب سوم؛	۴۵
۸	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی عبارات سے ماخوذ۔	۴۵
۹	فقہ اکبر کا تاریخی پس منظر	۵۰
۱۰	مشہور فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں۔	۵۲
۱۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے عدم اسلام پر ملا علی قاری	۵۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	کے دلائل اور ان کے مسکت جوابات	
۱۲	ملا علی قاری کی مذکورہ عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہونے۔	۶۳
۱۳	امور مذکورہ کے بالترتیب جوابات۔	۶۴
۱۴	امر اول کا جواب۔	۶۶
۱۵	امر دوم کا جواب۔	۶۷
۱۶	امر سوم کا جواب۔	۶۸
۱۷	امر چہارم کا جواب۔	۷۲
۱۸	ایک مثال سے وضاحت۔	۷۴
۱۹	ملا علی قاری کا بے ربط استدلال۔	۷۷
۲۰	ایک مغالطہ اور اس کا جواب۔	۷۹
۲۱	دونوں احادیث میں تطبیق ہو سکتی ہے۔	۸۰
۲۲	کیا والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر پر جمہور کا اتفاق ہے؟	۸۲
۲۳	امر پنجم کا جواب۔	۸۴
۲۴	امر ششم کا جواب۔	۸۶
۲۵	اہل فترت کی تین اقسام ہیں۔	۸۷
۲۶	لمحہ فکریہ۔	۸۹
۲۷	امر ہفتم کا جواب۔	۹۰
۲۸	الحاصل۔	۹۲
۲۹	احیاء والدین کریمین کے بعد ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہیں۔	۹۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۳۰	ملا علی قاری کے اس نظریہ پر علماء کی برہمی۔	۹۵
۳۱	مقام غور۔	۱۰
۳۲	ایذائے رسول اللہ کی دو مثالیں اور اس کا انجام۔	۱۰۱
۳۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ملا علی قاری نے اپنے نظریے سے رجوع کیا اور توبہ کی	۱۰۴
۳۴	اعتراض نمبر ۱:	۱۰۶
۳۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا میرا اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔	۱۰۶
۳۶	مذکورہ الفاظ متفق علیہ نہیں ہیں اور بوجہ ضعف کے عیب و نقص ثابت کرنے میں معتبر نہیں۔	۱۰۷
۳۷	اعتراض نمبر ۲:	۱۱۴
۳۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کا مقام اخروی معلوم کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے بارہ میں سوال کرنے سے منع کر دیا۔	۱۱۴
۳۹	جواب اول۔	۱۱۵
۴۰	مسالک الحنفا فی والدی المصطفیٰ سے اقتباس	۱۱۵
۴۱	مذکورہ عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔	۱۲۱
۴۲	جواب دوم۔	۱۲۲
۴۳	اعتراض نمبر ۳:	۱۳۱
۴۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملیکہ کے بیٹوں کو کہا تھا تمہاری اور میری ماں دونوں جہنم میں ہیں۔	۱۳۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۴۵	مذکورہ حدیث کی سند میں راوی عثمان بن عمیر متروک، غیر مرضی اور ناقابل حجت ہے۔	۱۳۵
۴۶	اعتراض نمبر ۱۱:	۱۴۰
۴۷	آپ نے جب اپنی والدہ کے لیے استغفار کی تو جبرئیل نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا مشرک کے لیے استغفار نہ کرو۔	۱۴۰
۴۸	والدہ کے لیے استغفار کے منع کی ایک توجیہ اور اس کی تردید	۱۴۲
۴۹	حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کو جہنمی کہنے والوں کی قرآنی آیات سے اشارۃً تردید۔	۱۴۵
۵۰	لمحۂ فکریہ۔	۱۶۵
۵۱	باب دوم	۱۶۹
۵۲	حضور علیہ السلام کے والدین اور جملہ آباؤ اجداد کے مومن اور موحد ہونے پر دلائل۔	۱۶۹
۵۳	فصل اول۔	۱۶۹
۵۴	آپ کے والدین کے ایمان پر قرآنی شواہد۔	۱۶۹
۵۵	فصل دوم:	۱۹۶
۵۶	حضور علیہ السلام کے جملہ آباؤ اجداد کے مومن اور موحد ہونے پر تاریخی شواہد۔	۱۹۶
۵۷	اس موضوع پر ایک اجمالی دلیل۔	۱۹۶
۵۸	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد کے مومن ہونے پر تفصیلی دلائل۔	۱۹۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۵۹	دلیل اوّل:	۱۹۹
۶۰	آدم تا نوح علیہ السلام تمام لوگ موحد تھے۔	۱۹۹
۶۱	دلیل دوم:	۲۰۰
۶۲	نوح تا ابراہیم علیہما السلام بھی سب لوگ مسلمان تھے۔	۲۰۰
۶۳	دلیل سوم:	۲۰۱
۶۴	ابراہیم علیہ السلام سے عمرو ابن لحیّٰ تک بھی سب مسلمان تھے۔	۲۰۱
۶۵	حضور علیہ السلام سے جناب عدنان تک آپ کا نسب نامہ	۲۰۶
۶۶	عدنان، معد، خذیمہ، ربیعہ اور اسد دینِ ابراہیمی پر تھے۔	۲۰۷
۶۷	جناب معد کی نسب کا عظیم انتظامی حفاظت۔	۲۰۸
۶۸	لمحۂ فکریہ:	۲۱۱
۶۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انیسویں دادا نزار کا بیان۔	۲۱۳
۷۰	ربیعہ، مضر، تمیم، ضبتہ، قیس اور الیاس کے مسلمان ہونے پر حدیثی شہادت۔	۲۱۵
۷۱	جناب الیاس کے اپنی پشت سے تلبیک کی آواز سننے اور ان کے وقار اور عظمت کا بیان۔	۲۱۶
۷۲	لمحۂ فکریہ:	۲۱۸
۷۳	حضور علیہ السلام کے سولھویں دادا جناب مدرکہ مومن تھے۔	۲۱۹
۷۴	آپ کے چودھویں دادا کنانہ بھی مومن تھے۔	۲۲۰
۷۵	آپ کے پندرھویں دادا جناب خذیمہ کا ایمان۔	۲۲۱
۷۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرھویں دادا جناب نضر کا صاحبِ ایمان ہونا۔	۲۲۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۷۷	جناب کعب لوی، غالب، فہر اور مالک رضی اللہ عنہم مومن تھے۔	۲۲۳
۷۸	سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچویں دادا قصی بن سعد کے ایمان کا ثبوت۔	۲۲۴
۷۹	سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے دادا عبد مناف بھی مومن تھے۔	۲۲۵
۸۰	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے دادا جناب ہاشم کا ثبوت ایمان	۲۲۶
۸۱	حضور علیہ السلام کے اول دادا جناب عبد المطلب کے ایمان کا بیان	۲۴۰
۸۲	لمحہ فکریہ۔	۲۴۵
۸۳	ایمان عبد المطلب پر دلالت کرنے والی چند روایات۔	۲۴۷
۸۴	روایت نمبر ۱:	۲۴۷
۸۵	شاہ یمن نے جب انہیں یہ پیش گوئی کی کہ تمہاری پشت سے بت شکن نبی آخر الزمان آئیں گے تو آپ سجدہ میں گر گئے۔	۲۴۷
۸۶	روایت نمبر ۲:	
۸۷	ایک یہودی عالم کی پیش گوئی کہ اے عبد المطلب تیرے ایک ہاتھ میں بادشاہی اور دوسرے میں نبوت ہوگی۔	۲۵۸
۸۸	روایت نمبر ۳:	۲۶۱
۸۹	ایک یہودی عالم کا حضور علیہ السلام کے بارہ میں نبی آخر الزمان ہونے کی پیش گوئی کرنا اور عبد المطلب کا اپنے بیٹوں کو حفاظت کا حکم دینا۔	۲۶۱
۹۰	روایت نمبر ۴: جناب عبد المطلب نے اپنے پوتے کا نام محمد اس لیے رکھا تاکہ زمین و آسمان میں ان کی تعریف ہوا کرے۔	۲۶۳

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۲۶۴	روایت نمبر ۵:	۹۱
۲۶۴	جناب عبدالمطلب نے اپنے پوتے کا نام عبداللہ تعالیٰ کی ہدایت پر رکھا۔	۹۲
۲۶۵	لمحہ فکریہ:	۹۳
	روایت نمبر ۶:	۹۴
۲۶۶	عبدالمطلب کو حضور علیہ السلام کے اسم گرامی کا علم کتب سابقہ سے بھی معلوم تھا۔	۹۵
۲۶۹	روایت نمبر ۷:	۹۶
۲۶۹	حلیمہ سعدیہ کو دایہ بنانے کے لیے جناب عبدالمطلب کو غائبانہ آواز آئی۔	۹۷
۲۷۱	روایت نمبر ۸:	۹۸
۲۷۱	جناب عبدالمطلب کے موحد اور مومن ہونے پر صراحتاً آپ کے اشعار دلالت کرتے ہیں۔	۹۹
۲۷۲	لمحہ فکریہ:	۱۰۰
۲۷۳	ایک ضمنی بحث۔	۱۰۱
۲۷۳	جناب عبدالمطلب کے مسلمان ہونے پر دو اعتراض۔	۱۰۲
۲۷۳	اعتراض اوّل:	۱۰۳
۲۷۳	نبی علیہ السلام نے فرمایا عبدالمطلب جنت کا مزہ دیکھے گا۔	۱۰۴
۲۷۵	جواب اوّل:	۱۰۵
۲۷۶	جواب دوم:	۱۰۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۰۷	نوٹ کریں:	۲۷۹
۱۰۸	اعتراض دوم:	۲۸۰
۱۰۹	ابو طالب نے آخری لمحات میں کہا میں ملت عبد المطلب پر مر رہا ہوں	۲۸۰
۱۱۰	جواب:	۲۸۲
۱۱۱	ایک ضمنی اعتراض:	۲۸۵
۱۱۲	ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر بت پرست تھے	۲۸۵
۱۱۳	حضور علیہ السلام کے تمام آباؤ اجداد کے مومن ہونے اور بلکہ اعلیٰ درجے کے مومن ہونے پر ایک واضح حدیث۔	۲۸۹
۱۱۴	خلاصہ:	۲۹۳
۱۱۵	ایک شبہ کہ حدیث مذکور منکر اور ضعیف ہے۔ لہذا قابل استدلال نہیں۔	۲۹۵
۱۱۶	یحییٰ بن عبد الحمید راوی کا حال۔	۲۹۶
۱۱۷	غسان ابن ربیع کا حال۔	۲۹۷
۱۱۸	سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ایمان دار ہونے پر دلائل۔	۲۹۹
۱۱۹	دلیل ۱:	۲۹۹
۱۲۰	دلیل ۲:	۳۰۰
۱۲۱	دلیل ۳:	۳۰۱
۱۲۲	دلیل ۴:	۳۰۱
۱۲۳	دلیل ۵:	۳۰۱
۱۲۴	دلیل ۶:	۳۰۲
۱۲۵	نوٹ کریں:	۳۰۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۲۶	دلیل ۸:	۳۰۸
۱۲۷	لمحۂ فکریہ:	۳۱۵
۱۲۸	حضور علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے ایمان دار ہونے پر روایات:	۳۱۷
۱۲۹	روایت نمبر ۱:	۳۱۷
۱۳۰	روایت نمبر ۲:	۳۱۹
۱۳۱	روایت نمبر ۳:	۳۲۰
۱۳۲	روایت نمبر ۴:	۳۲۱
۱۳۳	روایت نمبر ۵:	۳۲۳
۱۳۴	روایت نمبر ۶:	۳۲۵
۱۳۵	لمحۂ فکریہ:	۳۲۶
۱۳۶	ولادت باسعادت کے وقت سیدہ آمنہ کا علامات نبوت کے دیکھنے کا اجمالی تذکرہ۔	۳۲۷
۱۳۷	روایت نمبر ۷:	۳۲۸
۱۳۸	روایت نمبر ۸:	۳۳۱
۱۳۹	روایت نمبر ۹:	۳۳۲
۱۴۰	روایت نمبر ۱۰:	۳۳۴
۱۴۱	مذکورہ روایات کی روشنی میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے درج ذیل علامات نبوت دیکھیں۔	۳۳۵
۱۴۲	لمحۂ فکریہ:	۳۳۷
۱۴۳	روایت نمبر ۱۱:	۳۳۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۴۴	لمحۂ فکریہ:	۳۴۱
۱۴۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔	۳۴۲
۱۴۶	لمحۂ فکریہ:	۳۴۵
۱۴۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے زندہ کیے جانے والی احادیث کو ابن تیمیہ کا موضوع کہنا اور اس کا تحقیقی جواب۔	۳۴۷
۱۴۸	ابن تیمیہ کے مذکورہ جواب سے درج ذیل امور سامنے آئے۔	۳۵۲
۱۴۹	ابن تیمیہ اور تاریخ خمیس کے مندرجات کا تقابل۔	۳۶۱
۱۵۰	امام سہیلی کیا غیر ثقہ ہیں۔	۳۶۲
۱۵۱	امام بغوی کیسے آدمی تھے۔	۳۶۴
۱۵۲	امام شاہین کیسے آدمی تھے۔	۳۶۴
۱۵۳	لمحۂ فکریہ:	۳۶۹
۱۵۴	اعتراض: ابن تیمیہ کہتا ہے کہ آپ کے والدین کریمین کا زندہ ہو کر اسلام لانا حدیث صحیح کے خلاف ہے۔	۳۷۰
۱۵۵	جواب اوّل:	۳۷۰
۱۵۶	جواب دوم از تاریخ خمیس:	۳۷۱
۱۵۷	جواب سوم: تفسیر ابن جریر۔	۳۷۴
۱۵۸	لمحۂ فکریہ:	۳۷۵
۱۵۹	جواب چہارم: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا	۳۷۵

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۳۷۶	اعتراض: ابن تیمیہ کہتا ہے۔ ابن شاہین نے جو روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ ہونے اور اسلام لانے کی تائید میں پیش کی ہے۔ اس میں مجہول راوی ہیں۔	۱۶۱
۳۷۸	اس حدیث کی مذکورہ سند پر بحث۔	۱۶۲
۳۸۱	خلاصہ۔	۱۶۳
۳۸۲	ابن شاہین کی روایت ملاحظہ ہو۔	۱۶۴
۳۸۲	مذکورہ سند پر غور وفکر۔	۱۶۵
۳۸۴	ماضی قریب کے ہندوستانی عالم رشید احمد گنگوہی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کفر کا فتویٰ (معاذ اللہ)	۱۶۶
۳۸۷	عبدالحی لکھنوی دیوبندی کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو دوزخی کہنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔	۱۶۷
۳۸۹	اہلحدیث کے ایک جید عالم محمد ابراہیم سیالکوٹی کا عقیدہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مومن تھے۔	۱۶۸
۳۹۳	غیر مقلد عالم محمد ابراہیم سیالکوٹی کے اقتباسات سے درج ذیل امور ثابت ہوئے۔	۱۶۹
۳۹۴	لمحہ فکریہ:	۱۷۰
۳۹۵	ذخیرہ قرآن وحدیث سے چند مثالیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر اشارۃً دلالت کرتی ہیں۔	۱۷۱
۳۹۵	مثال اول: ابولہب کو جہنم میں نبی علیہ السلام کی ولادت کی خوشی کا فائدہ۔	۱۷۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۶۲	مثال دوم : کسی نبی کی والدہ کافرہ نہیں ہوئی۔	۳۹۸
۱۶۳	مثال سوم : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافرہ کا دودھ نوش نہیں فرمایا۔	۴۰۲
۱۶۴	مثال چہارم : تابوت سکینہ کو فرشتے زمین و آسمان کے درمیان اٹھائے تھے۔	۴۰۳
۱۶۵	تابوت سکینہ کی عظمت و شان۔	۴۰۴
۱۶۶	تابوت کی توہین کرنے والے ہلاک ہوئے۔	۴۰۵
۱۶۷	لمحہ فکریہ :	۴۰۶
۱۶۸	مثال پنجم : قمیص یوسف علیہ السلام کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آگئی۔	۴۰۸
۱۶۹	مثال ششم : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون شریف چوسنے سے مالک بن سنان پر آگ حرام ہو گئی۔	۴۱۰
۱۷۰	صحابہ کرام کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ کے بارے میں عقیدہ۔	۴۱۲
۱۸۱	لمحہ فکریہ :	۴۱۵
۱۸۲	مثال ہفتم : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ میں استعمال شدہ ڈھیلوں میں خوشبو ہوتی تھی۔	۴۱۶
۱۸۳	لمحہ فکریہ :	۴۱۸
۱۸۴	مثال ہشتم : جس عورت نے غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بول نوش کر لیا اس کے پیٹ کی سب بیماریاں جاتی رہیں۔	۴۱۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۸۵	مثال نہم: عکرمہ اور سبیعہ کے والد کو کافر کہنے کی وجہ سے ان کی تکلیف کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تکلیف قرار دیا۔	۴۱۹
۱۸۶	لمحہ فکریہ:	۴۲۱
۱۸۷	مثال دہم: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل قیامت کو سب سے پہلے اپنے قرابت والوں کی شفاعت کریں گے۔	۴۲۲
۱۸۸	لمحہ فکریہ:	۴۲۳
۱۸۹	لمحہ فکریہ:	
۱۹۰	مثال یازدہم: دس جانور جنت میں جائیں گے۔	۴۲۵
۱۹۱	لمحہ فکریہ:	۴۲۶
۱۹۲	مثال دوازدہم: اگر والدین کریمین آپ کو نماز میں بلائیں تو حضور فرماتے ہیں۔ میں ان کے بلاوے کا نماز میں جواب دوں گا۔	۴۲۸
۱۹۳	لمحہ فکریہ:	۴۲۹
۱۹۴	مثال سیزدہم: حافظ قرآن کی شفاعت سے گھر کے دس افراد جنت میں جائیں گے۔	۴۲۹
۱۹۵	لمحہ فکریہ:	۴۳۰
۱۹۶	مثال چہاردہم: نیک بیٹے کو اپنے والدین کے انتقال کے بعد ان کے لیے مانگی گئی دعا مستجاب ہوتی ہے۔	۴۳۰
۱۹۷	لمحہ فکریہ:	۴۳۱
۱۹۸	مثال پنجدہم: حافظ قرآن کے والدین کو قیامت میں تاج پہنائے جائیں گے۔	۴۳۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۹۹	مثال ششدھم: حافظ قرآن کے والدین کے سروں پر قیامت کو تاج رکھا جائے گا۔	۴۲۳
۲۰۰	نوٹ نمبر ۱:	۴۲۴
۲۰۱	وہ کتب جو ایمان والدین سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں لکھی گئیں۔	۴۲۵
۲۰۲	برصغیر کے سب سے بڑے محدث عبدالحق دہلوی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں عقیدہ	۴۳۸
۲۰۳	نوٹ نمبر ۲:	۴۴۰
۲۰۴	مثال ہفدھم: جس پتھر پر ابراہیم علیہ السلام نے دونوں قدم رکھے اس کی عظمت وشان	
۲۰۵	مثال ہشدھم: سیدہ ہاجرہ کے صفا ومروہ کے درمیان چکر لگانے کی وجہ سے صفا ومروہ کی عظمت وشان	
۲۰۶	مثال نہدھم: نبی علیہ السلام کی قبر شریف کعبہ عرش اور جنت افضل ہے۔	
۲۰۷	مثال ہفدہم: جس پتھر پر ابراہیم علیہ السلام نے دونوں قدم رکھے اس کی عظمت وشان	۴۴۱
۲۰۸	مثال ہشدہم: سیدہ ہاجرہ کے صفا مروہ کے درمیان چکر لگانے کی وجہ سے صفا، مروہ کی عظمت وشان۔	۴۴۱
۲۰۹	مثال نہدہم: نبی علیہ السلام کی قبر شریف کعبہ عرش اور جنت سے افضل ہے۔	۴۴۳
۲۱۰	مثال بستم: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ کا حکم۔	۴۴۵

نمبر	مضمون	صفحہ
۲۱۱	ایک مثال و بشنو و مدینہ منورہ میں دفن ہونے والی کی شان	۴۴۹
۲۱۲	اعتراض : جواب	۴۵۰
۲۱۳	نبی علیہ السلام کے والد ماجد کا چودہ سو سال کے بعد ترو تازہ جسم برآمد ہوا۔	۴۵۰
۲۱۴	مثال دوو بیتم، آپ کے چند دفعہ تکبیر لگانے کی وجہ سے جنازہ کی شان۔	۴۵۱
۲۱۵	خلاصہ مثال۔	۴۵۶
۲۱۶	ایک سوال ؛	۴۶۶
۲۱۷	ایک شبہ ؛	۴۶۹
۲۱۸	جواب شبہ ؛	۴۷۱
۲۱۹	ایک خط کا جواب ؛	۴۷۱
۲۲۰	خط کا مضمون۔	۴۷۱
۲۲۱	سوال ۱ : امام بیہقی نے کہا نبی علیہ السلام کے والدین بت پرست تھے۔	۴۷۲
۲۲۲	سوال ۲ : امام نے کہا نبی علیہ السلام کے والدین کو مومن کہنا یہ رافضیوں کا عقیدہ ہے۔	۴۷۳
۲۲۳	سوال ۳ : امام مسلم نے کہا نبی علیہ السلام کو ماں کے لیے استغفار کرنے سے منع کیا گیا۔	۴۷۳
۲۲۴	مذکورہ تینوں سوالات کے بالترتیب جوابات۔	۴۷۴
۲۲۵	سوال اول کا جواب۔	۴۷۷
۲۲۶	حاصل کلام	۴۷۷
۲۲۷	جواب اول	۴۷۷
۲۲۸	جواب دوم	۴۸۰
۲۲۹	جواب سوم	۴۸۰
۲۳۰	جواب چہارم۔	۴۸۲
۲۳۱	جواب پنجم۔	۴۸۴
۲۳۲	عبدالمطلب کے مومن و موحد ہونے پر دو شواہد۔	۴۹۰
۲۳۳	دوسرے سوال کی پوری عبارت	۴۹۲
۲۳۴	سوال دوم کا جواب اول۔	۴۹۸
۲۳۵	جواب دوم۔	۵۰۱
۲۳۶	جواب سوم۔	۵۰۶
۲۳۷	الی صل۔	۵۱۰

باب اوّل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے
والدین کو کافر و جہنمی ثابت کرنے پر
مخالفین کے دلائل و انکا رد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر و جہنمی ثابت کرنے پر مخالفین کے دلائل اور ان کا رد

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بزرگوار اور آپ کی والدہ محترمہ رضی اللہ عنہما کے مسلمان ہونے کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اور اس کے خلاف بھی کچھ لوگوں نے کافی ورق سیاہ کیے ہیں۔ یہاں تک کہ اہل تشیع نے اس مسئلہ کو اعتراض کے طور پر اہل سنت کے امام جناب ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر پیش کیا ہے۔ امام اعظم کی طرف والدین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم ایمان کی نسبت "فقہ اکبر" کے حوالے سے کی گئی ہے۔ اس لیے ہم نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور ان شاء اللہ آئندہ اوراق میں اس کا مکمل مالہ و ماعلیہ بیان کریں گے جو اس جامعیت کے ساتھ کہیں اور ملنا شاید ممکن نہ ہو۔ شیعہ مولوی غلام حسین نجفی نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب "فقہ حنفیہ" پر اعتراضات کرتے ہوئے ایک اعتراض یہ بھی لکھا

ہے کہ ۔

حقیقت فقہ حنفیہ :

اہل سنت کی کتاب شذرات الذہب ص ۲۲۰ میں لکھا ہے ۔

نُعْمَانُ لَهُ دَارٌ كَبِيْرٌ نَعْمَلُ الخَزِّ وَعِنْدَهُ صُنَّاعٌ

ترجمہ : کہ نعمان صاحب کا ایک بہت بڑا گھر تھا اور اس گھر میں نعمان کا کھڈی کا بہت بڑا کاروبار تھا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نعمان بہت بڑے جولاہے تھے ۔ پس کجا ایک بہت بڑا جولاہا اور کجا دین اسلام ۔ جولاہا مسلمان تو ہو سکتا ہے ۔ لیکن امت محمدی کا امام نہیں ہو سکتا ۔ چونکہ نعمان صاحب جولاہے تھے ۔ لہذا چار حرف پڑھنے کے بعد ایسے بے تکے فتوے دیئے کہ شرم سے تمام عالم اسلام کی گردن جھک گئی ۔ یہ فتوی نعمان کا ہی فقہ اکبر میں ہے کہ ۔

وَ وَالِدَا رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ ۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین معاذ اللہ کفر کی حالت میں مرے ہیں ۔ (حقیقت فقہ حنفیہ ص ۱۹)

نوٹ :

اعتراض مذکورہ میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو جولاہا کہہ کر توہین آمیز رویہ سے ان کی علمی وجاہت کا مذاق اڑایا گیا ہے ۔ ہم نے اعتراض کے مذکورہ حصہ کی تفصیل تردید فقہ جعفریہ جلد دوم میں کر دی ہے ۔ یہ جلد نجفی شیعی کے ان تمام اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے ۔

جو "حقیقت فقہ حنفیہ" نامی کتاب میں اس نے امام اعظم اور آپ کی طرف منسوب فقہ
پر کیے ہیں۔ چونکہ فقہ حنفیہ کے ساتھ ساتھ ایک اعتراض کے آخر
میں ایک اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے عدم اسلام کی صورت
میں امام اعظم پر کیا گیا ہے۔ اور اس حصہ کا جواب مذکورہ جلد دوم میں نہیں دیا گیا۔ اس لیے
اس کے جواب کی طرف، ہم اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے ساتھ قلم اٹھاتے ہیں۔ اور پھر
اس کے بعد اسی موضوع کے متعلق دوسری ابحاث بھی انشاء اللہ سپرد قلم ہوں گی۔

وباللہ التوفیق

جواب اوّل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے کفر پر مرنے سے متعلق امام اعظم کے قول کی تحقیق۔

"فقہ اکبر" نامی کتاب کیا سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تالیف وتصنیف
ہے۔ ؟ علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف کو بالائے طاق
رکھ کر ہم اگر یہ تسلیم بھی کر لیں۔ کہ "فقہ اکبر" واقعی امام اعظم کی تصنیف ہے۔ تو پھر مذکورہ
عبارت (ماتا علی الکفر) کا اس میں پایا جانا ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ علماء
نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ کہ مذکورہ عبارت کسی نے فقہ اکبر میں درج کر دی
ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ایسا لکھا اور نہ ہی کبھی اس کا اظہار فرمایا۔ خود ہمارے
کتب خانہ میں فقہ اکبر کے دو مطبوعہ نسخے موجود ہیں۔ ایک ۱۳۴۲ھ کا چھپا ہوا

جو مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے طبع ہوا۔ اور دوسرا نسخہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی کا ہے۔ جو ابھی تازہ ہی چھپ کر بازار میں آیا ہے۔ ان دونوں نسخہ جات میں مذکورہ عبارت کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اگر "ماتا علی الکفر" واقعی امام اعظم رضی اللہ عنہ کا کلام ہوتا۔ تو پھر فقہ اکبر کا کوئی نسخہ اس سے خالی نہ ہوتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اہل سنت کے فقہاء کرام نے اس کی پرزور تردید کی ہے۔ اور فقہ اکبر کی اصل مصنف کی عبارت اسے تسلیم نہیں کیا۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

طحطاوی:

وَمَا فِی الْفِقْهِ مِنْ اَنَّ وَالِدَیْهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ فَمَدْسُوْسٌ عَلَی الْاِمَامِ وَعَلَی النُّسَخِ الْمُعْتَمَدَةِ وَلَیْسَ بِهَا شَیْءٌ مِنْ ذَالِکَ۔ (طحطاوی جلد دوم ص ۸۰ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: "فقہ اکبر" میں جو یہ الفاظ کہیں ملتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین امام اعظم کے بقول کفر پر مرے۔ تو یہ الفاظ امام اعظم رضی اللہ عنہ پر بطور افتراء منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ قابل اعتماد نسخہ جات فقہ اکبر میں ان الفاظ کا نام و نشان تک نہیں ملا۔

جواب دوم: امام جلال الدین سیوطی نے آپ کے والدین کریمین کے ثبوتِ اسلام اور موحد ہونے پر چھ عدد رسالہ جات تصنیف فرمائے ہیں

علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین کریمین کے ثبوت اسلام پر اور موحد و جنتی ہونے پر چھ عدد رسالہ جات تصنیف فرمائے۔ ان میں علامہ موصوف نے ان عبارات کا جواب بھی تحریر فرمایا

جو اس عقیدہ کے خلاف تھیں یعنی جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے عدم اسلام کی بات تھی۔ ہم نے علامہ موصوف کے تمام رسائل دیکھے۔ لیکن ان میں کہیں بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس عبارت کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اور پھر جب علامہ السیوطی نے ایک رسالہ فضائل ومناقب امام اعظم پر تصنیف فرمایا۔ جس کا نام تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ ہے۔ اس میں بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا۔ جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں "ما تا علی الکفر" والا عقیدہ تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوا۔ کہ "فقہ اکبر" میں کسی نے اپنی طرف سے مذکورہ عبارت درج کر دی۔ یوں لوگوں نے اسے امام اعظم کا کلام سمجھ کر ان پر طعن و اعتراض کرنا شروع کر دیا۔

جواب سوم: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی عبارات سے ماخوذ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ عبارت پر ارشادات ملاحظہ ہوں۔

المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد:-

لَمْ یَثْبُتْ ھٰذَا عَنْ سَیِّدِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ رضی اللہ عنہ قَالَ الْعَلَّامَۃُ السَّیِّدُ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فِیْ حَاشِیَتِہٖ عَلَی الدُّرِّ الْمُخْتَارِ مِنْ نِکَاحِ بَابِ الْکَافِرِ مَا نَصُّہٗ فِیْہِ اِسَاءَۃُ اَدَبٍ وَالَّذِیْ یَنْبَغِیْ اِعْتِقَادُہٗ حِفْظُھُمَا مِنَ الْکُفْرِ وَذَکَرَ الْکَلَامَ اِلٰی اَنْ قَالَ وَمَا فِیْ فِقْہِ الْاَکْبَرِ

مِنْ اَنَّ وَالِدَيْهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ فَمَدْسُوْسٌ عَلَى الْإِمَامِ وَيَدُلُّ
عَلَيْهِ اَنَّ النُّسَخَ الْمُعْتَمَدَةَ مِنْهُ لَيْسَ فِيْهَا شَيْئٌ
مِنْ ذَالِكَ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ الْمَكِّيُّ فَتَاوَاهُ وَالْمَوْجُوْدُ
فِيْهَا ذَالِكَ لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ الْبُخَارِيْ
لَا لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ بْنِ الثَّابِتِ الْكُوْفِيْ وَعَلَى
التَّسْلِيْمِ اَنَّ الْإِمَامَ قَالَ ذَالِكَ فَمَعْنَاهُ اَنَّهُمَا مَاتَا
فِيْ زَمَنِ الْكُفْرِ وَهٰذَا لَا يَقْتَضِيْ اِتِّصَافَهُمَا
بِهِ اِلٰى اٰخِرِ مَا اَفَادَ وَاَجَادَ اَقُوْلُ وَلِهٰذِهِ الْعِبَارَةِ
قَرِيْنَةٌ اُخْرٰى تُوْجَدُ مِثْلُهَا فِيْ بَعْضِ
النُّسَخِ دُوْنَ الْاُخْرٰى وَهِيَ قَوْلُهُ وَرَسُوْلُ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ عَلَى الْإِيْمَانِ وَ
الْعَلَّامَةُ الْقَارِيْ نَفْسُهُ قَدِ ارْتَابَ فِيْ
صِحَّةِ نِسْبَتِهَا اِلَى الْكِتَابِ حَيْثُ قَالَ
لَعَلَّ مُرَامَ الْإِمَامِ عَلٰى تَقْدِيْرِ صِحَّةِ
وُرُوْدِ هٰذَا الْكَلَامِ فَالْقَطْعُ بِصِحَّةِ هٰذِهِ
مَعَ اِشْتِرَاكِهِمَا فِيْ خُلُوِّ النُّسَخِ الْمُعْتَمَدَةِ
عَنْهُمَا مِمَّا يُفْضِيْ اِلَى التَّعَجُّبِ۔

(المستند المعتمد بناء نجاة الابد صفحہ نمبر ۲۳۰ طبع قدیم)

ترجمہ: یہ قول حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ علامہ

طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ ردالمحتار میں کہا کہ یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا انتقال کفر کے ساتھ ہوا۔ یہ بے ادبی ہے۔ اور والدین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک مسلمان کا جو عقیدہ ہونا چاہیئے وہ یہ کہ ان دونوں حضرات کو کفر سے محفوظ سمجھا جائے۔ سلسلۂ کلام چلاتے ہوئے علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا۔ کہ ”فقہ اکبر“ کے حوالے سے جو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا حالت کفر میں انتقال ہوا۔ یہ کہنا امام اعظم رضی اللہ عنہ پر ایک تہمت سے کم نہیں ہے۔ اور اس کے تہمت ہونے پر یہ بات دلالت کرتی ہے۔ کہ فقہ اکبر کے جو نسخے قابل اعتماد ہیں۔ ان میں ایسے الفاظ کا قطعاً وجود تک نہیں ملتا۔ علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاوی میں کہا ہے۔ کہ فقہ اکبر کے حوالہ سے جو مذکورہ عبارت پیش کی جاتی ہے۔ وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی ہے۔ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت یعنی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نہیں ہے۔ اور اگر یہ تسلیم کر ہی لیا جائے۔ کہ عبارت مذکورہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ہی ہے۔ تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا انتقال زمانۂ کفر میں ہوا۔ لیکن اس معنی سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ دونوں بزرگوار کفر سے متصف تھے۔ الخ

میں (یعنی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز) کہتا ہوں۔ کہ ”ماتا علی الکفر“ کا جو معنی ابن حجر مکی نے کیا۔ اس کا ایک اور قرینہ بھی موجود ہے۔ وہ یہ کہ فقہ اکبر کے بعض نسخہ جات میں اس عبارت کے ساتھ یہ عبارت بھی مذکور ہے۔ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مات علی الایمان

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف زمانۂ ایمان پر ہوا۔ ملا علی قاری کو تو خود اس عبارت (مات علی الایمان) کے بارے میں شک ہے۔ کہ یہ نفسِ کتاب (فقہ اکبر) کی ہے۔ کیونکہ انھوں نے کہا ہے۔ "و شاید کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد اس عبارت سے بشرطیکہ اس عبارت کا آپ سے صدور تسلیم کیا جائے یہ ہو"۔ لہٰذا اس عبارت کے صحیح ہونے پر یقین کر لینا حالانکہ قابل اعتماد نسخہ جات اس سے خالی ہیں۔ یہ ایسا یقین ہے۔ جو تعجب میں ڈال دیتا ہے۔

توضیح:

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے قول کی وضاحت یہ ہے۔ کہ "ماتا علی الکفر" کے الفاظ معتمد نسخہ جات میں موجود نہیں۔ اور فقہ اکبر کے جن نسخوں میں یہ عبارت ملتی ہے۔ وہ امام اعظم کی تصنیف نہیں بلکہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف ہے۔ علاوہ ازیں بشرط تسلیم اس عبارت کے ساتھ بعض نسخوں میں یہ عبارت بھی موجود ہے۔ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مات علی الایمان۔ اس جملہ کے بارے میں ملا علی قاری خود شک میں ہیں۔ ملا علی قاری کی عبارت یہ ہے۔

شرح فقہ اکبر:

ولیس ھذہ النسخۃ فی اصل شارح تصدی لھذا المیدان لکونہ ظاھرا فی معرض البیان ولا یحتاج ذکرہ لعلوہ فی ھذا الشان ولعل مرام الامام علی تقدیر صحۃ وجود ھذا الکلام انہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث کونہ نبیا من الانبیاء

وَهُوَ كُلُّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْكُفْرِ فِى الْاِبْتِدَاءِ وَالْاِنْتِهَاءِ نَعْتَقِدُ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَاتَ عَلَى الْاِيْمَانِ

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۱۳۱ مطبوعہ ہند طبع قدیم)

ترجمہ: اور اس نسخہ کی یہ عبارت کسی اصل کی تشریح کے طور پر یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں کیونکہ یہ بیان کرنے کے بغیر بھی ظاہر ہے۔ اور اس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس اس بارے میں بلند و بالا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شاید امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اس عبارت سے مقصد یہ ہو۔ کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیگر انبیائے کرام کی طرح ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ اور وہ حضرات کفر سے ابتداء اور انتہاء دونوں میں معصوم ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس بات کا معتقد ہونا چاہیے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف بھی ایمان پر ہوا۔

ملا علی قاری جب "مات علی الایمان" کے جملہ کے بارے میں مضطرب ہیں۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال بحالتِ ایمان ہونا ظاہر من الشمس ہے۔ اس لیے عقائد کی اہم باتوں میں اسے ذکر کرنا کوئی دانشمندانہ بات نہیں پھر ایک تعجب اس بات پر کہ ملا علی قاری اسے صاحب فقہ اکبر کی تحریر مانتے ہیں۔ اور پھر اس کی تاویل ایک ایسے انداز سے کرتے ہیں۔ جو عامیانہ ہے۔ بھلا کس مومن کا یہ عقیدہ ہو گا۔ کہ وہ تمام انبیاء کرام کو اول و آخر وقت مومن سمجھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انجام پر اسے شک و وہم گزرے۔ لہٰذا اس شک کو دور کرنے کے لیے وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک عقیدہ ذکر کیا۔ وہ یہ کہ

ہر مومن کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال بحالتِ ایمان ہوا۔؟ ہاں اس کی ایک وجہ ہو سکتی تھی۔ وہ یہ کہ کسی پیغمبر کی موت (معاذ اللہ) کفر پر ہوئی ہو۔ یا سب انبیاء سابقین (معاذ اللہ) بوقتِ انتقال ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہوں۔ تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کے لیے یہ اصل بیان کر رہے ہوں۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے متعلق انبیاء سابقین کا سا عقیدہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف ایمان کی حالت میں اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ لیکن یہ وجہ خود مردود ہے۔

ملا علی قاری کا اس عبارت کو تعجب سے دیکھنا اور اس کو اولاً صاحب فقہ اکبر کی تحریر نہ کہنا اور پھر عجیب و غریب اس کا مقصد ان پر تھوپنا ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی کہتے ہیں۔ کہ اسی عبارت سے متصل عبارت (ما مات علی الکفر) بھی جب قابل اعتماد نسخوں میں موجود نہیں تو پھر اسے ملا علی قاری کا درست تسلیم کرنا اور اس کی تائید کرنا اور اس کے خلاف کی تردید کرنا کس قدر تعجب خیز بات ہے۔

"فقہ اکبر" کا تاریخی پس منظر

گزشتہ اوراق میں فقہ اکبر نامی کتاب کے مصنفین میں دو حضرات کے نام مذکور ہوئے ہیں۔ ایک سیدنا امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دوسرے ابوحنیفہ محمد بن یوسف البخاری۔ اس ضمن میں یہ بھی گزرا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق جملہ جن نسخہ جات میں ہے۔ وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف کی تصنیف ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف میں یہ بحث نہیں ہے

بہرحال جو فقہ اکبر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے۔ وہ ابو مطیع بلخی سے مروی ہے۔ اسے ابن تیمیہ، علامہ ذہبی، ابن قیم، ابن حجر مکی، شیخ الاسلام ابو اسماعیل بخاری ابن ابی حاتم، علامہ قونوی، ابن ابی قدامہ حنبلی شارح عقائد طحاوی، ابن عبدالرسول عبدالسلام محمد زکی الطحاوی اور صاحب کشف الظنون وغیرہ حضرات نے تسلیم بھی کیا ہے۔ اور اس کا تذکرہ بھی کیا۔ چونکہ دونوں مصنفین کی کنیت ابو حنیفہ تھی۔ اس لیے اشتباہ کی وجہ سے لوگوں نے امتیاز نہ کیا۔ اور بوجہ شہرت اس سے مراد امام اعظم کی ذات لے لی گئی۔ صاحب کشف الظنون کہتے ہیں۔

کشف الظنون:

الفقه الاكبر فى الكلام للامام الاعظم ابى حنيفة نعمان بن ثابت الكوفى المتوفى ۱۵۰ھ خمسين و مأته روى عنه ابو مطيع البلخى و اعتنى به جماعة من العلماء۔

(کشف الظنون جلد دوم ص ۱۲۸۷ مطبوعہ دارالفکر جدید)

ترجمہ: علم کلام کے موضوع پر لکھی گئی کتاب "فقہ اکبر" امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے۔ جن کا ۱۵۰ھ میں انتقال ہوا یہ کتاب آپ سے ابو مطیع البلخی نے روایت کی۔ علماء کی ایک جماعت نے اس کا اہتمام کیا۔

نوٹ:

صاحب کشف الظنون یہاں اس بات کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ کہ لوگوں نے "ابو حنیفہ" کنیت کے اشتباہ کی وجہ سے مشہور فقہ اکبر کتاب کی بہت سی شروحات اس ارادے سے لکھیں۔ کہ یہ کتاب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

تصنیف ہے۔ صاحب کشف الظنون نے یہاں اُن حضرات کے نام بھی گنوائے ہیں۔ جو اس مغالطہ کا شکار ہوئے۔ اور انکی شروحات بازار میں آگئیں۔ اگرچہ یہاں خود بھی صاحب کشف الظنون تحقیق سے ہٹ گئے۔ کیونکہ جب انہیں یہ علم تھا۔ کہ امام اعظم کی تصنیف فقہ اکبر ابو مطیع بلخی سے روایت ہے اور جن شروحات کا ذکر کیا وہ اس فقہ اکبر کی نہیں۔ بلکہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف کی ہیں۔ لیکن تساہل کرتے ہوئے صاحب کشف الظنون نے انہیں امام اعظم کی فقہ اکبر کی شروحات کے طور پر پیش کیا ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ جس فقہ اکبر کو شہرت ملی۔ اور جس کی شروحات کی گئیں۔ وہ امام اعظم کی فقہ اکبر نہیں۔ لہٰذا ملا علی قاری نے بھی جس کی شرح لکھی۔ وہ بھی ابو حنیفہ محمد بن یوسف کی تصنیف ہے۔ اس لیے اس کے معتقدات امام اعظم کے عقائد نہیں کہلائے جا سکتے۔ اسی امر کی ایک اور دلیل پیش خدمت ہے۔

مشہور فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں

مہر انور: امام اعظم صاحب کا وہ رسالہ چونکہ فقہ اکبر کے نام سے مشہور ہے۔ کہ جس کی روشنی سے مسلمانوں کے سینے منور ہوئے۔ اور جس کی بدولت لوگوں نے صراط مستقیم کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ میں نے اس کے متعلق یہ خیال۔ کہ اس کا میں اردو میں ترجمہ لکھوں۔ کہ جس سے عام لوگ فائدہ اٹھائیں۔ لیکن اتفاق سے وہ نسخہ مروجہ کوشش کے باوجود ہاتھ نہ لگا۔ لیکن میں اس کی جستجو میں رہا۔ اور اتفاقاً مفتی محمد سعید شافعی مدارسی کے کتب خانہ میں مجھے نظر آیا۔ جسے دیکھ کر میں بھڑک اٹھا۔ اور اس کے بعد میں نے اس کا ترجمہ کیا۔ اور چونکہ وہ عربی میں تھا۔ جس کو عام لوگ نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے میں نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔......

فقہ اکبر ہے۔ کہ جس کا ترجمہ ہی نہیں بلکہ شروح بھی بہت سے لوگوں نے لکھیں ہیں۔ یہ
امام ابوحنیفہ کی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ یہ ابوحنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف اور
صاحب تصنیف کے نام اتفاق سے مشترک متحد پائے گئے۔ اور فقہ اکبر جو کہ ابو
مطیع بلخی کی مروی ہے۔ وہ بہت ہی کمیاب تھی۔ اس لیے لوگ اس
مشہور فقہ اکبر کو امام اعظم کی تصنیف سمجھتے ہوئے اس کی طرف اس طرح دوڑے
جس طرح پیاسا ریگستان کو دور سے پانی تصور کرتا ہے۔ (مہر انور ص ۲ تا ۷)
"فقہ اکبر" جو مشہور و معروف ہے۔ اس کی شروحات کا بکثرت وجود ہے
لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ سب شروحات نویں صدی کے بعد معرض وجود میں
آئیں۔ یعنی ان کے شارحین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں۔ جو نویں صدی سے قبل سے
تعلق رکھتا ہو۔ حالانکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا پہلی دوسری صدی کا زمانہ ہے۔
سات سو سال تک کسی نے ایسے عظیم شخص کی تصنیف کی شرح کی طرف توجہ نہ دی یعقل
یہ باور نہیں کرسکتی۔ کہ اتنا طویل عرصہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف سے ان کے نام
لیواؤں نے روگردانی کی۔ اور پھر نویں صدی کے بعد یکایک فقہ اکبر اور اس کی
شروحات عام ہوگئیں۔ علامہ طحاوی۔ ابو اللیث سمرقندی اور علامہ کرخی ایسی شخصیات
سے بھی اس کی کوئی شرح نظر نہ آئی۔ حالانکہ یہ حضرات امام صاحب کی تعلیمات کے
خصوصی مبلغ اور شارح تھے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ موجودہ فقہ اکبر
امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف نہیں ہے۔ ابن تیمیہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی
تصنیف "فقہ اکبر" کے کچھ اقتباسات پیش کیے ہیں۔ ہم انہیں ذیل میں درج کر
رہے ہیں۔ ان اقتباسات کو موجودہ فقہ اکبر کی عبارت سے ملا کر دیکھیں۔ تو
بات بالکل واضح ہو جائے گی۔ کہ یہ فقہ اکبر متداولہ وہ نہیں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ
کی تصنیف تھی۔ اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

الحموية الكبرىٰ:

وفی کتاب (الفقه الاكبر) المشهور عند اصحاب ابی حنیفة الذی رووه باسناد عن ابی مطیع الحکم بن عبد الله البلخی
قَالَ سَأَلْتُ أَبَا حَنِيفَةَ عَنِ الْفِقْهِ الأَكْبَرِ فَقَالَ لَا تُكَفِّرَنَّ أَحَداً بِذَنْبٍ وَلَا تَنْفِ أَحَداً بِهِ مِنَ الْإِيمَانِ وَتَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَىٰ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتَعْلَمُ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَلَا تَتَبَرَّأْ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَلَا تُوَالِ أَحَداً دُوْنَ أَحَدٍ وَأَنْ تَرُدَّ أَمْرَ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ (أَبُوْ حنيفة) اَلْفِقْهُ الأَكْبَرُ فِي الدِّيْنِ خَيْرٌ مِنَ الْفِقْهِ فِي الْعِلْمِ وَلَأَنْ يَفْقَهَ الرَّجُلُ كَيْفَ يَعْبُدُ رَبَّهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَجْمَعَ الْعِلْمَ الْكَثِيْرَ قَالَ أَبُوْ مُطِيعٍ قُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ أَفْضَلِ الْفِقْهِ قَالَ تَعَلُّمُ الرَّجُلِ الْإِيْمَانَ وَالشَّرَائِعَ وَالسُّنَنَ وَالْحُدُوْدَ وَاخْتِلَافَ الْأَئِمَّةِ...... وَذَكَرَ مَسَائِلَ الْإِيْمَانِ ثُمَّ ذَكَرَ مَسَائِلَ الْقَدَرِ وَالرَّدِّ عَلَى الْقَدَرِيَّةِ بِكَلَامٍ حَسَنٍ لَيْسَ هٰذَا مَوْضِعَهُ ثُمَّ قَالَ قُلْتُ فَمَا تَقُوْلُ

فِيمَنْ يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهىٰ عَنِ الْمُنْكَرِ فَيَتَّبِعُهُ عَلَىٰ ذَالِكَ أُنَاسٌ فَيَخْرُجُ عَلَى الْجَمَاعَةِ هَلْ تَرىٰ ذَالِكَ؟ قَالَ لَا قُلْتُ وَلِمَ؟ وَقَدْ أَمَرَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ بِالْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَهُوَ فَرِيْضَةٌ وَاجِبَةٌ قَالَ كَذَالِكَ لٰكِنْ مَا يُفْسِدُوْنَ أَكْثَرُ مَا يُصْلِحُوْنَ مِنْ سَفْكِ الدِّمَاءِ وَاسْتِحْلَالِ الْحَرَامِ۔

(الحموية الكبرىٰ ص ۲۸۔ المكتبة السلفيه شيش محل روڈ۔ لاہور)

ترجمہ: کتاب فقہ اکبر میں ہے جو امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں باسناد ابی مطیع الحکم بن عبداللہ بلخی مشہور ہے۔ کہ میں (ابو مطیع) نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے فقہ اکبر کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر ہرگز نہ کہو۔ اور نہ ہی اس سے اس کا ایمان ختم ہونے کا قول کرنا۔ تم ہر مسلمان کو معروف کا حکم کرو۔ اور منکرات سے روکو۔ اور تمہیں اس کا یقین ہونا چاہیے۔ کہ جو چیز تمہیں پہنچ چکی ہے۔ وہ تجھ سے ٹلنے والی نہ تھی۔ اور تجھ تک نہ پہنچ سکی۔ وہ تجھے ملنے والی نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی سے بیزاری نہ کر۔ اور دوستی میں ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح مت دے۔ اور حضرت عثمان و علی المرتضیٰ کا معاملہ اللہ عزوجل کے سپرد کر دے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے

کہا۔ دین میں فقہ اکبر علم کی فقہ اکبر سے بہتر ہے۔ اور بہت سا علم جمع کر لینے سے کسی آدمی کے لیے یہ بہتر ہے۔ کہ وہ اپنے رب کی عبادت کرنے کی کیفیت جان لے۔ ابو مطیع نے کہا۔ میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ آپ مجھے بہترین فقہ بتائیں۔ فرمایا۔ وہ یہ ہے۔ کہ تو کسی کو ایمان کی تعلیم دے۔ شریعتوں کا علم سکھائے اور سنتوں اور حدود اور ائمہ کے اختلاف سے آگاہ کرے۔ اس کے بعد آپ نے ایمان کے بہت سے مسائل ذکر کیے۔ پھر تقدیر کے مسائل بیان فرما کر قدریہ پر خوبصورت انداز میں رد فرمایا۔ جس کے ذکر کا یہ مقام نہیں ہے۔ پھر ابو مطیع نے آپ سے پوچھا۔ کہ ایک شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے۔ بہت سے لوگ اس کے متبع ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ سب مل کر کسی مومن جماعت پر خروج کر دیں اس کا کیا حکم ہے۔؟ اور فرمایا یہ درست نہیں۔ میں نے پوچھا آخر کیوں؟ حالانکہ اللہ اور اس کے رسول نے امر بالمعروف ور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے۔ اور یہ ایک واجب اور فرض ذمہ داری ہے۔ فرمانے لگے۔ ہاں جو کہتے ہو۔ وہ ٹھیک ہے لیکن ان خروج کرنے والوں کا فساد ان کی اصلاح کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ اس طرح سے وہ مسلمانوں کا ناحق خون بہائیں گے۔ اور حرام کو حلال ٹھہرائیں گے۔

توضیح:

قطع نظر اس سے کہ ابن تیمیہ نے مذکورہ اقتباسات کس مقصد کے ضمن میں پیش کیے ہیں۔ ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ فقہ اکبر جو امام اعظم رضی اللہ عنہ

کی ذات کو موردِ الزام ٹھہرانا حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔ اور اگر بالفرض اسی مشہور و معروف تصنیف کو امام اعظم کی تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر اس کے نسخوں میں کمی بیشی اس امر کی نشاندہی کرتی ہے۔ کہ مذکورہ عبارت (وما تا علی الکفر الخ) جن نسخہ جات میں پائی جاتی ہے۔ وہ کسی نے درج کر دی ہے۔ لہٰذا پھر بھی امام اعظم کی ذات اس اعتراض و الزام سے بری ہے۔ ملا علی قاری کو بھی جب یہ شک پڑا کہ "ماتَ علی الایمان" اصل کتاب کی عبارت نہیں ہو سکتی۔ تو پھر اس کے قبل کی عبارت بھی تو اس کے ساتھ بعض نسخہ جات میں نہیں ملتی۔ اُسے اصل کتاب ٹھہرانے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

❁

مرقات شرح مشکوٰۃ:

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ زَارَ النَّبِیُّ قَبْرَ اُمِّہٖ اَیْ بِالْاَبْوَاءِ بَیْنَ مَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ (فَبَکٰی) اَیْ عَلٰی فِرَاقِہَا اَوْ عَلٰی عَذَابِہَا اَوْ عَلٰی مَوْتِہَا بِسُوْئِہَا قَالَ ابْنُ الْمَلِکِ هٰذَا یَدُلُّ عَلٰی جَوَازِ الْبُکَاءِ عِنْدَ حُضُوْرِ الْمَقَابِرِ (وَاَبْکٰی مَنْ حَوْلَہٗ) قِیْلَ زِیَارَتُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمَّہٗ مَعَ اَنَّہَا کَافِرَةٌ تَعْلِیْمٌ مِنْہُ لِلْاُمَّةِ حُقُوْقَ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقَارِبِ فَاِنَّہٗ لَمْ یَتْرُکْ قَضَاءَ حَقِّہَا مَعَ کُفْرِہَا (فَقَالَ اسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لَہَا فَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ) قَالَ ابْنُ الْمَلِکِ لِاَنَّہَا کَافِرَةٌ وَالْاِسْتِغْفَارُ لِلْکَافِرِیْنَ لَا یَجُوْزُ

لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَنْ يَغْفِرَ لَهُمْ أَبَدًا وَاسْتَأْذَنْتُهُ
فِيْ أَنْ أَزُوْرَهَا قَبْرَهَا فَأُذِنَ لِيْ) بِنَاءً عَلَى
الْمَجْهُوْلِ مُرَاعَاةً لِقَوْلِهِ فَلَمْ يُؤْذَنْ لِيْ
أَنْ يَكُوْنَ بِصِيْغَةِ الْفَاعِلِ ذَكَرَ ابْنُ
الْجَوْزِيِّ فِيْ كِتَابِ الْوَفَاءِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاةِ
أَبِيْهِ كَانَ مَعَ أُمِّهِ آمِنَةَ فَلَمَّا بَلَغَ
سِتَّيْنَ سَنَةً خَرَجَتْ بِهِ إِلَى أَخْوَالِهَا
بَنِيْ عَدِيِّ بْنِ النَّجَّارِ بِالْمَدِيْنَةِ
تَزُوْرُهُمْ وَمِنْهُمْ أَبُوْ أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيُّ
ثُمَّ رَجَعَتْ بِهِ إِلَى مَكَّةَ فَلَمَّا كَانُوْا
بِالْأَبْوَاءِ ثُمَّ قَامَ مُسْتَبْعِدًا فَقَالَ
إِنِّيْ لَمَّا افْتَتَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَكَّةَ زَارَ قَبْرَهَا بِالْأَبْوَاءِ ثُمَّ
قَامَ مُسْتَبْعِدًا فَقَالَ إِنِّي اسْتَأْذَنْتُ رَبِّيْ
فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّيْ فَأَذِنَ لِيْ وَاسْتَأْذَنْتُهُ
بِالْاِسْتِغْفَارِ فَلَمْ يَأْذَنْ وَنَزَلَ مَا كَانَ
لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ
وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى الْآيَةَ وَأَغْرَبَ ابْنُ
حَجَرٍ حَيْثُ قَالَ وَلَعَلَّ عِلَّةَ عَدَمِ الْإِذْنِ
فِي الْاِسْتِغْفَارِ لَهَا إِتْمَامُ النِّعْمَةِ عَلَيْهِ

بِإِحْيَائِهِمَا لَهُ بَعْدَ ذٰلِكَ حَتّٰى تَصِيْرَ مِنْ
أَكَابِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَوِ الْإِمْهَالُ إِلٰى إِحْيَا
ئِهِمَا لِتُؤْمِنَ بِهِ فَتَسْتَحِقُّ الْاِسْتِغْفَارَ الْكَامِلَ
حِيْنَئِذٍ وَفِيْهِ أَنَّ قَبْلَ الْإِيْمَانِ لَاتَسْتَحِقُّ
الْاِسْتِغْفَارَ مُطْلَقًا ثُمَّ الْجُمْهُوْرُ عَلٰى أَنَّ
وَالِدَيْهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا
كَافِرَيْنِ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ أَصَحُّ مَا وَرَدَ
فِيْ حَقِّهِمَا وَأَمَّا قَوْلُ ابْنِ حَجَرٍ وَحَدِيْثُ
إِحْيَائِهِمَا حَتّٰى آمَنَا بِهِ ثُمَّ تُوُفِّيَا حَدِيْثٌ
صَحِيْحٌ وَمِمَّنْ صَحَّحَهُ الْإِمَامُ الْقُرْطُبِيُّ
وَالْحَافِظُ ابْنُ نَاصِرِ الدِّيْنِ فَعَلٰى تَقْدِيْرِ
صِحَّتِهِ لَا يَصْلُحُ أَنْ يَكُوْنَ مُعَارِضًا لِحَدِيْثِ
مُسْلِمٍ مَعَ أَنَّ الْحُفَّاظَ طَعَنُوْا فِيْهِ وَمَنَعُوْا
جَوَازَهُ أَيْضًا بِأَنَّ إِيْمَانَ الْيَأْسِ غَيْرُ مَقْبُوْلٍ
إِجْمَاعًا كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ
وَبِأَنَّ الْإِيْمَانَ مِنَ الْمُكَلَّفِ إِنَّمَا هُوَ الْإِيْمَانُ
الْغَيْبِيُّ وَقَالَ تَعَالٰى وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا
لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ الصَّحِيْحُ
صَرِيْحٌ أَيْضًا فِيْ رَدِّ مَا تَشَبَّثَ بِهِ بَعْضُهُمْ
بِأَنَّهُمَا كَانَا مِنْ أَهْلِ الْفَتْرَةِ وَلَا عَذَابَ
لَهُمْ مَعَ اخْتِلَافٍ فِي الْمَسْئَلَةِ وَقَدْ صَنَّفَ

السُّيُوطِيُّ رَسَائِلَ ثَلَاثَةً فِيْ نِجَاةِ وَالِدَيْهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَذَكَرَ الْأَدِلَّةَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَعَلَيْكَ بِهَا إِنْ أَرَدْتَ بَسْطَهَا۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ جلد چہارم صفحہ ۱۱۳

باب زیارۃ القبر مطبوعہ امدادیہ ملتان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع مقام ابواء پر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کی جب زیارت فرمائی۔ تو آپ رو پڑے۔ آپ کا یہ رونا یا تو والدہ ماجدہ کی جدائی کی وجہ سے تھا۔ یا انہیں عذاب میں دیکھ کر رو دیئے یا ان کی موت سے اپنی موت یاد آنے پر روئے۔ ابن الملک کہتے ہیں۔ کہ اس حدیث کے واقعہ سے اس کا جواز نکلتا ہے۔ کہ قبرستان میں جاتے وقت وہاں رونا درست ہے آپ اس قدر روئے کہ جو لوگ آپ کے اردگرد تھے۔ انہیں بھی آپ نے رُلا دیا۔ کہا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنا باوجود اس کے کہ وہ کافرہ تھیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے۔ کہ امت کے ہر فرد کو اپنے والدین اور اقارب کے حقوق کا بہر حال خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ آپ نے اپنی والدہ کے کافر ہونے کے باوجود ان کے حقوق پورے کیے آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں نے اپنے پروردگار سے والدہ کے لیے مغفرت کرنے کی اجازت طلب کی۔ تو مجھے اجازت نہ دی گئی۔ ابن الملک نے کہا۔ اجازت نہ ملنا اس وجہ سے

تھا۔ کہ وُہ کافرہ تھیں۔ اور کفار کے لیے دعائے مغفرت ناجائز نہیں
کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کبھی بھی مغفرت نہیں مل سکتی۔ اور
فرمایا۔ کہ میں نے اپنے رب سے والدہ کی قبر کی زیارت کا سوال
کیا۔ کہ اس کی اجازت دی جائے۔ تو اس کی اجازت دے دی
گئی۔ ابن الجوزی نے کتاب الوفا میں ذکر کیا ہے۔ کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد گرامی حضرت عبد اللہ کے انتقال کے بعد
اپنی والدہ محترمہ سیدہ امنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما تھے
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چھ برس کی ہوئی۔ تو آپ کی
والدہ آپ کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئیں۔ کیونکہ وہاں
بنی عدی بن النجار میں ان کے ماموں تھے۔ اُن کی زیارت کرنا چاہتی
تھیں۔ ان سے ہی ابو ایوب انصاری کا تعلق بھی ہے۔ زیارت کے
بعد واپس مکہ روانہ ہوئیں۔ جب یہ قافلہ مقام ابواء پر پہنچا۔ تو یہاں
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ یہیں ان کی قبر بنائی
گئی۔ اور دفن کر دی گئیں اور کہا گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے مکہ فتح فرمایا۔ تو مقام ابواء پر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت
کی پھر قبر سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اور خوب روئے اور فرمایا
میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت
مانگی۔ تو اس نے مجھے اجازت عطا فرما دی۔ اور میں نے ان کے
لیے استغفار کی اجازت بھی طلب کی۔ تو یہ اجازت نہ ملی۔ اور
یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ما کان للنبی الخ (ترجمہ: نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ ہی ایمان

والوں کو یہ زیب دیتا ہے۔ کہ وہ مشرکین کے لیے معافی طلب کریں۔
اگرچہ مشرکین ان کے قرابت دار کیوں نہ ہوں)

علامہ ابن حجر نے یہاں ایک بڑی عجیب بات کہی۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ ماجدہ کے لیے استغفار کی اجازت اس وقت شاید اس لیے نہ دی گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی نعمت مکمل طور پر اتارنا چاہتا تھا۔ وہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ پھر وہ ایمان لا کر اکابرین مومنین میں شمار ہوں گی۔ یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی مہلت دینا تھی۔ کہ آپ کے لیے آپ کی والدہ کو زندہ کر کے اُن کا آپ پر ایمان لانا مقصود تھا۔ تاکہ وہ مستحق استغفار کامل ہو جائیں۔

ابن حجر کے اس بیان میں ایک اشکال ہے۔ کہ ایمان سے قبل آپ کی والدہ تو مطلقاً استغفار کی مستحق نہ تھیں۔ حالانکہ آپ نے استغفار کی اجازت ان کے ایمان لانے سے قبل ہی طلب کی تھی۔ پھر جمہور اس پر ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین دونوں حالت کفر پر مرے ہیں۔ اور یہ حدیث دونوں کا حالت کفر پر مرنا ان احادیث میں سے اصح ہے۔ جو اس موضوع پر مذکور ہیں۔ اور ابن حجر کا یہ قول کہ یہ حدیث کہ جس میں آپ کے والدین کریمین کا دوبارہ زندہ ہونا اور آپ پر دونوں کا ایمان لانا اور پھر فوت ہو جانا صحیح ہے۔ اور اس کی تصحیح کرنے والوں میں امام قرطبی اور الحافظ ابن ناصر الدین بھی ہیں۔ تو اگر اس حدیث کی واقعی صحت تسلیم بھی کر لی جائے۔ تو پھر بھی حدیث مسلم کی معارض بننے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے باوجود اس کے بھی کہ حفاظ نے اس میں طعن بھی کیا۔ اور اس کے جواز کو منع بھی کیا ہے کہ نا امیدی کا ایمان بالاجماع غیر مقبول ہے۔ جیسا کہ کتاب و سنت اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ جو ایمان کسی عاقل بالغ سے مطلوب ہے۔ وہ ایمان غیبی

ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ کہ اگر انہیں پھر سے دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ لوگ پھر وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا۔ اور یہ حدیث صحیح اس نظریہ کا بھی صراحتاً رد کرتی ہے جو بعض علماء نے قائم کیا وہ یہ کہ آپ کے والدین کریمین اہل فترت میں سے تھے۔ اور اہل فترت پر عذاب نہیں۔ حالانکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ علامہ السیوطی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے نجات پانے اور جنتی ہونے پر تین رسائل لکھے ہیں۔ اُن میں علامہ نے دونوں طرف کے دلائل ذکر کیے ہیں۔ اگر اس مسئلہ کی تفصیل مطلوب ہے۔ تو پھر ان رسائل کی طرف رجوع کرو۔

ملا علی قاری کی مذکورہ عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ بقول ابن الملک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کے پاس رونا اس وجہ سے تھا۔ کہ آپ نے انہیں عذاب میں گرفتار دیکھا۔

۲۔ آپ نے اپنی والدہ کے کافر ہوتے ہوئے بھی اُن کے حقوق (زیارت قبر) کا خیال رکھا۔

۳۔ والدہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کرنے پر ما کان للنبی والذین امنوا الخ آیت اتری۔

۴۔ ابن حجر نے استغفار کی اجازت نہ ملنے کی دو وجوہ ذکر کی ہیں۔ اول یہ کہ انہیں زندہ کر کے ایمان عطا کیا جائے تاکہ اتمام نعمت ہو جائے۔ دوم یہ کہ جب زندہ ہو کر ایمان لائیں اور انتقال کریں۔ تو اب استغفار کامل کے حق دار ہوں گے۔ ان دو وجوہ پر ملا قاری نے دو طرح سے اعتراض کیا۔

اوّل یہ کہ موت کے بعد ایمان غیر مقبول ہے۔ جس پر نص قرآنی موجود ہے۔
دوم زندہ کرنے والی حدیث کے مقابلہ میں مسلم شریف کی حدیث جس میں
استغفار کی اجازت نہ ہونے کا ذکر ہے۔ اصح ہے۔ سوم یہ کہ جمہور یہ کہتے ہیں۔
کہ آپ کے والدین حالت کفر پر مرے ہیں۔

۵۔ کفار کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔ کہ اگر انہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے
تو اب بھی وہ وہی کچھ کریں گے۔ جن سے انہیں منع کیا گیا۔ لہذا آپ کے
والدین اگر دوبارہ آئے۔ اور پھر انہوں نے ایمان قبول کیا۔ تو ایسا ہونا آیت
قرآنیہ کو جھٹلاتا ہے۔

۶۔ استغفار کی اجازت نہ ملنے والی حدیث سے ان لوگوں کا بھی رد ہو گیا۔ جو آپ کے
والدین کو اہل فترت میں ہونے کی وجہ سے معذب نہیں کہتے۔

۷۔ اس مسئلہ پر علامہ السیوطی نے تین رسائل تحریر کیے۔ جن میں طرفین کے دلائل و
جوابات موجود ہیں۔ اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

☆

امر اوّل کا جواب:

سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی
زیارت کرنے کے وقت رونا مسلم ہے۔ اس رونے کی وجوہات کیا تھیں۔ بعض علماء
نے (دیکھو امرقات شرح مشکوٰۃ) اس کی تین وجوہ بیان کیں۔ فراق، عذاب، موت
ان میں سے فراق یعنی جدائی کو وجہ بنانا از روئے عقل و نقل درست، اسی طرح موت
کو بھی لیکن رونے کی وجہ والدہ کا عذاب میں ہونا دیکھنا عقلاً نقلاً قابل استشہاد نہیں
عقلاً غیر مقبول ہونے کی صرف ایک مثال پیش خدمت ہے۔ وہ یہ کہ سیدنا حضرت
یونس علیہ السلام جس مچھلی کے پیٹ میں چالیس روز تک پابند رہے۔ اور پھر باذن اللہ
اس مچھلی نے آپ کو باہر کنارے پر اگال دیا۔ وہ مچھلی اس خدمت کے صلہ میں
جنت میں جائے گی۔ اس کا جنتی ہونا تفاسیر میں موجود ہے۔ اس کے برعکس وہ
خاتون کہ جس کے شکم میں نبی الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نو ماہ متواتر قیام پذیر
رہیں۔ ان کی گود میں پرورش پائی۔ ان کا دودھ نوش فرمائیں۔ وہ اس مچھلی کی طرح
جنت میں نہ جاسکیں۔ عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔ لہذا از روئے عقل یہ بات بہت بعید
ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کو عذاب میں گرفتار ہوتے دیکھ
کر گریہ فرمایا۔ اور نقلاً اس لیے باطل ہے۔ کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا اس وقت انتقال ہوا

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چھ برس کی تھی۔ گویا یقیناً انہوں نے آپ کی
بعثت مبارکہ کا زمانہ پایا۔ جتنا عرصہ زندہ رہیں۔ اس میں کوئی ایک روایت ایسی نہیں
ملتی جو ان کے شرک کرنے کی خبر دیتی ہو۔ یا ان کے کفر پر دلالت کرتی ہو۔ جب کفر و
شرک کے اثبات کی کوئی ضعیف روایت بھی نہیں۔ تو پھر اہل فترت کے پیش نظر
انہیں کفر و شرک سے بری ثابت ماننا ضروری ہوگا۔ لہٰذا ان کے عذاب میں گرفتار
ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر زمانہ بعثت پائیں۔ اور دعوت اسلام کو
ٹھکرائیں۔ تو پھر کفر و شرک کی وجہ سے معذب ہونا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا۔ ہم جب تک کسی
کے پاس رسول نہ بھیج دیں اس وقت تک اُسے عذاب نہیں دیا کرتے۔
اس نص قرآنی کو مدنظر رکھا جائے۔ تو آپ کی والدہ کے بارے میں عذاب ہونے
کا عقیدہ سے غلط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ملا علی قاری کا سرکار دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کے زیارت قبر والدہ کے وقت گریہ فرمانا والدہ کے عذاب میں گرفتار
ہونے کی وجہ سے تھا۔ یہ ایک احتمال ہے۔ اس احتمال کے ثبوت کے لیے
کوئی نص موجود نہیں۔

امر دوم کا جواب:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کرنا باوجود اس کے
آپ کی والدہ کافرہ تھیں۔ اس پر ذہن میں ایک سوال اُبھرتا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کو اس کی کیا ضرورت تھی؟! اس مخفی سوال کا جواب اُسی مفروضے کے پیش نظر
ملا علی قاری نے "قیل" سے دیا ہے۔ وہ یہ کہ امت کو حقوق والدین کی تعلیم
دینا مقصود تھی۔ یعنی اولاد کے لیے یہ ضروری ہے۔ کہ والدین کے حقوق کا خیال رکھے

اور ان کی ادائیگی اُن کی زندگی تک ہی محدود نہ رکھے۔ بلکہ ان کے انتقال کے بعد بھی اُن سے متعلقہ حقوق کی بجا آوری ہونی چاہیئے۔ چاہے اس کے والدین کفر و شرک کی موت مرے ہوں۔ یہ استدلال کس قدر بے تکا اور تارِ عنکبوت سے کمزور ہے۔ ماں کو تکلیف میں دیکھ کر رو پڑنا جس سے ماں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ اس طرح ماں کا کونسا حق پورا ہوا ہے۔ حق تو یہ تھا۔ کہ اگر وہ عذاب میں گرفتار تھیں۔ تو ان کی رہائی کروائی جاتی بقول ملا علی قاری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کے کسی کام نہ آسکے۔ بھلا اس میں امت کو کیا تعلیم دی گئی۔ اور والدہ کے حقوق کی بجا آوری کا کونسا طریقہ سکھایا گیا؟ علاوہ ازیں جب اللہ تعالیٰ واضح فرما رہا ہو۔ کہ ایسا مت کرو۔ تو اس کے حکم کو پس پشت ڈال کر والدہ کے حقوق کی ادائیگی کیونکر ممکن ہے۔؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (سورۃ توبہ آیت ۸۴) اے پیغمبر محترم! آپ کسی مشرک کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔ تفسیر مظہری میں اس کی تفسیر یوں مذکور ہے۔ وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ لِدَفْنٍ اَوْ زِيَارَةٍ۔ یعنی مشرک کی قبر پر نہ تو اُسے دفن کرنے کے لیے کھڑے ہوں۔ اور نہ اس کی قبر کی زیارت کے لیے قیام ہو۔ اس نص قرآنی کے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اپنی والدہ (جبکہ انہیں کافرہ یا مشرکہ سمجھا جائے) کی قبر پر جانا منع تھا۔ اب ملا علی قاری کی بات کو سامنے رکھا جائے۔ تو یہ کہنا پڑے گا۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے والدہ کی قبر کی زیارت کرنے گئے۔ لہٰذا ایسا کرنے سے انہوں نے والدہ کے کس حق کو ادا کیا۔ آخر والدین کے حقوق بھی تو اللہ کی طرف سے مقرر ہیں۔

امرِ سوم کا جواب:

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کے لیے استغفار کی اجازت

طلب کی۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ۔ نازل فرمائی۔ اس واقعہ پر یہ آیت اترنے سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کی والدہ مشرکہ ہیں۔

ملا علی قاری نے آیت کے شان نزول کے ذریعہ اپنے نظریہ کی "تائید میں" تفسیر کہ آیت مذکورہ کے نازل ہونے کا سبب یہی بنا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی اجازت طلب کی۔ تو ان کے مشرک ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔ آیت مذکورہ کا کیا یہی شان نزول ہے؟ محققین اور محدثین نے اس شان نزول کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کے نزول کا صحیح اور اصل سبب ابو طالب کا معاملہ ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

روح المعانی:

وَالْآيَةُ عَلَى الصَّحِيْحِ نَزَلَتْ فِيْ اَبِيْ طَالِبْ فَقَدْ اَخْرَجَ اَحْمَدُ وابن ابي شيبه والبخاری والمسلم والنسائی وابن جریر وابن المنذر وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدلائل واخرون عَنِ الْمُسَيِّبِ بن حَزَن قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ اَبَا طَالِبٍ الوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صلی الله علیه وسلم وَعِنْدَهُ اَبُوْجَهْلٍ وَعَبْدُ اللهِ ابن اميه فَقَالَ النَّبِيُّ اَيْ عَمِّ قُلْ لا اله الا الله احاج لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ فَقَالَ اَبُوْجهل وعبد الله بن اميه يَا اَبَا طَالِبٍ اَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِب فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وسلم يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ وَ اَبُوْجَهْلٍ و عبد الله يُعَاوِدَانِهِ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ فَقَالَ اَبُوْ طَالِبٍ اٰخِرُ مَا

كلُّهُمْ هُوَ عَلىٰ مِلَّةِ عَبْدِ المطلب
وَاَبٰى اَنْ يَقُوْلَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَقَالَ النَّبِيُّ
صلى الله عليه و سلم لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ
مَالَمْ اُنْهَ عَنْكَ فَنَزَلَتْ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ
الاية .... وَزَعَمَ بَعْضُهُمْ اَنَّ الْاٰيَةَ
نَزَلَتْ فِيْ غَيْرِ ذَالِكَ فَقَدْ اَخْرَجَ البيهقى
فِي الدلائل وَغَيْرُهُ عن ابن المسعود قَالَ
خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه و سلم يَوْمًا
اِلَى الْمَقَابِرِ فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ اِلٰى قَبْرٍ
مِنْهَا فَنَاجَاهُ طَوِيْلًا ثُمَّ بَكٰى
فَبَكَيْنَا لِبُكَائِهِ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ
فَقَامَ اِلَيْهِ عُمَرُ فَدَعَاهُ ثُمَّ دَعَانَا فَقَالَ
مَا اَبْكَاكُمْ؟ قُلْنَا بَكَيْنَا لِبُكَائِكَ قَالَ:
اِنَّ الْقَبْرَ الَّتِيْ جَلَسْتُ عِنْدَهُ قَبْرُ امنه وَاِنِّيْ
اَسْتَأْذَنْتُ رَبِّيْ فِيْ زِيَارَتِهَا فَاَذِنَ لِيْ وَاسْتَأْذَنْتُهُ
لِلْاِسْتِغْفَارِ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِيْ وَاَنْزَلَ عَلَيَّ
مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَسْتَغْفِرُوْا
الَآيه. فَاَخَذَنِيْ مَا يَأْخُذُ الْوَلَدَ لِلْوَالِدَةِ
مِنَ الرِّقَّةِ فَذَالِكَ الَّذِيْ اَبْكَانِيْ وَلَايُخْفٰى

اَنَّ الصَّحِیْحَ فِیْ سَبَبِ النُّزُوْلِ ھُوَ الْاَوَّلُ۔
(تفسیر روح المعانی جلد ۱۱ ص ۳۳ تا ۳۶ مطبوعہ بیروت

طبع جدید)

ترجمہ: صحیح تحقیق کے مطابق آیت مذکورہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی

امام احمد، ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر
بیہقی نے الدلائل میں ان کے علاوہ دیگر مفسرین و محدثین کرام نے
مسیب بن حزن سے روایت ذکر کی۔ کہ جب ابوطالب کا وقت
مرگ قریب آیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف
فرما ہوئے۔ اس وقت ابوطالب کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن
ابی امیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ اے چچا! لا الٰہ الا اللہ پڑھ لے۔ میں اللہ تعالیٰ کے حضور تیرے
بارے میں سفارش کروں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بولے۔
اے ابوطالب کیا تو عبدالمطلب کی ملت سے منہ موڑے گا؟
ایک طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواتر کلمہ پڑھنے کی پیشکش
فرما رہے تھے اور دوسری طرف سے لگاتار عبداللہ اور ابوجہل وہی
بات کہے جا رہے تھے۔ ابوطالب نے ان کے ساتھ جو آخری بات
کی وہ یہ تھی کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہی ہے۔ اور لا الٰہ الا اللہ
کہنے سے انکار کر دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں
تیرے لیے ضرور استغفار کروں گا۔ اور اس وقت تک کرتا
رہوں گا جب تک مجھے روک نہیں دیا جاتا۔ اس پر یہ آیت نازل
ہوئی۔ ماکان للنبی والذین الآیۃ۔

بعض کا زعم ہے کہ آیت مذکورہ اس قصہ کے علاوہ کسی اور موقعہ پر نازل ہوئی ہے بیہقی نے دلائل میں اور کئی دوسرے حضرات نے ابن مسعود سے یہ روایت ذکر کی۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن قبرستان تشریف لے گئے۔ آپ ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے۔ وہاں طویل مناجات کی۔ پھر رو پڑے۔ پس ہم بھی آپکے رونے کی وجہ سے رو پڑے۔ پھر آپ اٹھے اور دوگانہ ادا کیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کر آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نے دعا مانگی۔ ہم سب نے بھی دعا مانگی۔ پھر پوچھا۔ اے صحابہ! تمہیں کیوں رونا آیا؟ یا تمہیں کس بات نے رلایا؟ ہم نے عرض کیا آپ کو روتے دیکھ کر ہم بھی رو پڑے۔ فرمایا۔ وہ قبر جس کے پاس میں بیٹھا تھا۔ وہ میری والدہ آمنہ کی قبر ہے۔ میں نے اپنے پروردگار سے اس کی زیارت کرنے کی اجازت طلب کی۔ تو اللہ نے مجھے اس کی اجازت دے دی۔ پھر میں نے والدہ کے لیے استغفار کی اجازت مانگی۔ لیکن اس کی اجازت نہ دی گئی۔ اور اس کے جواب میں مجھ پر یہ آیت اتری ہے۔ ما کان للنبی و الذین الآیۃ۔ اس سے میرے دل میں ویسی ہی رقت پیدا ہوئی جو کسی بیٹے میں اپنی والدہ کے متعلق پیدا ہوتی ہے۔ اس رقت نے مجھے رلایا۔ اور مخفی نہ رہے کہ صحیح سبب نزول وہ پہلا ہی ہے۔

امر چہارم کا جواب:

ملا علی قاری نے مسئلہ موجودہ میں علامہ ابن حجر کی تحقیق اور تاویل ذکر کرتے

ہوئے اس پر تعجب کا اظہار کیا جس سے یہ بتلانا مقصود ہے۔ کہ ابن حجر کی اس تحقیق کو وہ لایعنی اور بہت کمزور سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس طرح سے ان پر تعریض کی جا رہی ہے کہ اتنا فاضل آدمی دیکھو کیسی گھٹیا باتیں کرتا ہے۔ حالانکہ یہی ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ ملا علی قاری کے شیخ و استاد بھی ہیں۔ اپنے استاد کے کلام پر تعجب، اور پھر اس کا رد کرنا گستاخی سے کم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض علماء نے یہ تصریح کی۔ کہ ملا علی قاری نے کثیر تعداد میں جید علماء کی توہین کی ہے۔ علماء کی توہین تو اپنے مقام پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے بارے میں جو الفاظ ان کی کتب میں مسطور ہیں۔ انہیں دیکھ پڑھ کر ہر مسلمان چونک اٹھتا ہے۔ مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کلمات کا یوں ذکر کیا ہے۔

مرام الکلام فی عقائد الاسلام:

وَالتَّعَجُّبُ مِنْ عَلِيِّ الْقَارِي الْهَرَوِي اَلَّفَ رِسَالَةً فِي تَكْفِيْرِهِمَا وَقَالَ فِيْهَا إِنَّ اٰمِنَةَ اللَّعِيْنَةَ كَافِرَةٌ خَالِدَةٌ مُخَلَّدَةٌ فِي النَّارِ۔

(مرام الکلام فی عقائد الاسلام ص ۷۲)

ترجمہ: ملا علی قاری ہروی پر تعجب ہے۔ کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کی تکفیر پر ایک رسالہ لکھا۔ اور اس میں یہ الفاظ بھی لکھے۔ وہ بے شک آمنہ ملعونہ کافرہ ہے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ دوزخ کی آگ میں رہنے والی ہے۔

نوٹ:

ملا علی قاری کی مذکورہ ہرزہ سرائی کے بارے میں کیا سزا ملنی چاہیے۔

ہم اس کا عنقریب ذکر کریں گے۔ اور ان علماء کرام کے اقوال بھی منقول ہوں گے جنہوں نے ملا علی قاری کے اس نظریہ کی تردید کی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ان علماء کے معتقدات بھی پیش کیے جائیں گے۔

ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے جو احتمالات بیان کیے۔ ان پر ملا علی قاری کا تعجب کرنا بھی قابل تعجب ہے۔ ابن حجر مکی نے یہی کہا۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کی اجازت اس لیے نہ دی گئی۔ تاکہ اس کے اثر سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتا تھا۔ اور وہ طریقہ جو استغفار کے بدلہ میں آپ کو دیا جانا تھا۔ اس میں والدین کریمین کی بہت بھلائی تھی۔ اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی خوشی بھی تھی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ نہایت مغموم دیکھا۔ کچھ دیر گزری تو دیکھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ خوش نظر آ رہے ہیں۔ عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس قدر خوشی کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا۔ میں حجون گیا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری والدہ کو دوبارہ زندہ کیا۔ اور زندہ ہو کر انہوں نے مجھ پر ایمان لایا۔ اس پر آج میں بہت خوش ہوں۔ (یہ روایت علامہ السیوطی نے "نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین" کے ص ۵ پر ذکر کی ہے۔) استغفار کی اجازت نہ ملنے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو زندہ کیا اور وہ مشرف باسلام ہوئیں۔ اس طرح اُن کو اعلیٰ مرتبہ سے نوازا۔ تو اجازت استغفار نہ ملنا ایک اعلیٰ مرتبہ دیئے جانے کی وجہ سے تھا۔ لیکن ملا علی قاری اس اعلیٰ مرتبہ دیئے جانے کے متعلق اپنے استاد ابن حجر مکی پر اظہار تعجب کر رہے ہیں۔ جبکہ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہو رہی ہے۔ چونکہ ملا علی قاری کے ذہن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین

کے بارے میں کفر کا تصور بھرا ہوا ہے۔ اس لیے ان کا رجحان بھی انہی دلائل اور اقوال کی طرف ہوگا۔ جو اس کے مؤید ہوں۔ ورنہ وہ احتمالات جو ان کے اسلام پر دال ہیں۔ ان کو اولیت دی جائے۔ استغفار سے روکنا اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ کہ وہ استغفار کے محل ہی نہ تھے۔ وہ اس طرح کہ پہلے انہیں دعوت اسلام پہنچے اسے وہ قبول کریں۔ اور پھر کچھ گناہ سرزد ہو جائیں۔ جب آپ کے والدین کے گناہ کا صدور نظر نہیں آتا۔ تو پھر ان کے لیے استغفار کرنے کا کیا فائدہ؟

یہی بات درج ذیل حوالہ سے ملاحظہ ہو۔

الفتح الربانی لترتیب مسند امام احمد حنبل شیبانی

قِيْلَ وَلَعَلَّهُ لَمْ يُؤْذَنْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاِسْتِغْفَارِ لِاُمِّهٖ لِاَنَّهٗ فَرْعُ الْمُؤَاخَذَةِ عَلَى الذَّنْبِ وَمَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ لَا يُؤَاخَذُ عَلٰى ذَنْبِهٖ فَلَا حَاجَةَ اِلَى الْاِسْتِغْفَارِ لَهَا وَلِاَنَّ عَدَمَ الْاِذْنِ بِالْاِسْتِغْفَارِ لَا يَسْتَلْزِمُ اَنْ تَكُوْنَ كَافِرَةً۔

(الفتح الربانی لترتیب مسند امام احمد حنبل شیبانی جلد ۸ ص ۱۵۹)

ترجمہ: کہا گیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے کی یہ وجہ ہو۔ کہ استغفار دراصل کسی کے گناہوں کے مواخذہ کی فرع ہے۔ (یعنی گناہ گار کو مواخذہ کا خطرہ ہو۔ اور اس سے چھٹکارا کے لیے اس کی مغفرت کی دعا کی جائے) اور وہ شخص جسے دعوت اسلام نہیں پہنچی۔ اس کے گناہوں کی، جسے اس

کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ لہذا آپ کی والدہ کے لیے استغفار کی ضرورت نہ تھی اور استغفار کی اجازت نہ ملنے سے یہ کب لازم آتا ہے۔ کہ وہ (آپ کی والدہ ماجدہ) کافرہ تھیں۔

ایک مثال سے وضاحت

استغفار کی اجازت نہ ملنا کسی کے کافر ہونے کی دلیل نہیں۔ ہم اس کو ایک شرعی مثال سے واضح کرتے ہیں۔ نماز جنازہ میت کے لیے استغفار کا ایک طریقہ ہے۔ (میت بالغ مرد و عورت) کے لیے تمام موجود نمازی اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ کے ذریعہ طلب مغفرت کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا الخ اے اللہ ہمارے زندوں اور ہمارے مُردوں کو بخش دے لیکن میت اگر نابالغ ہو۔ تو اس کے لیے طلب مغفرت کی اجازت نہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نابالغ کی نماز جنازہ میں اللھم اغفر الخ پڑھنے کی بجائے دوسری دعا پڑھنے کو کہا۔ اب ملا علی قاری والی دلیل یہاں چلائی جائے۔ تو پھر لازم آئے گا۔ کہ ہر مسلمان بچہ بچی مشرک اور کافر ہو جائے۔ کیونکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے استغفار کی اجازت نہیں۔ اور جس کے لیے استغفار کی اجازت نہ ہو۔ وہ اس کے کافر ہونے کی دلیل ہے۔ اس کی بجائے اگر یوں کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نابالغ کے لیے مغفرت کی دعا کی بجائے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا الخ پڑھنے کو اس لیے فرمایا۔ کہ اسے مغفرت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس نے دورِ تکلیف ہی نہ پایا۔ گناہ و نافرمانی کی عمر پانے سے پہلے ہی وہ اللہ سے

جا رہا ۔ اگرچہ اُسے علماء کی تقریریں سننے کا بار ہا موقعہ ملا ۔ اسلام کی دعوت اس تک پہنچی ۔ لیکن وہ گناہ گار نہیں اس لیے گناہوں کے بخشنے کی دُعا نہیں بلکہ اسے اپنے لیے شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعۃ ہونے کی دعاء کی جا رہی ہے ۔ اس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو تو دعوتِ اسلام کے ملنے کا نام و نشان تک نہ تھا ۔ کیونکہ دعوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر دینا تھی اور آپ کے والد تو آپ کے پیدا ہونے سے قبل اور آپ کی والدہ آپ کی چھ برس کی عمر میں انتقال کر گئے تھے ۔ اس لیے ان کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنا اس بنا پر تھا ۔ کہ وہ اس کا محل نہ تھے ۔

ملا علی قاری کا بے ربط استدلال

ملا علی قاری نے قرآن کریم کی ایک آیت اپنی تائید میں پیش کی ۔ جس کا مفہوم یہ ہے ۔ کہ اگر کوئی شخص مرتے وقت حالت نا امیدی میں ایمان قبول کرتا ہے ۔ اس کا ایمان مقبول نہیں ۔ بلکہ وہ پہلے کی طرح کفر پر ہی مر گیا ۔ آیت قرآنیہ یہ ہے ۔ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ الخ النساء پ ۔ یہی آیت ملا علی قاری کے ہم نوا بڑے زور شور سے پیش کرتے ہیں ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا اس سے غیر مومن ہونا ثابت کرتے ہیں ۔ جہاں تک اس آیت کا شان نزول ہے ۔ اس بارے میں ہم ان تمام ہم خیالوں کو چیلنج کرتے ہیں ۔ کہ کسی ایک تفسیر میں یہ دکھا دو ۔ کہ آیت مذکورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں نازل ہوئی ۔ تو منہ مانگا انعام دیا جائے گا ۔ یا خاص کر والدین نہیں بلکہ عام طور پر ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ۔ جو اہل فترت کہلاتے ہیں ۔ و اگر

ایسا نہیں تو پھر اس کا مصداق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو جاننا کہاں
کی دانشمندی ہے۔

اب ہم اس کے دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں۔ وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے
اس آیت میں ایمان یاس کو نامقبول کہا۔ یعنی اگر کوئی کافر مرتے وقت ناامیدی کی
حالت میں ایمان کا دامن پکڑنا چاہتا ہے۔ تو یہ ایمان قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ
ایمان شہودی ہے۔ اور معتبر ایمان وہ ہے جو غیبی ہو۔ لہذا مرنے کے بعد ایمان
لانا کیونکر معتبر ہوگا؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مرنے کے بعد زندہ
ہوئے اور پھر ایمان لانے کا اسی قاعدہ کی بنا پر کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ وہ اسی طرح
اور اسی کیفیت پر ہی رہیں گے۔ جو بوقت انتقال تھی۔ ہم اس مغالطہ کے بارے
میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر والدین کریمین کو زندہ کرنے اور ان پر ایمان پیش کرنے کا واقعی
کوئی فائدہ نہ تھا۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا۔؟ بلکہ اللہ تعالیٰ
نے بطور معجزہ آپ کے والدین کو اس مقصد کی خاطر زندہ کیوں ہونے دیا۔؟ یہ
اعتراض تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوگا۔ عجیب بات یہ ہے۔
کہ جس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے والدین کو زندہ کرنے اور
اسلام پیش کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔ اس کی صحت کا خود ملا علی قاری بھی اقرار کرتے
اور اس کے مصححین میں کچھ اکابر کے نام بھی دیتے ہیں۔ حالانکہ ایک محدث ہونے
کے ناطے سے وہ یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی مسلم ہے۔ یہ
حدیث ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہے۔ اور پھر اس سے پہلو تہی کی جا رہی ہے علاوہ ازیں
اگر زندہ کرنے اور اسلام قبول کرنے کے واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
خصائص میں سے شمار کر لیا جائے۔ تو بھی اس میں سکون قلب کا
سامان موجود ہے۔ اور یوں اس واقعہ میں عقل کو دولتیاں مارنے کی

ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی ۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

اگر تسلیم کر لیا جائے ۔ کہ آپ نے اپنے والدین کو زندہ کیا ۔ اور پھر انہیں ایمان لانے کی دعوت دی ۔ جو انہوں نے قبول کر لی ۔ تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی حالت کفر پر مرے تھے ۔ تبھی انہیں ایمان و اسلام کی دعوت دی گئی ۔ ورنہ مسلمان کو پھر سے اسلام لانے اور کلمہ پڑھنے کے لیے زحمت دینا کوئی معقول بات نظر نہیں آتی ۔

اس مغالطہ کا جواب یہ ہے ۔ کہ آپ کے والدین کریمین مسلمان تھے اور ایمان پر ہی اُن کا خاتمہ ہوا تھا ۔ لیکن جس دور میں وہ پیدا ہوئے اور انتقال کر گئے ۔ وہ دور پیغمبر اور رسول کی موجودگی سے خالی تھا ۔ یعنی زمانہ فترت تھا ۔ اور اس دور میں صرف موحد رہنا ہی نجات کے لیے کافی ہوتا ہے لیکن ایمان کی تفصیل اور مضبوطی امر زائد ہے ۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے چاہا ۔ کہ آپ کے والدین ایمان بالتوحید کے ساتھ ساتھ ایمان بالرسالت کا مرتبہ بھی پائیں ۔ اور نبی آخر زمان صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت کا شرف پائیں ۔ لہذا والدین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء اور ان کو ایمان لانا اس وجہ سے متحقق ہوا ۔ کہ ایمان کے اعلیٰ مراتب و مدارج انہیں عطاء کیئے جائیں

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء ۔

دونوں احادیث میں تطبیق ہوسکتی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی برکت سے آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا زندہ ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیارتِ قبرِ والدہ کی اجازت ملنا لیکن استغفار کی اجازت نہ ملنے ان دونوں احادیث کا ملا علی قاری نے یوں موازنہ کیا کہ اول الذکر حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن موخر الذکر بوجہ اصح ہونے کے معتبر ہے۔ اور اول الذکر غیر معتبر ہے۔ دو مختلف مضامین والی احادیث میں فیصلہ کرنے کا یہ ہی ایک۔ طریقہ نہیں کہ ایک کو قابل عمل اور معتبر کہہ کر دوسری کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اس سے پہلے دونوں میں تطبیق کی کوشش کی جائے۔ اور اگر ان میں تطبیق ہوسکتی ہو۔ تو پھر یہ طریقہ سب سے بہتر ہے۔ جب غور کیا جائے۔ تو ان دونوں میں تطبیق ہوسکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ حدیث مسلم (موخر الذکر) میں دو باتیں ذکر ہوئیں۔ (۱) استغفار کی اجازت نہ ملنا۔ (۲) قبر کی اجازت مل جانا۔ ان دونوں باتوں میں سے پہلی بات کو ملا علی قاری وغیرہ نے آپ کی والدہ کے کافرہ ہونے کی دلیل بنائی۔ لیکن زیارت قبر کی اجازت دینا بھی تو اس کے حق میں نہیں جاتا۔ کیونکہ قرآن کریم نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ۔ (التوبہ پ۱۰)

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ ان کفار و مشرکین میں سے کسی کے مرنے پر نہ تو نماز جنازہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر

قیام فرمائیں۔

آیت مذکورہ میں کفار و مشرکین کے مرنے کے بعد اُن کی نماز جنازہ سے منع کیا گیا۔ جسے ہم یُوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان کے لیے استغفار کی اجازت نہ دی گئی اور دوسری بات جس سے منع کیا گیا وہ قیام قبر یعنی اس کی قبر کی زیارت کرنا ہے۔ اب ان دونوں باتوں سے روکنا جب مرنے والے کے کفر و شرک کی وجہ سے ہوا۔ تو صاف ظاہر کہ کسی کافر کی قبر کی زیارت کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں میں ایک کام کی اجازت دی۔ اور ادھر خود ہی دونوں سے تمام مسلمانوں کو بالتبع منع کیا جارہا ہے۔ یا یُوں کہہ لیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی کافر کے مرنے کے بعد ان دو باتوں سے منع کر دیا تھا۔ تو پھر منع کے باوجود ان دونوں باتوں کے کرنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجازت طلب کرنا احکام خداوندی میں دخل دینا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھُول کر یا فرطِ جذبات میں اجازت طلب ہی کر لی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ فوراً آپ کی توجہ "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا" کی طرف فرما دیتا۔ اور یُوں وہ استغفار کی اجازت سے انکار ہونا۔ بلکہ زیارتِ قبر سے بھی روک دیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان خرابیوں اور اعتراضات کی بجائے اگر یہ کہا جائے۔ کہ آپ کی والدہ مسلمان تھیں۔ موحدہ تھیں۔ توحید پر انتقال ہوا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کرنا اُن کے مراتب ہی میں مزید اضافہ کے لیے تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں انہیں زندہ کر کے طلب سے بھی زیادہ اعزاز عطا فرما دیا۔ اور ان کا توحید پر رخصت ہونا متحقق تھا۔ اس لیے اُن کی قبر کی زیارت کی اجازت بھی مل گئی۔ یُوں دونوں احادیث باہم متعارض نہ تھیں۔ لیکن بادی النظر میں انہیں متعارض کر دیا گیا تھا۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے ملا علی قاری نے یہ جملہ بھی لکھا ہے۔ ثُمَّ الْجُمْهُوْرُ عَلٰى اَنَّ وَالِدَيْهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا كَافِرَيْنِ. یعنی جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال حالت کفر پر ہوا۔ ذرا اس کی حقیقت بھی دیکھیں۔ کیا واقعی جمہور اسی نظریہ کے قائل ہیں۔؟ علامہ جلال الدین السیوطی اس موضوع پر رقمطراز ہیں۔

الدرجۃ المنیفہ فی اٰباء الشریفہ:

ذَهَبَ جَمْعٌ كَثِيْرٌ مِنَ الْاَئِمَّةِ الْاَعْلَامِ اِلٰى اَنَّهُمَا نَاجِيَانِ وَ مَحْكُوْمٌ لَهُمَا بِالنَّجَاةِ فِي الْاٰخِرَةِ وَ هُمْ اَعْلَمُ النَّاسِ بِاَقْوَالِ مَنْ خَالَفَهُمْ وَ قَالَ بِغَيْرِ ذٰلِكَ وَ لَا يَقْصُرُوْنَ عَنْهُمْ فِي الدَّرَجَةِ وَمِنْ اَحْفَظِ النَّاسِ لِلْاَحَادِيْثِ وَ الْاٰثَارِ وَ مِنْ اَنْقَدِ النَّاسِ لِلْاَدِلَّةِ الَّتِيْ اِسْتَدَلَّ بِهَا اُولٰئِكَ فَاِنَّهُمْ جَامِعُوْنَ لِاَنْوَاعِ الْعُلُوْمِ مُتَضَلِّعُوْنَ مِنَ الْفُنُوْنِ

خُصُوْصًا الاَرْبَعَةَ الَّتِيْ يُسْتَمَدُّ مِنْهَا هٰذِهِ الْمَسْئَلَةُ فَاِنَّهَا مَبْنِيَّةٌ عَلٰى ثَلَاثِ قَوَاعِدَ كَلَامِيَّةٍ وَ اُصُوْلِيَّةٍ وَ فِقْهِيَّةٍ وَ قَاعِدَةٍ رَابِعَةٍ مُشْتَرَكَةٍ بَيْنَ الْحَدِيْثِ وَ اُصُوْلِ الْفِقْهِ مَعَ مَا يُحْتَاجُ اِلَيْهِ مِنْ سِعَةِ الْحِفْظِ فِي الْحَدِيْثِ وَ صِحَّةِ النَّقْدِ لَهٗ وَطُوْلِ الباع فی الاطلاع علی اقوال الائمة وجمع متفرقات کلامهم فلا یظن بهم انهم لم یقفوا علی الاحادیث التی استدل بها اولئك معاذ الله بل وقفوا علیها وَخَاضُوْا غَمْرَتَهَا وَ اَجَابُوْا عَنْهَا الْاَجْوِبَةَ الْمَرْضِيَّةَ الَّتِيْ لَا يَرُدُّهَا مُنْصِفٌ وَ اَقَامُوْا لِمَا ذَهَبُوْا اِلَيْهِ اَدِلَّةً كَالْجِبَالِ الرَّوَاسِيْ۔

(الدرجة المنيفه فی آباء الشريفه صفحه نمبر ۳
مطبوعه حیدر آباد دکن)

ترجمہ: مشاہیر علماء کی ایک بہت بڑی جماعت کا یہ مذہب ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین نجات یافتہ ہیں۔ اور اُن کو آخرت میں نجات پانے والے کہنا ضروری ہے۔ یہ گروہ علما دوسرے لوگوں کی بہ نسبت اپنے مذہب کے مخالفین کے اقوال کو بہت بہتر جاننے والے ہیں۔ اور ان سے درجات

میں بھی کم نہیں ہیں۔ اور یہ حضرات احادیث و آثار کے حافظ ہیں اور اپنے مخالفین کے مسلک کے دلائل کی تنقید کرنا بخوبی جانتے ہیں۔ کیونکہ یہ بیک وقت مختلف انواع علوم کے جامع اور فنون کے اقسام کے بہرہ ور ہیں۔ خاص کر ان چار علوم کے جو اس مسئلہ کی بنیاد بنتے ہیں۔ کیونکہ اس مسئلہ کی تین قواعد یعنی کلامیہ، اصولیہ اور فقہیہ بنیاد ہیں۔ اور چوتھا قاعدہ حدیث اور اصول فقہ کے درمیان مشترک ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حدیث پاک کے حفظ میں وسعت، اور صحیح تنقید اور حضرات ائمہ کے اقوال واقفیت اور ان کے متفرق کلام کے جمع کرنے کی صلاحیت یہ سب باتیں ان علماء میں موجود ہیں۔ لہذا یہ گمان نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ حضرات ان احادیث پر مطلع نہیں تھے جو ان کے مخالفین نے بطور دلیل ذکر کیں۔ (معاذ اللہ) بلکہ وہ پوری طرح ان سے آگاہ تھے۔ اور ان میں خوب گہرائی تک پہنچے ہوئے تھے۔ اور ان کے پسندیدہ جوابات دیئے۔ جنہیں کوئی انصاف پسند رد نہیں کر سکتا۔ اور پھر اپنے مذہب کی تائید میں ایسے دلائل قائم کیے۔ جو مضبوطی میں بڑے بڑے پہاڑوں کی طرح ہیں۔

علامہ السیوطی کی اس تحریر سے ملا علی قاری کے اس دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے۔ جو انہوں نے ابن حجر مکی کے قول پر تنقید کرتے ہوئے کیا تھا۔ بلکہ معاملہ الٹ نظر آتا ہے۔

امر پنجم کا جواب:

ملا علی قاری نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین کے کفر و شرک

کے ثبوت پر قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی۔ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُہُوْا عَنْہُ (پ ۷ع ۸، آیت ۲۷) اور اگر وہ دنیا میں لوٹا دیئے جائیں۔ تو پھر وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا۔ کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ مشرکین و کفار کے بارے میں صاف صاف اعلان فرما رہا ہے۔ کہ وہ دوبارہ زندہ ہو بھی جائیں۔ اور دنیا میں پھر انہیں لوٹا دیا جائے۔ تو بھی اُن کے کرتوت۔ ویسے ہی ہوں گے جیسا پہلے کر کے مر گئے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اول تو زندہ ہونا ہی قابل ثبوت ہے۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر جبکہ وہ کفر و شرک پر مرے تھے۔ اب دوبارہ دنیا میں آکر اُن کا کفر و شرک کو چھوڑنا اور ایمان قبول کر لینا آیت مذکورہ کے خلاف جاتا ہے۔ لہٰذا اگر دوبارہ زندہ ہونا ہوا بھی تو اُن کا ایمان لانا قطعاً درست نہیں۔

آیت مذکورہ سے یہ استدلال بڑا عجیب و غریب ہے۔ کیونکہ اس آیت سے پہلے الفاظ میں اللہ تعالیٰ ایسے مشرکین کا ذکر کر رہا ہے۔ جنہیں کل قیامت کو جب جہنم میں ڈالے جانے کے لیے جہنم کے کنارے کھڑا کیا جائے گا۔ تو وہ یہ تمنا کریں گے۔ کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دے۔ اور اگر ہماری یہ خواہش پوری ہو جائے۔ تو پھر ہم وہ کام ہرگز نہیں کریں گے۔ جو ہم پہلے کرتے رہے۔ یعنی ہم بُت پرستی چھوڑ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانیں گے۔ اس کی آیات پر ایمان لائیں گے۔ اس کے رسولوں پر ایمان لائیں گے گویا کفر و شرک کا ہر کام چھوڑ کر ایمان و اسلام پر عمل پیرا ہوں گے۔ ان لوگوں کے بارے میں بتایا گیا۔ کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ بلکہ اگر انہیں واپس بھیج بھی دیا جائے۔ تو وہی کچھ کریں گے۔ جو کر کے آئے ہیں۔ اب اس آیت کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو اگر بنایا جائے۔ تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ انہوں نے اُن کفار و مشرکین نے اللہ تعالیٰ کو نہ مانا ہو۔ اپنے دور کے رسول کا

انکار کیا ہو۔ قرآن کریم کی تکذیب کی ہو۔ حالانکہ آپ کے والدین کا نہ کفر ثابت نہ شرک کا ان سے وجود، نہ ان کے زمانہ میں کوئی پیغمبر تھا۔ کہ اس کی تکذیب کا فتویٰ دیا جاتا اور نہ ہی ابھی قرآن اترا تھا۔ کہ اُسے اگلوں کے قصے کہانیاں کہنا ان سے منقول ہوتا۔ اور پھر کن لوگوں کو انہوں نے قرآن کریم سے دُور کرنے کی کوشش کی؟ یہی وُہ جرم تھے۔ جن کی بناپر آیت مذکورہ کے مصداق کفار و مشرکین کو جہنم میں ڈالا جانے لگا۔ اور انہوں نے واپس دنیا میں آکر پھر ایسے کام نہ کرنے کی خواہش کی۔ تو جب والدین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالتِ قیام دنیا میں ایسے جرائم ہوئے ہی نہیں۔ پھر انہیں دوزخ پر پیش کرنے اور وہاں ان کی دنیا میں واپسی اور اچھے عمل کی خواہش کے اظہار کا کیا مطلب؟ لہٰذا یہ قیاس "قیاس مع الفارق" ہے۔ کسی مفسر سے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر منقول نہیں۔ اور نہ ہی کسی نے آیت مذکورہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین پر چسپاں کیا ہے۔

امر ششم کا جواب:

ملا علی قاری نے مسلم شریف کی حدیث سے ایک اور استشہاد کیا وہ یہ کہ علماء کا نظریہ یہ ہے۔ کہ جو لوگ زمانہ فترت میں مرے۔ انہیں عذاب نہ ہوگا۔ ملا علی قاری حدیث مذکورہ سے اس نظریہ کی تردید کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بھی زمانۂ فترت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کو مرنے کے بعد عذاب ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اہل فترت کو عذاب نہ ہوگا۔ دُرست نہیں۔ یہ استدلال بھی ملا علی قاری کے اپنے نظریہ کی تائید پر ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے یہ باور کر لیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین نجات یافتہ نہیں۔ بلکہ عذاب میں گرفتار ہیں۔ تو ان کے اہل فترت ہوتے ہوئے معذب ہونا مذکور قانون کی

نفی کرتا ہے۔ اسے کہتے ہیں "بناء الفاسد علی الفاسد" جب سرکارِ دوعالم حضرت
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا معذب ہونا ہی مردود ہے۔ تو
اس پر کسی اور کا قیاس بھی نامقبول ہوگا۔ چونکہ اہل فترت کا ذکر آگیا۔ اور ان کے بارے
میں دو متضاد نظریے سامنے آگئے۔ ایک یہ کہ وہ معذب نہیں اور دوسرا یہ کہ نظریہ
غلط ہے۔ بلکہ وہ عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم نے اہل فترت کے بارے
میں کچھ وضاحت کر دینا ضروری سمجھا۔ لہٰذا اس سلسلہ میں ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔

اہل فترت کی تین اقسام ہیں۔

الفتح الربانی لترتیب مسند امام احمد بن حنبل شیبانی:

القسم الاول:

مَنْ اَدْرَكَ التَّوْحِيْدَ بِبَصِيْرَتِهٖ مِنْ هٰؤُلَاءِ
مَنْ لَمْ يَدْخُلْ فِيْ شَرِيْعَتِهٖ كَقِيْس بن ساعده
وزيد بن عمرو بن نفيل وَمِنْهُمْ مَنْ
دَخَلَ فِيْ شَرِيْعَتِهٖ حَتّٰى قَائِمَةَ الرَّسْمِ
كَتُبَّعَ وَقَوْمِهٖ۔

القسم الثانی:

مَنْ بَدَّلَ وَغَيَّرَ وَاَشْرَكَ وَلَمْ يُوَحِّدْ
وَشَرَعَ لِنَفْسِهٖ مُحَلِّلَ وَحَرَّمَ ۔ ------

القسم الثالث:

مَنْ لَمْ يُشْرِكْ وَلَمْ يُوَحِّدْ وَلَا دَخَلَ فِيْ

شَرِيْعَةَ نَبِيٍّ وَلَا ابْتَكَرَ لِنَفْسِهِ شَرِيْعَةً وَلَا اخْتَرَعَ دِيْنًا بَلْ بَقِيَ عُمُرُهُ عَلَى حَالِ غَفْلَةٍ مِنْ هٰذَا كُلِّهِ وَفِي الْجَاهِلِيَّةِ مَنْ كَانَ كَذٰلِكَ۔

• فَإِذَا انْقَسَمَ أَهْلُ الْفَتْرَةِ إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ فَيُحْمَلُ مَنْ صَحَّ تَعْذِيْبُهُ عَلَى أَهْلِ الْقِسْمِ الثَّانِي لِكُفْرِهِمْ بِمَا لَا يُعْذَرُوْنَ بِهِ وَأَمَّا الْقِسْمُ الثَّالِثُ وَهُمْ أَهْلُ الْفَتْرَةِ حَقِيْقَةً وَهُمْ غَيْرُ مُعَذَّبِيْنَ لِلْقَطْعِ كَمَا تَقَدَّمَ وَأَمَّا الْقِسْمُ الْأَوَّلُ فَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي كُلٍّ مِنْ قُسٍّ وَزَيْدٍ أَنَّهُ يُبْعَثُ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَمَّا تُبَّعٌ وَنَحْوُهُ فَحُكْمُهُمْ حُكْمُ أَهْلِ الدِّيْنِ الَّذِيْنَ دَخَلُوْا فِيْهِ مَا لَمْ يَلْحَقْ أَحَدٌ مِنْهُمُ الْإِسْلَامَ النَّاسِخَ لِكُلِّ دِيْنٍ۔

(الفتح الربانی لترتیب مسند امام احمد بن حنبل شیبانی جلد ۸ ص ۱۶۷ مطبوعہ قاہرہ جدید)

ترجمہ:

قسم اول: وہ لوگ جنہوں نے اپنی بصیرت سے توحید پر ایمان لایا۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں۔ جو کسی شریعت میں داخل نہیں۔ جیسا کہ قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل۔ اور کچھ وہ ہیں جو کسی شریعت میں داخل ہو گئے حتیٰ کہ انہیں اس شریعت کے نشانات مل گئے۔ جیسا کہ تبع اور اس کی

قوم۔

قسم ثانی: وہ لوگ جنہوں نے دین تبدیل کر دیا۔ اور شرک کیا۔ اور توحید پر یقین نہ کیا۔ اور اپنے لیے خود اپنی طرف سے حلال وحرام گھڑ لیے۔

قسم ثالث: وہ جس نے نہ شرک کیا اور نہ ہی توحید کو جانا۔ اور نہ ہی کسی نبی کی شریعت میں داخل ہوا۔ نہ خود اپنی طرف سے اپنے لیے کوئی شریعت گھڑی۔ اور نہ ہی کوئی دین بنایا۔ بلکہ باقی ماندہ عمر اس نے پہلے کی سی غفلت کے مطابق بسر کر ڈالی۔ اور جاہلیت میں بھی وہ ایسا ہی تھا۔

جب اہل فترت کی تین اقسام ہو گئیں۔ تو اس کی روشنی میں قسم ثانی وہ ہے۔ جسے عذاب دیا جائے گا۔ لہٰذا جن لوگوں نے اہل فترت کو عذاب دیئے جانے کی بات کی ہے۔ ان کے نزدیک اہل فترت سے مراد یہ قسم ثانی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے کفر کا کوئی عذر اور بہانہ نہیں کر سکیں گے۔ اور تیسری قسم کے لوگ جو حقیقت میں اہل فترت ہیں۔ انہیں قطعاً عذاب نہ ہو گا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور قسم اول تو اس کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔ باقی تبع اور اسی قسم کے دوسرے لوگ ان کا حکم اہل دین کا حکم ہے۔ یعنی جس دین میں وہ داخل ہوئے۔ وہ اسی میں شمار ہو گا۔ ہاں اگر وہ دین اسلام کو پائے جو تمام ادیان کا ناسخ ہے۔ اور پھر اسے قبول نہ کرے۔ تو اس کا معاملہ دیگر ہو گا۔

لمحۂ فکریہ:

اہل فترت کے اقسام اور ان کے متعلق علماء کے نظریات حوالہ بالا میں آپ نے

ملاحظہ کیجیے۔ اہل فترت کے علی الاطلاق معذب ہونے کا قول کس قدر غیر محتاط ہے۔ اور خود ساختہ مسلک و مذہب کی خاطر حق سے آنکھیں موڑنا ہے۔ قسم ثالث کے لیے نصاً غیر معذب ہونے کا قول موجود ہے۔ اور قسم اول ہی ناجی ہے۔ صرف قسم ثانی کو عذاب سے چھٹکارے کے لیے کوئی بہانہ کام نہ دے گا۔ اب سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کو ان اقسام کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پھر ان کے انجام کا بھی پتہ چل جائے گا۔ ملا علی قاری نے خواہ مخواہ انہیں قسم ثانی میں داخل کیا۔ اور پھر اس قسم کے عذاب کا ان پر بھی قول کر دیا۔ حالانکہ ان کے موحد ہونے اور دین ابراہیمی پر ہونے کے بہت سے دلائل ہیں۔ جن کا عنقریب ایک مستقل فصل میں تذکرہ آرہا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ مسلم شریف کی حدیث سے جو استنباط کیا گیا۔ وہ ابتداءً ہی غلط اور باطل ہے۔

امر ہفتم کا جواب:

امر ہفتم میں کوئی اعتراض نہیں کہ جس کا جواب دیا جائے۔ بلکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اسی موضوع پر تحریر کیے گئے تین رسائل کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ ملا علی قاری نے یہ مشورہ اس لیے دیا۔ تاکہ اس موضوع پر اپنے دلائل کا وزن بڑھا سکیں یا یوں کہہ لیجیے کہ وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں۔ کہ علامہ سیوطی نے جو دلائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ناجی اور مسلمان ہونے پر قائم کیے ہیں۔ وہ اتنے مضبوط نہیں جس قدر میرے دلائل مضبوط ہیں۔ اور اس کا انہوں نے شرح فقہ اکبر کے اندر اعلان بھی کیا ہے

شرح فقہ اکبر:

وَقَدْ اَفْرَدْتُ لِهٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ رِسَالَةً مُسْتَقِلَّةً
وَدَفَعْتُ مَا ذَكَرَهُ السُّيُوطِيُّ فِيْ رَسَائِلِهِ الثَّلَاثَةِ

فِي تَقْوِيَةِ هٰذِهِ الْمَقَالَةِ بِالْأَدِلَّةِ الْجَامِعَةِ الْمُجْتَمِعَةِ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْقِيَاسِ وَإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۳۱ مطبع آفتاب ہند)

ترجمہ: میں نے اسی مخصوص مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے۔ جس میں میں نے علامہ السیوطی کے اُن تین عدد تصنیف شدہ رسائل کا بخوبی دفاع کیا ہے۔ جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے مسلمان ہونے کی تقویت پر لکھے ہیں۔ اور انہوں نے کتاب اللہ، سنت رسول، قیاس اور اجماع امت سے اس کی تائید میں بہت سے جامع دلائل پیش کیے۔

کسی کے دلائل کا رد کر دینا یا اس کا دفاع کرنا اور ہے۔ اور پھر رد میں پیش کیے دلائل کا قوی ہونا الگ امر ہے۔ ہمیں تسلیم کہ ملا علی قاری نے اپنے استاد ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر پر تعجب کا اظہار کیا۔ لیکن اس تعجب پر تعجب، آپ ملاحظہ کر چکے۔ اسی طرح علامہ السیوطی کے رسائل میں پیش کیے گئے۔ دلائل اور ملا علی قاری کے اپنے مذہب پر دلائل ان میں قوی اور غیر قوی ہونے کا فریقین پر فیصلہ تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ملا علی قاری خود اپنے دلائل کی تعریف کر رہے ہیں۔ دوسری چیز یہاں یہ بھی پیش نظر رہے۔ کہ دلائل کسی دعویٰ کے ہوتے ہیں۔ دعویٰ غلط ہو تو دلائل بے شک وزنی ہوں اس سے دعویٰ کی صداقت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اور اگر دعویٰ بھی صحیح ہو اور دلائل بھی مضبوط تو احقاق حق کے لیے یہ ایک نعمت الٰہیہ ہے۔ علامہ السیوطی نے اپنے دلائل کی خود تعریف نہیں بلکہ اپنے دعویٰ کی سچائی پر امت کے جم غفیر کا قول پیش کیا۔ یہ قول پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

"یہ گمان بھی نہ کیا جائے۔ کہ اکابر امت جنہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کے والدین کریمین کے جنتی ہونے کا نظریہ اپنایا۔ وہ قرآن وحدیث و آثار سے واقف نہ تھے۔ اور انہوں نے وہ روایات نہ پڑھی تھیں جن میں ان کا کفر ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ اُن کے سامنے تھا۔ اور وہ ان روایات کی تہہ تک پہنچنے والے ہیں۔ ان حضرات نے پھر ان روایات واقوال کے ایسے پسندیدہ جوابات تحریر کیے۔ کہ اگر کوئی انصاف پسند دیکھے۔ تو انہیں رد نہیں کرے گا۔ اور وہ دلائل وشواہد اتنے وزنی ہیں۔ کہ گویا بڑے بڑے پہاڑ ہیں "

الحاصل:

مسلم شریف کی حدیث سے ملا علی قاری کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا کافر ثابت کرنا، اور آپ کا انہیں دوبارہ زندہ کر کے مشرف باسلام کرنا اور اہل فترت کا معذب ہونا اور زندہ ہونے کے بعد ایمان نامقبول ہونا ان باتوں کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ ملا علی قاری کی اپنی کوشش تھی۔ اور اپنے دلائے تھی جن کا ہم نے تفصیل سے رد کر دیا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے والدین کریمین کو زندہ کرنا اور پھر انہیں دولت ایمان عطا کرنا حضرات علماء کرام نے اسے آپ کے خصائص میں سے شمار کیا ہے۔ اس لیے قرآنی آیات جو اس کے خلاف مضمون پر مشتمل ہیں۔ وہ اپنے عمومی مورد پر محمول ہوتی ہیں۔ خصائص مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت اُن آیات قرآنیہ سے تعارض پیدا نہیں کرتا۔ لہٰذا جب احیاء والدین کریمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ٹھہری۔ تو پھر اس پر اعتراضات کی گنجائش کہاں سے آگئی۔ ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔

اُحیاءِ ابوین کریمین
کے بعد ایمان
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں ایک ہے

ردالمحتار (شامی):

اَلَا تَرٰی اَنَّ نَبِیَّنَا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم قَدْ اَکْرَمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِحَیَاۃِ اَبَوَیْہِ حَتّٰی اٰمَنَا بِہٖ کَمَا فِیْ حَدِیْثٍ صَحَّحَہُ الْقُرْطُبِی وابن ناصر الدین حافظ الشام وَغَیْرُھُمَا فَانْتَفَعَا بِالْاِیْمَانِ بَعْدَ الْمَوْتِ عَلٰی خِلَافِ الْقَاعِدَۃِ اِکْرَامًا لِنَبِیِّہٖ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(ردالمحتار (شامی) جلد چہارم ص ۲۳۱ ذکر مطلب فی احیاء ابوی النبی بعد موتھما۔ مطبوعہ مصر طبع جدید)

ترجمہ: کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کریمین کو زندہ فرما کر پھر انہیں ایمان عطا فرما کر کمال اعزاز عطا فرمایا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں یہ واقعہ پایا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی علامہ قرطبی اور ابن ناصر الدین حافظ شام وغیرہ نے صحیح فرمائی ہے۔

لہذا آپ کے والدین کریمین کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد ایمان عطاء فرما کر فائدہ عطا کیا۔ جو عادت وقاعدہ کے خلاف ہے لیکن یہ خلاف قاعدہ بات صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کے پیش نظر کی گئی

زرقانی شرح مواہب اللدنیہ:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَأَلَ رَبَّہٗ اَنْ یُّحْیِیَ اَبَوَیْہِ فَاَحْیَاھُمَا لَہٗ فَاٰمَنَا بِہٖ ثُمَّ اَمَاتَھُمَا قَالَ السُّھَیْلِیُّ وَاللّٰہُ قَادِرٌ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ وَلَیْسَ یَعْجِزُ رَحْمَتُہٗ وَقُدْرَتُہٗ عَنْ شَیْئٍ وَنَبِیُّہٗ صلی اللہ علیہ وسلم اَھْلٌ اَنْ یَّخْتَصَّہٗ بِمَا شَاءَ مِنْ فَضْلِہٖ وَیُنْعِمَ عَلَیْہِ بِمَا شَاءَ مِنْ کَرَامَتِہٖ۔

(۱۔ زرقانی شرح مواہب جلد اوّل ص ۱۶۸ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

(۲۔ فتح الربانی لترتیب مسند امام احمد بن حنبل شیبانی جلد ۸ صفحہ نمبر ۱۶۸۔)

(۳۔ مسالک الحنفاء ص ۱۵)

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے سوال کیا۔ کہ میرے والدین کو زندہ کیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاطر انہیں دوبارہ زندہ کیا۔ پھر وہ آپ پر ایمان لائے اور انتقال فرما گئے۔ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

اور اس کی رحمت وقدرت کسی چیز سے شکست نہیں کھا سکتی۔ اور اس کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس امر کے مستحق ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان پر مخصوص نوازشات فرمائے۔ اور آپ کی بزرگی وکرامت کی خاطر جو انعام آپ کو عطا فرمانا چاہے وہ عطا فرما دے۔

قارئین کرام! ملا علی قاری وغیرہ لوگوں نے مسئلہ زیر بحث میں جن احادیث سے استدلال کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین حالت کفر میں انتقال کر گئے تھے۔ وہ احادیث اس لیے منسوخ ہیں۔ کہ آپ کے والدین کا زندہ ہو کر مشرف بایمان ہونا خلاف قاعدہ ہے۔ اور آپ کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔ اس لیے خصائص مصطفےٰ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ملا علی قاری کے اس نظریہ پر علماء کی برہمی

النبراس:

وَعَارَضَهُ عَلِی ابن السلطان القاری بِرِسَالَةٍ فِی اثبات کُفْرِهِمَا فَرَأَی اُسْتَاذه ابن حجر مکی فی مَنَامِهِ اَنَّ الْقَارِی سَقَطَ مِنْ سَقْفٍ فَانْکَسَرَتْ رِجْلُهُ فَقِیْلَ هٰذَا جَزَاءُ اِهَانَتِهٖ وَالِدَیْ رَسُوْلِ اللهِ فَوَقَعَ کَمَا رَاٰی۔

(النبراس ص ۵۲۶ مطبوعہ ملک دین محمد لاہور)

ترجمہ: علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل کا ملا علی قاری نے اپنے رسالے سے معارضہ کیا۔ اور یہ ثابت کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کافر تھے۔ ملا علی قاری کے استاد ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا۔ کہ ملا علی قاری چھت سے گرا اور اس کا پاؤں ٹوٹ گیا۔ اور آواز آئی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کی اہانت کی یہ سزا ہے۔ سو جو دیکھا۔ ویسا ہی ہوا۔

مرام الکلام فی عقائد الاسلام:

وَالْعَجَبُ مِنْ عَلِیِ الْقَارِی الْہِرْوِی اَلَّفَ رِسَالَۃً فِیْ تَکْفِیْرِ ھِمَا وَ قَالَ فِیْھَا اِنَّ اٰمِنَۃَ اللَّعِیْنَۃَ کَافِرَۃٌ خَالِدَۃٌ مُخَلَّدَۃٌ فِی النَّارِ فَوَصَلَتِ الرِّسَالَۃُ اِلٰی اُسْتَاذِہٖ اِبْنِ حَجَرِ الْمَکِّیِ فَاَلَّفَ رِسَالَۃً کَبِیْرَۃً فِیْ رَدِّ ھَا وَ قَالَ فِیْھَا رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ اَنَّ الْقَارِیْ جَالِسٌ فَوْقَ سَطْحٍ فَتَعَجَّبْتُ ثُمَّ رَاَیْتُ اَنَّہٗ سَقَطَ فَانْکَسَرَ رِجْلُہٗ فَمَاتَ فَسَاَلْتُ عَنْ سَبَبِ سُقُوْطِہٖ فَقَالَ اِنَّہٗ اَھَانَ وَالِدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَمَدًا اِنْتَھٰی وَ یُعَدُّ ھٰذَا مِنْ خَوَارِقِ اِبْنِ حَجَرٍ فَاِنَّہٗ وَقَعَ کَمَا اَخْبَرَ بِہٖ۔

(مرام الکلام فی عقائد الاسلام ص ۹۲ تصنیف عبد العزیز فرھاروی)

ترجمہ: تعجب ہے کہ ملا علی قاری ہروی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

والدین کریمین کی تکفیر پر ایک رسالہ لکھا۔ اور اس میں یہ لفظ بھی لکھے: "بیشک آمنہ لعینہ ہمیشہ کے لیے دوزخی ہے" جب یہ رسالہ اس کے استاد ابن حجر مکی کے پاس پہنچا۔ تو انہوں نے اس کے رد میں ایک بہت بڑا رسالہ تحریر کیا۔ اور اس میں لکھا ہے۔ کہ میں نے جب خواب میں ملا علی قاری کو ایک چھت پر بیٹھے دیکھا۔ تو بڑا عجیب سا تھا۔ پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ چھت سے نیچے گرا اور اس کا پاؤں ٹوٹ گیا اور وہ مر گیا۔ میں نے اس کے گرنے کا سبب پوچھا۔ تو جواب آیا کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کی جان بوجھ کر توہین کی ہے۔ .... (اور ملا علی قاری کے ساتھ پھر ایسا ہی ہوا) اس واقعہ کو ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خوارق (کرامات) میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ واقعۃً ہونے والا تھا۔ اس کو انہوں نے پہلے دیکھ لیا۔ اور جس طرح بتایا ویسے ہی ہوا۔

روح المعانی:

اَقُوْلُ اِنَّهُمَا اَفْضَلُ مِنْ عَلِیِّ الْقَارِیْ وَاَضْرَابِهٖ

(روح المعانی جلد ۱ ص ۳۷۱ سورہ بقرہ آیت ۱۱۹ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: میں (علامہ آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی) کہتا ہوں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین، ملا علی قاری اور اس کے ہم مشرب علماء سے کہیں بہتر ہیں۔

روح المعانی:

وَاسْتَدَلَّ بِالْاٰیَةِ عَلٰی اِیْمَانِ اَبَوَیْهِ

كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ كَثِيْرٌ مِنْ اَجِلَّةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَ اَنَا اَخْشٰى الْكُفْرَ عَلٰى مَنْ يَّقُوْلُ فِيْهِمَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ عَلِيِّ الْقَارِي وَ اَضْرَابِهٖ بِضِدِّ ذٰلِكَ۔

(روح المعانی جلد ۱۹ ص ۱۳۸ سورۂ شعراء)

ترجمہ: (و تقلبك فی الساجدین) آیت ہٰذا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین کے ایمان دار ہونے پر استدلال کیا گیا ہے جیسا کہ اہل سنت کے جلیل القدر علماء کا یہ مذہب ہے۔ اور میں (علامہ آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی) تو اس شخص کے بارے میں کفر کا خوف رکھتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ رضی اللہ عنہما کے بارے میں اس عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ ملا علی قاری اور اس کے ہم مشرب علماء کا ہے۔

ارشاد البغی الی اسلام النبی:

ملا علی قاری نے ایک رسالہ مشتمل بر اسارت ادب والدین آنحضرت لکھا۔ اگر یہ رسالہ نہ لکھا جاتا تو ان کی تالیفات و تصنیفات سے دنیا بھر جاتی۔ فقیہ محمد عتشی، ملا علی قاری کے اس قول سے بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا۔ اَلْعَجَبُ عَنِ الْقَارِيْ اَنَّهٗ صَنَّفَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ رِسَالَةً وَ تَكَلَّفَ فِيْهَا وَ اَتٰى بِاَسْجَاعٍ جُمْلَةٍ فَلَعَلَّهُ الْبَرْدَةُ اَثَّرَتْ فِيْ رَاْسِهٖ فَاخْتَلَّ عَقْلُهٗ۔

(ارشاد البغی الی اسلام النبی مصنفہ مولوی برخوردار ملتانی مطبوعہ ہاشمی میرٹھ)

ترجمہ: ملا علی قاری پر تعجب ہے۔ کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ثبوت کفر پر ایک رسالہ لکھ مارا۔ اس میں بڑے تکلف سے کام لیا گیا۔ اور عجیب مقفٰی و مسجع جملے لکھے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ملا علی قاری کو سرسام ہو گیا ہو۔ اور اس کی وجہ سے عقل میں خلل پڑ گیا اور رسالہ لکھ مارا۔

زرقانی:

قَالَ السُّهَيْلِيُّ بَعْدَ اِيْرَادِ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ وَلَيْسَ لَنَا نَحْنُ اَنْ نَقُوْلَ ذَالِكَ فِي اَبَوَيْهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِقَوْلِهٖ لَا تُؤْذُوْا الْاَحْيَاءَ بِسَبَبِ الْاَمْوَاتِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَقُوْلُ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الاٰیہ وَسُئِلَ الْقَاضِيْ اَبُوْ بَكْرٍ اَحَدُ اَئِمَّةِ الْمَالِكِيَّةِ عَنْ رَجُلٍ قَالَ اِنَّ اَبَا النَّبِيِّ فِي النَّارِ فَاَجَابَ بِاَنَّهٗ مَلْعُوْنٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا وَلَا اَذٰى اَعْظَمُ مِنْ اَنْ يَقُوْلَ اَبُوْهُ فِي النَّارِ۔

(۱۔ الحاوی للفتاوٰی جلد دوم ص ۲۳۱ مطبوعہ لائل پور پاکستان)

(۲۔ زرقانی شرح مواہب جلد اول ص ۱۸۶ تذکرہ اہل فترت مطبوعہ بیروت طبع جدید)

(۳۔ مسالک الحنفاء ص ۳۵ مطبوعہ حیدر آباد دکن)

(۴۔ فتح الربانی جلد ۵ ص ۷۰ مطبوعہ قاہرہ)

ترجمہ: مسلم شریف کی حدیث وارد کرنے کے بعد سہیلی نے کہا۔ ہمیں ہرگز یہ

زیب نہیں دیتا کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں کفر کا قول کریں۔ کیونکہ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زندہ لوگوں کو ان کے مردوں کی وجہ سے تکلیف نہ دو۔ (یعنی مردوں کے بارے میں ایسی باتیں نہ کرو۔ کہ جس سے ان کے زندہ رشتہ دار اذیت میں مبتلا ہوتے ہوں) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔ الخ امام مالک کے پیروؤں میں سے ایک عظیم امام جناب قاضی ابوبکر سے پوچھا گیا۔ کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں دوزخی ہونے کا قول کرتا ہو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا وہ ملعون ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ وہ بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ان پر اللہ کی پھٹکار دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اللہ نے ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو دوزخی کہنے سے بڑھ کر اور کون سی اذیت ہو سکتی ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتی ہوگی۔

مقام غور:

گزشتہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے کفر کا قائل ہے۔ وہ

۱۔ اللہ کی طرف سے غیبی سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

۲۔ اس کا دماغی توازن بگڑ جاتا ہے۔

۳ - اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سے افضل سمجھتا ہے۔
۴ - اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا احتمال رکھتا ہے۔
۵ - اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچانے والا ہونے کے اعتبار سے ملعون ہے

ایذائے رسول اللہ کی دو مثالیں اور اس کا انجام

الدرجۃ المنیفہ فی آباء الشریفہ: مثال ۱:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَتْ سَبِیْعَةُ بِنْتُ اَبِیْ لَهَبٍ اِلَى النَّبِیِّ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ اَنْتِ بِنْتُ حَطَبِ النَّارِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ یُؤْذُوْنَنِیْ فِیْ قَرَابَتِیْ مَنْ اٰذٰی قَرَابَتِیْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ

(الدرجۃ المنیفہ فی آباد الشریفہ ص ۱۷)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ سبیعہ بنت ابی لہب ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور شکایت کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ مجھے دوزخ کے ایندھن والے کی بیٹی کہہ کر پکارتے ہیں۔ یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پہ تشریف فرما ہوئے۔ اور آپ غصہ کی حالت میں تھے۔ فرمانے لگے اس قوم کا کیا بنے گا جو مجھے میری قرابت کے حوالے سے اذیت دیتی ہے سنو! جس نے میرے قرابت والوں کو اذیت دی اس نے

مجھے اذیت دی۔ اور جو مجھے اذیت دے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائے گا۔

فتح الربانی: مثال ۲:

قَالَ الْحَلْوَانِي فِي الْمَوَاكِبِ اَلْقَوْلُ بِكُفْرِ اَبَوَيْهِ ذِلَّةٌ عَاقِلٍ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ فَمَنْ تَفَوَّهَ بِهٖ تَعَرَّضَ لِكُفْرٍ بِاِيْذَائِهٖ فَقَدْ جَاءَ اَنَّ عَكْرِمَةَ بن ابي جہل اِشْتَكٰى اِلَى النَّبِيِّ اَنَّ النَّاسَ يَسُبُّوْنَ اَبَاهُ فَقَالَ لَا تُؤْذُوا الْاَحْيَاءَ بِسَبَبِ الْاَمْوَاتِ رواه الطبرانى وَ لَاشَكَّ اَنَّهٗ حَبِيٌّ فِيْ قَبْرِهٖ وَتُعْرَضُ عَلَيْهِ اَعْمَالُنَا وَ اِذَا تَوَجَّعَ عِكْرِمَة رضى الله عنه فِيْ اَبِيْهِ بِالنَّفْيِ عَمَّا يَتَاذّٰى بِهٖ مِنْ سَبِّهٖ فَسَيِّدُ الْخَلْقِ اَوْلٰى وَاَوْجَبُ۔

(الفتح الربانی جلد ۵ ص ۱۷۱ مطبوعہ قاہرہ طبع جدید)

ترجمہ: مواکب میں حلوانی نے کہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں کافر ہونے کا قول کرنا عقلمند کے لیے انتہائی ذلیل حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا قول کہنے سے پناہ میں رکھے۔ جس شخص نے اپنے منہ سے ایسا حکم نکالا۔ اس نے کفر کو اپنی طرف دعوت دی۔ کیونکہ ایسا کہنے سے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ کہ عکرمہ بن ابی جہل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ کہ لوگ میرے باپ،

کو برا بھلا کہتے ہیں۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا۔ زندوں کو ان کے مردوں کے سبب سے تکلیف نہ پہنچاؤ۔ یہ روایت طبرانی سے ذکر کی۔ اور یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرانور میں زندہ ہیں۔ اور ہمارے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ لہذا جب حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے باپ کے متعلق برا بھلا کہنے سے روک کر یہ رعایت رکھی گئی۔ کیونکہ ایسا کرنے سے انہیں اذیت ہوتی تھی۔ تو تمام مخلوق کے سردار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس رعایت سے عکرمہ سے زیادہ حق دار ہیں اور آپ کی رعایت واجب ہے۔

اختتامی کلمات:

ابولہب اور ابوجہل کا جہنمی ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ ان کو برا بھلا کہنے سے جب ان کے ورثاء کو ذہنی کوفت ہوئی۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ آپ نے لوگوں کو منع فرما دیا۔ کہ ان کے مرے ہوئے رشتہ داروں کو برا بھلا نہ کہا جائے۔ تاکہ تمہارے ان ساتھیوں کو اذیت نہ پہنچے۔ حالانکہ ان دونوں کے لیے کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث و روایت ہرگز نہ ملے گی۔ کہ قابل مغفرت ہیں۔ اور ابدی دوزخی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کے ورثاء کی اذیت پر اللہ کی طرف سے کہیں لعنت آئی۔ اور ادھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتکب پر نص قرآنی سے لعنت موجود ہے۔ لہذا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو دوزخی یا کافر و مشرک کہتا ہے۔ وہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتا ہے اور اذیت دینے والے پر اللہ کی پھٹکار وارد ہے۔ اس لیے وہ شخص اپنی آخرت برباد کرنے

کے درپے ہے۔ آپ ذرا خیال فرمائیں۔ کہ جب امتیوں کے اعمال روزانہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہوتے ہیں۔ تو ان میں اگر کسی امت کا یہ قول بھی آپ کے سامنے آئے۔ کہ اس نے آپ کے والدین کو کافر اور جہنمی لکھا یا کہا ہے تو اسے پڑھ کر یا سُن کر حضور شفیق مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا رنج ہوتا ہو گا۔ اور آپ ایسے شخص سے کس قدر ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ملا علی قاری نے اپنے نظریہ سے رجوع کیا اور توبہ کی

حاشیہ نبراس علی شرح العقائد:

علی بن السلطان القاری فقد اخطاء و ذل لا یلیق ذالک لہ و نقل توبتہ عن ذالک فی قول المستحسن۔ (حاشیہ نبراس ص ۵۲۶)

ترجمہ: علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری نے اس مسئلہ میں خطاء کھائی اور راہ راست سے پھسل گیا۔ اُسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور قول مستحسن میں اس نظریے کی اُن کی توبہ کرنا منقول ہے۔

ملا علی قاری علمائے احناف میں سے ایک بہت بڑے عالم مصنف اور شارح ہوئے ہیں۔ ان کی تصنیفات و شروحات میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ عقیدت و محبت ٹپکتی ہے۔ لیکن چند احادیث واقوال کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے انہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں نازیبا کلمات کہے۔ بلکہ گستاخانہ رویہ اپنایا جس

کی سزا انہیں دنیا میں مل بھی گئی۔ اور اس کی گستاخی پر خود ان کے استاد محترم ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ بھی ناراض تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ناراض تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید محرومیوں سے بچانا تھا۔ اور آخرت کی بربادی بھی منظور نہ تھی۔ بالآخر انہیں اس عقیدہ سے توبہ کی توفیق ملی۔ کاش کہ ان کی توبہ بھی اسی طرح سر عام ہوتی جس طرح اُن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں نظریہ اُن کی تصنیفات میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اس غلطی کو معاف فرمائے اور ہمیں اسی نظریئے پر قائم و دائم رکھے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کو معجزانہ طور پر زندہ کیا۔ اور انہیں مشرف باسلام کیا۔ پھر وہ اس دنیا سے کامل الایمان رخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے محبوب کو اور بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے۔ ایک خصوصیت یہ بھی آپ کو عطا ہوئی۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ

اعتراض ۱

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا میرا اور تمہارا باپ دونوں جہنم میں ہیں

مسلم شریف:

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیْنَ اَبِیْ قَالَ فِی النَّارِ فَلَمَّا قَفَّا دَعَاہُ فَقَالَ اَبِیْ وَ اَبَاكَ فِی النَّارِ۔

(مسلم شریف تذکرہ باب من مات علی الکفر فهو فی النار ص ۲۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ میرا باپ (مرنے کے بعد) کس جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا (دوزخ کی) آگ میں ہے۔ جب وہ شخص اٹھ کر جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا۔ اور فرمایا۔ بے شک میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں۔

مذکورہ حدیث کے آخری الفاظ وہ ہیں۔ جنہیں کچھ لوگ اپنے نظریہ کی تائید

یں بطور حوالہ پیش کرتے ہیں۔ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اقرار کیا۔ اعلان فرمایا۔ کہ میرا باپ دوزخ کی آگ میں ہے۔ تو پھر عقیدہ یہی ہونا چاہیئے۔ کہ آپ کے والد جہنمی ہیں۔ (معاذ اللہ) لہذا ان حضرات کو اپنے عقیدہ پر نظرثانی کرنی چاہیئے۔ جو اس کے خلاف آپ کے والد کا جنتی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ حدیث مذکورہ کے بارے میں تحقیق کیا ہے۔ اور کیا اس میں حجت بننے کی صلاحیت ہے؟ اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

مذکورہ الفاظ متفق علیہ نہیں ہیں اور بوجہ ضعف کے عیب و نقص میں ثابت کرنے معتبر نہیں

جواب:

ضعیف احادیث کے بارے میں محدثین وفقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں۔ کہ فضائل و کمالات میں ان کا اعتبار ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسی حدیث سے عیب اور نقص کا ثبوت نہیں کیا جا سکتا۔ اس مسلم قاعدہ کے بعد ہم علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث بالا کے الفاظ کے متعلق توضیح وتشریح پیش کرتے ہیں۔

مسالك الحنفاء:

إِنَّ هٰذِهِ اللَّفْظَةَ وَهِيَ قَوْلُهُ إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ لَمْ يَتَّفِقْ عَلَىٰ ذِكْرِهَا الرُّوَاةُ وَإِنَّمَا ذَكَرَهَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ

عن ثابت عن انس وهي الطريق التي رواه مسلم منها وقد خالفه معمر عن ثابت فلم يذكر ان ابي واباك في النار ولكن قال له اذا مررت بقبر كافر فبشره بالنار وهذا اللفظ لا دلالة فيه على والده صلى الله عليه وسلم بامر البتة وهو اثبت من حيث الرواية فان معمر اثبت من حماد فان حماد اتكلم في حفظه ووقع في حديثه مناكير ذكروا ان ربيبة دسها في كتبه وكان حماد لا يحفظ فحدث بها فوهم فيها ومن ثم لم يخرج له البخاري شيئا ولا خرج له مسلم في الاصول الا من

روايته عن ثابت قال الحاكم في المدخل ما خرج مسلم لحماد في الاصول الا من حديثه عن ثابت وقد خرج له في الشواهد عن طائفة واما معمر فلم يتكلم في حفظه ولا استنكر شئ من حديثه واتفق على التخريج له الشيخان فكان لفظه اثبت . ثم وجدنا الحديث ورد من حديث سعد بن ابي وقاص بمثل لفظ رواية معمر عن ثابت عن انس فاخرج البزار والطبراني والبيهقي من طريق ابراهيم بن سعد بن ابي وقاص بمثل سعد عن ابيه

ان اعرابيا قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم
اين ابي قال في النار قال فاين ابوك قال حيثما
مررت بقبر كافر فبشره بالنار. وهذا
اسناد على شرط الشيخين فتعين الاعتماد
على هذا اللفظ وتقديمه على غيره وقد
زاد الطبراني والبيهقي في اخره قال فاسلم
الاعرابي بعد فقال لقد كلفني تعبا ما
مررت بقبر كافر الا بشرته بالنار.
وقد اخرج ابن ماجة من طريق ابراهيم بن
سعد عن الزهري عن سالم عن ابيه قال
جاء اعرابي الى النبي صلى الله عليه وسلم
فقال يا رسول الله ان ابي كان قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم حيثما مررت
بقبر مشرك فبشره بالنار فهذه الزيادة
اوضحت بلا شك ان هذا اللفظ العام من الذي
صدر منه صلى الله عليه وسلم وراه الاعرابي
بعد اسلامه امرا مقتضيا للامتثال فلم
يسعه الا امتثاله ولو كان الجواب باللفظ
الاول لم يكن فيه امر بشيء البتة
فدل على ان اللفظ الاول من تصرف
الراوي رواه بالمعنى على حسب

خلاصہ -

(مسالک الحنفاء ص ۴۳ تا ۴۵)

ترجمہ: "ان ابی و اباک فی النار"۔ ان الفاظ پر تمام راوی متفق نہیں ہیں۔ انہیں صرف حماد بن سلمہ نے حضرت ثابت ابن انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ اور یہ اس سند کے اندر ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا۔ اس روایت کے ایک اور راوی جناب معمر نے حضرت ثابت سے اسی مضمون والی حدیث بیان کرتے ہوئے اس کی مخالفت کی ہے۔ اور انہوں نے "ان ابی و اباک فی النار" کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ لیکن اس کی بجائے یوں کہا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے فرمایا۔ جب تو کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے دوزخ کی آگ کی خوشخبری دینا۔ ان الفاظ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کسی بات کا قطعاً تذکرہ نہیں ہے۔ اور یہ روایت پہلی روایت سے زیادہ مضبوط ہے۔ کیونکہ راوی معمر اپنے ہم عصر راوی حماد سے زیادہ مضبوط ہیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ حماد راوی کے بارے میں علماء نے ان کے حفظ پر اعتراض کیا ہے۔ اور یہ بھی کہ ان کی مرویات میں بہت سی منکر احادیث بھی ہیں۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ ان کی ایک ربے پالک نے بہت سی باتیں ان کی کتابوں میں شامل کر دی تھیں۔ اور حماد چونکہ اپنی روایات کے حافظ نہ تھے اس لیے وہ حدیث بیان کرتے وقت ان زائد باتوں کو بھی حدیث کے رنگ میں بیان کر دیا کرتے تھے۔ لہذا انہیں ان میں وہم پڑ گیا

اسی وجہ کی بنا پر امام بخاری نے ان سے کسی حدیث کی تخریج نہیں فرمائی اور نہ ہی امام مسلم نے اصول میں ان کی وہ مرویات لیں۔ جو جناب ثابت سے یہ بیان کرتے ہیں۔ الحاکم نے مدخل میں کہا۔ کہ امام مسلم نے اصول میں ان کی صرف وہ روایات لیں جو انہوں نے ثابت سے بیان کیں اور شواہد میں اس کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی ان کی مرویات ذکر کیں۔ ان کے مقابلہ میں معمر راوی پر تو کسی نے از روئے حفظ کوئی اعتراض کیا۔ اور نہ ہی ان کی کسی روایت سے استنکار کیا۔ بخاری اور مسلم دونوں ان سے تخریج احادیث پر متفق ہیں۔ لہٰذا ان کے ذکر کردہ الفاظ زیادہ مضبوط ہوئے۔

پھر ہم نے جناب معمر راوی کی حدیث کی مثل ایک حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص سے منقول دیکھی۔ امام بزار، طبرانی اور بیہقی نے بواسطہ ابراہیم بن سعد عن الزہری عن عامر بن سعد عن ابیہ ذکر کیا۔ کہ ایک اعرابی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ میرا باپ کہاں ہے۔؟ فرمایا۔ وہ آگ میں ہے۔ اس نے پوچھا آپ کا باپ کہاں ہے؟ فرمایا۔ جب بھی تو کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے آگ کی خوشخبری دینا۔ یہ اسناد امام بخاری اور مسلم کی شرائط پر ہیں۔ لہٰذا اس کے لفظ پر اعتماد متعین ہوا۔ اور اس روایت کو دوسری روایت پر تقدیم لازم ہوئی۔ اسی روایت کے آخر میں امام بیہقی اور طبرانی نے یہ بھی زیادہ ذکر کیا کہ وہ اعرابی اس کے بعد اسلام لے آیا۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک مشقت میں ڈال دیا ہے۔ میں جب بھی کسی

کافر کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے۔ تو مجھے اس کو آگ کی خوشخبری دینا پڑتی ہے

ابن ماجہ نے بطریقہ ابراہیم بن سعد عن الزہری عن سالم عن ابیہ ذکر کیا۔

کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آیا۔ اور کہنے لگا۔ یارسول اللہ

بے شک میرا باپ صلہ رحمی کیا کرتا تھا۔ اور فلاں فلاں خوبی کا مالک تھا

اب مرنے کے بعد وہ کہاں ہے؟ فرمایا۔ آگ میں۔ راوی بیان کرتے

ہیں۔ کہ یہ جواب سن کر کچھ اس کے دل میں غم محسوس ہوا۔ پھر بولا یارسول اللہ

آپ کا باپ کہاں ہے۔؟ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ جب کبھی کسی مشرک کی قبر کے پاس سے تیرا گزر ہو۔ تو اسے

دوزخ کی آگ کی خوشخبری دینا۔ اس کے بعد وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔ اور

کہا۔ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بھاری کام میں ڈال دیا ہے

میرا جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزر ہوتا ہے۔ تو مجھے بموجب

ارشاد اس کو آگ کی خوش خبری دینا پڑتی ہے۔

روایت میں اس زیادتی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے جو لفظ اس میں عام انداز میں ذکر فرمائے۔ اور ان کے عام ہونے کی وجہ

سے مذکورہ اعرابی نے مسلمان ہونے کے بعد ان پر عمل کرنا ضروری سمجھا۔ اسے اسی

وجہ سے یہ گراں معلوم ہوا۔ کہ آپ کا ارشاد ہر کافر و مشرک کے لیے تھا۔ اور اگر آپ

کا جواب پہلے الفاظ کے ساتھ ہوتا۔ یعنی یہ کہ میرا باپ بھی آگ میں ہے۔ یا میرا اور

تیرا باپ دونوں آگ میں ہیں۔ تو اس جواب میں اعرابی کے لیے کوئی حکم نہیں۔

جسے پورا کرنے کے لیے وہ مشقت میں پڑتا۔ حالانکہ وہ اپنی مشقت کا ذکر کرتا

ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ الفاظ (جو پہلی روایت میں مذکور ہیں) راوی کی دخل اندازی

کا نتیجہ ہیں۔ اس نے روایت کو اس کے معنی کے پیش نظر اپنے الفاظ میں بیان کیا۔

اور جو اس نے سمجھا۔ اُسے بیان کر دیا۔ (اس لیے مذکورہ الفاظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔)

خلاصہ:

«ان ابی و اباک فی النار» کے الفاظ جس روایت میں ہیں۔ اس کے راوی جناب حماد اتنے مضبوط نہیں جس قدر ان کے ہم عصر اور استاد بھائی جناب معمر ہیں۔ دونوں اپنے شیخ جناب ثابت سے یہ روایت ذکر کرتے ہیں لیکن حماد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ اور معمر کی روایت میں نہیں۔ حماد کے غیر مضبوط ہونے کی بڑی دلیل یہ کہ امام بخاری نے ان کی کوئی روایت ذکر نہ کی۔ لیکن معمر کی روایات بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔ پھر اسی مضمون کی ایک اور سند سے حدیث بھی کتب حدیث میں موجود ہے۔ جسے طبرانی، بیہقی اور ابن ماجہ وغیرہ نے سعد بن ابی وقاص سے بیان کیا۔ اس میں بھی یہ الفاظ موجود نہیں تو ان واقعات و شواہد کے پیش نظر نتیجہ یہ نکلا۔ کہ الفاظ مذکورہ حماد راوی کی طرف سے روایت بالمعنی کی صورت میں ذکر ہو گئے۔ لہٰذا ان الفاظ کو بطور استدلال پیش کرنا حقیقت حال سے بے خبری کے مترادف ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض نمبر (۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کا
مقام اخروی معلوم کرنا چاہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے
دوزخیوں کے بارے میں سوال کرنے سے
منع کر دیا۔

تفسیر ابن کثیر:

قَالَ ابن جریر وحدثنی القاسم اخبرنا الحسین حدثنی حجاج عن ابن جریج اَخْبَرَنِی داؤد بن ابی عاصم بہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہ علیہ وسلم قَالَ ذَاتَ یَوْمٍ "اَیْنَ اَبَوَایَ" فَنَزَلَتْ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِیْمِ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد اوّل ص ۱۶۲ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: ابن جریر نے کہا۔ کہ مجھے قاسم نے خبر دی۔ اور قاسم کو حسین نے اور حسین کو حجاج نے اور حجاج کو ابن جریج نے خبر دی۔ کہ مجھے داؤد بن ابی عاصم نے بتایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن کہا۔ میرے ماں باپ مرنے کے بعد کس جگہ ہیں؟ اس پر یہ آیت اتری وہ بے شک ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور دوزخیوں کے بارے میں تمہیں پوچھنا نہیں چاہیئے۔

جواب اوّل:

مسالک الحنفاء فی والدی المصطفٰے سے اقتباس

(قلت) اَلْجَوَابُ اَنَّ غَالِبَ مَا يُرْوٰى مِنْ ذَالِكَ ضَعِيْفٌ وَلَمْ يَصِحَّ فِىْ اُمِّ النَّبِىِّ سِوٰى حَدِيْثِ اَنَّهٗ اسْتَاْذَنَ فِى الْاِسْتِغْفَارِ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ وَلَمْ يَصِحَّ اَيْضًا فِىْ اَبِيْهِ اِلَّا حَدِيْثُ مُسْلِمٍ خَاصَّةً وَسَيَاْتِى الْجَوَابُ عَنْهُمَا وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ الَّتِىْ ذُكِرَتْ فَحَدِيْثُ لَيْتَ شِعْرِىْ مَا فَعَلَ اَبَوَاىَ فَنَزَلَتِ الْاٰيَةُ لَمْ يُخْرَجْ شَيْئٌ مِنْ كُتُبِ الْاَحَادِيْثِ الْمُعْتَمَدَةِ وَاِنَّمَا ذَكَرَهٗ فِىْ بَعْضِ التَّفَاسِيْرِ بِسَنَدٍ مُنْقَطِعٍ لَا يُحْتَجُّ بِهٖ وَلَا يُعَوَّلُ عَلَيْهِ وَلَوْ جِئْتَنَا تُحْتَجُّ

بِالْاَحَادِيْثِ الْوَاهِيَةِ لِمُعَارَضَتِكَ بِحَدِيْثٍ
رَوَاهُ اَخْرَجَهُ ابْنُ الْجَوْزِيُّ مِنْ حَدِيْثِ
عَلِيٍّ مَرْفُوْعًا هَبَطَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيَّ فَقَالَ
اِنَّ اللّٰهَ يُقْرِئُكَ السَّلَامُ وَيَقُوْلُ اِنِّيْ حَرَّمْتُ
النَّارَ عَلٰى صُلْبٍ اَنْزَلَكَ وَبَطْنٍ حَمَلَكَ وَحِجْرٍ
كَفَلَكَ وَيَكُوْنُ مِنْ مُعَارَضَةِ الْقَوَاطِعِ بِالْوَاهِيْ
اِلَّا اَنَّا لَا نَرٰى ذَالِكَ وَلَا نَحْتَجُّ بِهٖ ثُمَّ اِنَّ هٰذَا
السَّبَبَ مَرْدُوْدٌ بِوُجُوْهٍ اُخْرٰى مِنْ جُمْلَةِ
الْاُصُوْلِ وَالْبَلَاغَةِ وَاَسْرَارِ الْبَيَانِ
وَذَالِكَ اَنَّ الْاٰيَاتِ مِنْ قَبْلِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَ
مِنْ بَعْدِهَا كُلُّهَا فِي الْيَهُوْدِ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى
يَا بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ
عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ
وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ
رَبُّهٗ - وَلِهٰذَا اُخْتِمَتِ الْقِصَّةُ بِمِثْلِ مَا
صُدِّرَتْ بِهٖ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى يَا بَنِيْ
اِسْرَائِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ
عَلَيْكُمُ الْاٰيَتَيْنِ - فَتَبَيَّنَ اَنَّ الْمُرَادَ بِالْاَصْحَابِ
الْجَحِيْمِ كُفَّارُ اَهْلِ الْكِتَابِ وَقَدْ وَرَدَ ذَالِكَ
مُصَرَّحًا بِهٖ فِي الْاَثَرِ اَخْرَجَ عَبْدُ بْنِ
حُمَيْدٍ وَالْفَرْيَابِيُّ وَابْنِ جَرِيْرٍ وَابْنِ الْمُنْذِرِ

فِيْ تَفَاسِيْرِهِمْ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ مِنْ اَوَّلِ
الْبَقَرَةِ اَرْبَعُ آيَاتٍ فِيْ نَعْتِ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَآيَتَانِ فِيْ نَعْتِ الْكَافِرِيْنَ وَثَلَاثَ عَشْرَةَ
آيَةً فِيْ نَعْتِ الْمُنَافِقِيْنَ وَمِنْ اَرْبَعِيْنَ اِلَى
عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اِسْنَادُهُ
صَحِيْحَةٌ وَمِمَّا يُؤَكِّدُ ذٰلِكَ اَنَّ السُّوْرَةَ
مَدَنِيَّةٌ وَاَكْثَرُ مَا خُوْطِبَ فِيْهَا الْيَهُوْدُ وَ
تَرْشَحُ ذٰلِكَ مِنْ حَيْثُ الْمُنَاسَبَةِ اَنَّ الْجَحِيْمَ
اِسْمٌ لِمَا اَعْظَمَ مِنَ النَّارِ كَمَا هُوَ مُقْتَضَى
اللغة والاثار اخرج ابن ابي
حَاتِمٍ عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ قَوْلُهُ تَعَالَى اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ
مَا عَظُمَ مِنَ النَّارِ اَخْرَجَ ابن جرير وابن المنذر
عن ابي جريج في قوله تعالى لها سَبْعَةُ
اَبْوَابٍ قَالَ اَوَّلُهَا جَهَنَّمُ ثُمَّ لَظَى ثُمَّ الْحُطَمَةُ
ثُمَّ سَقَرُ ثُمَّ الْجَحِيْمُ ثُمَّ الْهَاوِيَةُ قَالَ
وَالْجَحِيْمُ فِيْهَا اَبُوْ جَهْلٍ اِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ
اَيْضًا فَالْاَلْيَقُ لِهٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ مَنْ عَظُمَ
كُفْرُهُ وَاشْتَدَّ وِزْرُهُ وَعَانَدَ عِنْدَ
الدَّعْوَةِ وَبَدَّلَ وَحَرَّفَ وَجَحَدَ بَعْدَ
عِلْمٍ لَا مَنْ هُمْ بِمَظِنَّةِ التَّخْفِيْفِ وَاِذَا
كَانَ قَدْ صَحَّ فِيْ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّهُ اَهْوَنُ اَهْلِ

النَّارِ عَذَابًا لِقَرَابَتِهِ مِنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَبِرِّهِ بِهِ مَعَ إِدْرَاكِهِ الدَّعْوَةَ وَامْتِنَاعِهِ
مِنَ الْإِجَابَةِ فِي طُولِ عُمْرِهِ فَمَا ظَنُّكَ بِأَبَوَيْهِ
الَّذِيْنَ هُمَا أَشَدُّ مِنْهُ قَرَابَةً وَآكَدُ
حُبًّا وَأَبْسَطُ عُذْرًا وَأَقْصَرُ عُمْرًا فَمَعَاذَ اللهِ
أَنْ يُظَنَّ بِهِمَا فِي طَبَقَةِ الْجَحِيْمِ وَأَنْ
يُشَدَّدَ عَلَيْهِمَا الْعَذَابُ الْعَظِيْمُ هٰذَا لَا يَفْهَمُهُ
مَنْ لَهُ أَدْنَى ذَوْقٍ سَلِيْمٍ۔

(مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ، صفحہ نمبر ۳۹ تا ۴۱ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

ترجمہ: میں (علامہ جلال الدین السیوطی) اس کے جواب میں کہتا ہوں، کہ اس بارے میں جس قدر روایات ذکر کی گئی ہیں۔ وہ غالباً ضعیف ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے بارے میں سوائے اس حدیث کے کوئی صحیح نہیں جس میں ذکر ہے۔ کہ آپ نے اپنی والدہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کی اجازت طلب کی۔ لیکن اجازت نہ دی گئی۔ اور صرف مسلم شریف کی حدیث بالخصوص آپ کی والدہ کے بارے میں صحیح ہے۔ ان دونوں کا جواب عنقریب آ رہا ہے۔ رہی یہ حدیث، کہ جس میں آپ نے کہا۔ کاش مجھے پتہ چل جاتا۔ کہ میرے والدین کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ اس کے جواب میں آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (جو اعتراض میں مذکور ہے) تو یہ حدیث کسی قابل اعتماد حدیث کی کتاب میں موجود نہیں۔ بعض تفسیروں میں مذکور ہے۔ لیکن وہاں بھی منقطع سند کے ساتھ ہے۔ لہٰذا ناقابل احتجاج

ہے اور نہ ہی قابل اعتماد۔ اور اگر تم بے سروپا احادیث سے ہمارے

سامنے احتجاج پیش کرنا چاہتے ہو۔ تو پھر ہم بھی اس کے معارضہ

میں ایسی ہی حدیث پیش کرتے ہیں۔ ابن الجوزی نے حضرت علی

المرتضےٰ سے مرفوعاً بیان کیا۔ کہ جبرئیل امین میرے پاس تشریف

لائے، اور کہا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سلام کہتا ہے۔ اور فرماتا ہے

میں نے تمہاری ہر اس پشت کو آگ پر حرام کر دیا جس میں تم رہے۔

اور ہر اُس پیٹ کو جس نے تمہیں اٹھایا، ہر اس گود کو جس نے

تمہاری تربیت کی یہ سب دوزخ کی آگ پر حرام کر دی ہیں۔ یہ واہی

حدیث کے ساتھ واہی حدیث کا معارضہ ہو جائے گا۔ مگر ہم نہ

ایسا کرنے کے حق میں ہیں۔ اور نہ ہی اس طریقہ سے حجت پیش

کرتے ہیں۔

پھر یہ سبب کئی اور وجوہات کی بنا پر مردود ہے۔ جن میں اصول،

بلاغت، اور اسرار البیان وغیرہ وجوہات ہیں۔ دیکھئے یہ آیت

اور اس کے پہلے مذکورہ آیات اور اس کے بعد والی آیات بھی تمام

کی تمام یہودیوں کے بارے میں ہیں۔ یبنی اسرائیل

اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم ... وایای فارھبون تک اور اس کے بعد

اذ ابتلی ابراھیم ابی تک۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قصہ جس

انداز سے شروع کیا گیا۔ اسی انداز سے ختم بھی فرمایا۔ تو معلوم

ہوا کہ "اصحاب الجحیم" سے مراد اہل کتاب کے

کافر ہیں۔ اسی بات کو صراحت کے ساتھ اس روایت میں

ذکر کیا گیا۔ جیسے عبد بن حمید، فریابی اور ابن جریر و ابن المنذر

نے اپنی تفاسیر میں لکھا۔ یہ سبھی حضرات جناب مجاہد سے بیان کرتے ہیں۔ اور سورہ بقرہ کی ابتدائی چار آیات مومنوں کی تعریف میں۔ اس کے بعد دو آیات کفار کی تعریف میں تیرہ آیات منافقین کے بارے میں اور چالیس سے ایک سو بیس آیات تک بنی اسرائیل کے بارے میں ہیں۔ اس روایت تفسیری سے اشارہ صحیحہ اُدھر ہی ہوتا ہے۔ کہ اصحاب الجحیم وہی لوگ ہیں جو اہل کتاب کے کافر ہیں۔ اور اسی بات کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے۔ کہ یہ سورہ مبارکہ مدنی ہے۔ اور اس میں اکثر طور پر یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ اور لفظ جحیم کو دیکھا جائے۔ تو لغت اور اشعار کے پیش نظر یہ اس آگ کا نام ہے۔ جو بہت بڑی ہے۔
ابن ابی حاتم نے ابی مالک سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا قول اصحاب الجحیم سے مراد وہ دوزخ ہے۔ جو آگ کے اعتبار سے بہت بڑی ہے۔ ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن جریج سے روایت کیا۔ کہ آیت قرآنیہ "لہا سبعۃ ابواب" کی تفسیر یوں ہے ان سات دوزخوں میں پہلی جہنم، دوسری لظی، تیسری حطمۃ، چوتھی سعیر، پانچویں سقر، چھٹی جحیم اور ساتویں ہاویہ ہے اور کہا کہ جحیم میں ابو جہل ہے۔ اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہیں ابو جہل اس درجہ دوزخ کے لائق اس لیے ہوا کہ وہ کفر میں عظیم تھا۔ اس کا بوجھ بہت وزنی تھا۔ دعوت اسلام کے وقت سخت ترین دشمن تھا۔ اور سب کچھ جاننے کے باوجود اس نے انکار کیا، علیحدگی اختیار کی اور دین تبدیل کیے رکھا۔ یہ اس لائق نہ تھا

کہ اس سے کچھ تخفیف کی جاتی۔ اور جب کہ یہ روایت صحیح ہے۔ کہ
ابوطالب آگ کے کم تر عذاب والے حصے میں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں میں سے تھا۔ اور آپ کے
ساتھ احسان و نیکی کرنے والوں میں سے تھا۔ حالانکہ اس نے دعوت
اسلام کا وقت پایا۔ اور پھر اس دعوت کو قبول بھی نہ کیا۔ اور لمبی
عمر اسی میں بسر کی۔ تو تمہارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین
کریمین کے بارے میں کیا گمان ہے۔ جبکہ وہ دونوں بوجہ قرابت داری
کے ابوطالب سے کہیں زیادہ قریب ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو
ان سے اور انہیں آپ سے ازحد محبت تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کے
حضور صاحب عذر ہونے میں کسی سے کم نہیں۔ اور عمر کے اعتبار سے
کم رہ والد کو دعوت اسلام کا زمانہ نصیب ہی نہ ہوا۔ اور والدہ بھی
چھ سات سال بعد ولادت مصطفےٰ انتقال فرما گئیں۔ لہذا ان دونوں
کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ وہ معاذ اللہ جہیم دوزخ میں ہیں۔ اور ان
پر سخت ترین عذاب ہو رہا ہے۔ ایسی بات ہے کہ جسے معمولی سا
بھی ذوق سلیم ہوگا۔ وہ اسے سمجھنے سے قاصر ہوگا۔

مذکورہ عبارت سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں جن احادیث
میں کفر و شرک کا اثبات ملتا ہے وہ ضعیف ہیں۔

۲۔ "کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ میرے والدین کہاں ہیں؟" یہ روایت کسی

معتمد کتاب میں موجود نہیں ہے۔

۲۔ آیت ۱۱۹ سورۂ بقرہ من جملہ اُن آیات میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے کفار کے بارے میں نازل ہوئیں۔ یہ بات حدیث صحیح سے ثابت ہے

۴۔ "جحیم" دوزخ کے چھٹے طبقہ کا نام ہے۔ جس کا عذاب پہلے پانچ طبقات سے کہیں بڑھ کر شدید ہے۔ لہذا اس میں جانے والے بھی سخت نافرمان ہوں گے۔ جیسا کہ ابوجہل ہے۔ اہل فترت نافرمانوں میں اول تو شمار ہی نہیں اور اگر ہیں بھی تو بہت معمولی درجہ کے۔ اس لیے ان کا جحیم میں جانا غیر معقول ہے۔

۵۔ ابوطالب نے باوجودیکہ زمانہ دعوت پایا۔ اور پھر بھی ایمان نہ لایا۔ لیکن وہ بھی "جحیم" میں نہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور آپ کے ساتھ احسان کرنے کی وجہ سے وہ خفیف عذاب میں ہوگا۔ لہذا آپ کے والدین کے لیے "جحیم" کیسے ممکن ہوگا؟

دراصل یہ امور مذکورہ اس اعتراض کے مستقل جوابات ہیں۔ جو تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ابن جریر ذکر کیا گیا۔ ہم نے ان تمام کو ایک ہی حوالہ کی نسبت ایک جواب کے طور پر پیش کیا ہے۔

جواب دوم:

ابن کثیر نے چونکہ "لا تسئل عن اصحاب الجحیم" کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی اُخروی حالت کے استفسار کے جواب میں نازل ہونا بحوالہ ابن جریر لکھا ہے۔ اس لیے ناقل کی بجائے ہم ابن جریر سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا واقعی آیت مذکورہ کے بارے میں اُن کا یہی نظریہ ہے۔ کہ یہ آیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی؟ ملاحظہ ہو کہ ابن جریر کیا کہتے ہیں۔

تفسیر ابن جریر طبری:

وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ قَرَأَهُ عَامَّةُ الْقُرَّاءِ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحَابِ بِضَمِّ التَّاءِ مِنْ تُسْئَلُ وَرَفْعِ اللَّامِ مِنْهَا عَلَى الْخَبَرِ بِمَعْنَى يَا مُحَمَّدُ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا فَبَلَّغْتَ مَا اُرْسِلْتَ بِهٖ وَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَالْاِنْذَارُ وَلَسْتَ مَسْئُوْلًا عَمَّنْ كَفَرَ بِمَا اَتَيْتَهُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ وَكَانَ مِنَ الْجَحِيْمِ وَقَرَأَ ذَالِكَ بَعْضُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَلَا تَسْئَلْ جَزْمًا بِمَعْنَى النَّهْيِ مَفْتُوْحَ التَّاءِ مِنْ تَسْئَالُ وَجَزْمَ اللَّامِ مِنْهَا وَمَعْنَى ذَالِكَ عَلَى قِرَاءَةِ هٰؤُلَاءِ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا لِتُبَلِّغَ مَا اُرْسِلْتَ بِهٖ وَلَا تَسْئَلْ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ فَلَا تَسْئَالْ عَنْ حَالِهِمْ وَتَاَوَّلَ الَّذِيْنَ قَرَاُوْا هٰذِهِ الْقِرَاءَةَ مَا حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا وكيع عن موسى بن عبده عن محمد بن كعب القرظى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَيْتَ شِعْرِىْ مَا فَعَلَ اَبَوَاىَ لَيْتَ شِعْرِىْ مَا فُعِلَ اَبَوَاىَ لَيْتَ شِعْرِىْ مَا فَعَلَ اَبَوَاىَ

ثَلاَثًا فَنَزَلَتْ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا
وَنَذِيرًا وَلاَ تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ فَمَا
ذَكَرَهُمَا حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ حَدَّثَنَا
القاسم قال حدثنا الحسين قال حدثنا
حجاج عن ابن جريج قال اخبرني داود
عن ابي عاصم ان النبي قال ذات يوم لَيْتَ
شِعْرِي أَيْنَ أَبَوَايَ فَنَزَلَتْ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ
بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلاَ تُسْأَلُ عَنْ
أَصْحَابِ الْجَحِيمِ

وَالصَّوَابُ عِنْدِي مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي ذَلِكَ
قِرَاءَةُ مَنْ قَرَأَ بِالرَّفْعِ عَلَى الْخَبَرِ لِأَنَّ اللهَ
جَلَّ ثَنَاؤُهُ قَصَّ قِصَصَ أَقْوَامٍ مِنَ الْيَهُودِ
وَالنَّصَارَى وَذَكَرَ ضَلاَلَتَهُمْ وَكُفْرَهُمْ
وَجُرْأَتَهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ ثُمَّ قَالَ
لِنَبِيِّهِ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ بَشِيرًا
مَنْ آمَنَ بِكَ وَاتَّبَعَكَ مِمَّنْ قَصَصْتُ عَلَيْكَ
أَنْبَاءَهُ وَمَنْ لَمْ أَقْصُصْ عَلَيْكَ أَنْبَاءَهُ وَ
نَذِيرًا مَنْ كَفَرَ بِكَ وَخَالَفَكَ فَبَلِّغْ
رِسَالَتِي فَلَيْسَ عَلَيْكَ مِنْ أَعْمَالِ مَنْ كَفَرَ بِكَ
بَعْدَ إِبْلاَغِكَ إِيَّاهُ رِسَالَتِي تَبِعَةٌ وَلاَ أَنْتَ
مَسْئُولٌ عَمَّا فَعَلَ بَعْدَ ذَلِكَ وَلَمْ يَجْرِ

لِمَسْئَلَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ رَبَّهُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ
ذِكْرٌ فَيَكُوْنُ لِقَوْلِهٖ لَا تُسْئَلُ عَنْ
اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ وَجْهٌ يُوَجَّهُ اِلَيْهِ
وَاِنَّمَا الْكَلَامُ مُوَجَّهٌ مَعْنَاهُ اِلٰى مَادَلَّ
عَلَيْهِ ظَاهِرُهُ الْمَفْهُوْمُ حَتّٰى تَاْتِيَ دَلَالَةٌ
بَيِّنَةٌ وَتَقُوْمُ بِهَا الْحُجَّةُ عَلٰى اَنَّ الْمُرَادَ
بِهٖ غَيْرُ مَادَلَّ عَلَيْهِ ظَاهِرُهُ فَيَكُوْنُ
حِيْنَئِذٍ مُسَلَّمًا لِلْحُجَّةِ الثَّابِتَةِ بِذٰلِكَ
وَلَا خَبَرَ تَقُوْمُ بِهِ الْحُجَّةُ عَلٰى اَنَّ النَّبِيَّ
نُهِيَ عَنْ اَنْ يَسْئَالَ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ عَنْ
اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ وَلَا دَلَالَةَ تَدُلُّ عَلٰى
اَنَّ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ فِيْ ظَاهِرِ التَّنْزِيْلِ وَالْوَاجِبُ
اَنْ يَكُوْنَ تَاْوِيْلُ ذٰلِكَ الْخَبَرِ عَلٰى مَا مَضٰى
ذِكْرُهُ قَبْلَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَعَمَّنْ ذُكِرَ بَعْدَ
هَا مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَغَيْرِهِمْ مِنْ
اَهْلِ الْكُفْرِ دُوْنَ النَّهْيِ عَنِ الْمَسْئَلَةِ
عَنْهُمْ۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد اول ص۴۰۹
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

" وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ " میں لفظ

تسئل کے متعلق ابو جعفر (ابن جریر طبری) کہتا ہے۔ کہ یہ مضارع مجہول والا مذکر مخاطب کا صیغہ ہے۔ اور یہی قرأۃ عامہ ہے۔ اس طرح یہ جملہ خبریہ بنے گا معنی یہ ہوگا۔ اے میرے رسول! ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ تو آپ وہ تمام باتیں لوگوں تک پہنچا دیں۔ جو آپ کو عطا کی گئیں۔ کیونکہ آپ کی ذمہ داری صرف پہنچانا ہے۔ اور لوگوں کو ڈرانا ہے۔ اور جو شخص آپ کے لائے ہوئے احکام سے انکار کرتا ہے۔ آپ اس کے جوابدہ نہیں ہیں۔ نہ ہی اس بات کے کہ وہ اہل جحیم میں سے کیوں ہے؟ بعض اہل مدینہ نے اسے نہی کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس قرأۃ کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا۔ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ آپ ان تمام احکام کو لوگوں تک پہنچا دیں۔ جو آپ کو دیئے گئے۔ اور آپ اہل جحیم کے حالات کے متعلق سوال نہ کریں۔ اس قرأۃ والوں نے اپنی قرأۃ کی تاویل ابو کریب کی مروی حدیث سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہمیں جناب وکیع نے موسیٰ بن عبیدہ اور انہوں نے محمد بن کعب سے حدیث بیان کی۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کہا کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ میرے والدین کس مقام میں ہیں؟ اور ان سے کیا سلوک ہوا۔؟ اس پر لا تسئل عن اصحاب الجحیم آیت اتری۔ دوسری حدیث جسے حسن بن یحییٰ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا۔ کہ ہمیں عبدالرزاق اور انہیں جناب ثوری نے اور انہیں موسیٰ بن عبیدہ نے محمد بن کعب قرظی سے یہ روایت

بیان کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ کاش کہ مجھے اپنے والدین
کے بارے میں پتہ چل جاتا کہ وہ کہاں ہیں؟ آپ نے تین مرتبہ یہ کہا
اس پر لا تسئل عن اصحاب الجحیم آیت اتری
اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کا تادم وصال
نام تک نہ لیا۔ تیسری حدیث جسے ہم سے قاسم نے بیان کیا۔ وہ
کہتے ہیں۔ کہ ہمیں حسین نے انہوں نے حجاج عن ابن جریج سے انہوں
نے داؤد عن ابی عاصم سے بیان کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
دن کہا۔ کاش مجھے اپنے والدین کے بارے میں پتہ چل جاتا کہ ان
کے ساتھ کیا سلوک ہوا اور وہ کہاں ہیں؟ تو اس کے جواب میں اِنَّا
اَرْسَلْنٰكَ الآیۃ اتری۔

میرے (ابن جریر) نزدیک اس لفظ (تسئل) میں ان لوگوں
کی قراۃ صواب ہے جنہوں نے اسے فعل مضارع مجہول صیغہ
واحد مذکر مخاطب کے طور پر پڑھا۔ اور اسے جملہ خبریہ بنایا کیونکہ
اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی اقوام کے حالات و واقعات بیان
فرمائے۔ ان کی گمراہیوں اور کفر کے ساتھ ساتھ حضرات انبیائے کرام
کے ساتھ بے باکیوں کا تذکرہ فرمایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے
محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ اے محمد! ہم نے آپ کو ہر اس
شخص کے لیے خوش خبری دینے والا بنا کر بھیجا جو بھی آپ پر ایمان
لائے اور جو واقعات ہم نے   آپ کو بتائے ان میں
آپ کی اتباع کرے۔ اور جو نہیں بتائے ان میں بھی آپ کی
پیروی کرے۔ اور ہم نے آپ کو ان لوگوں کے لیے ڈرانے

والا بنا کر بھیجا۔ جو آپ کا انکار کرتے ہیں۔ اور مخالفت کرتے ہیں۔ لہذا آپ میرے احکام لوگوں تک پہنچا دیں۔ تبلیغ احکام کے بعد اگر کوئی شخص میرے احکام کا انکار کرتا ہے۔ تو آپ سے اس کے بارے میں باز پرس نہیں کی جائے گی۔ اور اس کے اصحاب جحیم ہونے کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح لا تسئل عن اصحاب الجحیم کی ایک معقول وجہ نظر آتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی ایک معقول وجہ رکھتا ہے۔ اور ظاہراً یہی مفہوم ومدلول اس کا بنتا ہے۔ ہاں اگر کوئی دلیل یا حجت ایسی موجود ہو۔ جو اس ظاہری مفہوم کے علاوہ کسی دوسرے مفہوم کی تائید کرتی ہو۔ تو اس وقت وہ دوسرا مفہوم حجت ثابتہ کے ساتھ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ کوئی ایسی خبر نہیں ملتی۔ جو اس کی تائید کرتی ہو۔ اور دلالت کرتی ہو۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے ذریعہ اہل جحیم کے بارے میں سوال کرنے سے روکا گیا ہے۔ اور نہ ہی کوئی ایسی دلیل ہے۔ کہ جو اس مفہوم کو ثابت کرے۔ کہ ظاہری طور پر اس سے آپ کو اہل جحیم کے متعلق سوال کرنے سے روک دیا گیا۔ لہذا ضروری ہے۔ کہ آیت مذکورہ کا معنی اس کے ماقبل اور مابعد کی آیات کو دیکھ کر متعین کیا جائے اور اس سے آگے پیچھے تمام یہود ونصاریٰ کا تذکرہ ہوا ہے۔ اور ان لوگوں کا جو اہل کفر ہیں۔ اس لیے ان کے بارے یہی مفہوم صحیح ہے۔ کہ آپ کو ان کفار کے اہل جحیم ہونے کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ یہ نہیں۔ کہ آپ مجھ سے ان کے اہل جحیم ہونے کا سوال نہ کریں۔

خلاصہ کلام:

ابن جریر کے نزدیک آیت لا تسئل عن اصحاب الجحیم کو مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر مخاطب کے ساتھ پڑھنا صواب اور صحیح ہے جس کے دلائل انہوں نے دیئے۔ اس قراءۃ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ آپ کو کل قیامت کی ایک خبر دے رہا ہے۔ کہ اے میرے محبوب! یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار اگر تعلیمات اسلامیہ سے روگردانی کر کے جحیم میں چلے گئے۔ تو ہم آپ سے یہ نہیں پوچھیں گے۔ کہ یہ لوگ یہاں کیوں آئے۔ انہوں نے کیا کرتوت کیے؟ اس کے خلاف جن لوگوں نے اسے صیغہ نہی کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اس کی تائید میں دو تین احادیث بھی پیش کی ہیں۔ ابن جریر اس کے ناصواب ہونے کی وجوہ بیان کرتے ہیں۔ کہ نہی سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال کرنا موجود ہونا چاہیئے تھا۔ جس کا کوئی وجود نہیں۔ لہٰذا بغیر سوال کیے سوال کرنے سے منع کر دینے کا کیا مطلب؟ دوسری آیت کریمہ کا ظاہری متن و مفہوم بھی اس قراءۃ کی تائید نہیں کرتا۔ تیسرا اس آیت کا ماقبل و مابعد بھی اس کی حمایت نہیں کرتا۔ تیسرا ان حالات میں یہ کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ لا تسئل نہی کے طور پر پڑھنا اچھا ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ قراءۃ نہی پر کچھ تعلق آپ کے والدین کریمین کے ساتھ بنتا تھا۔ جسے ابن جریر نے صواب نہیں کہا۔ اس لیے ابن جریر کا نظریہ اور ہے۔ اور ابن کثیر کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے۔ کہ ابن جریر نے مذکورہ حدیث اپنی تفسیر میں درج فرمائی۔ لیکن جس قراءۃ کی تائید میں درج فرمائی وہ ان کی قراءۃ پسندیدہ بلکہ صواب نہیں ہے۔

نوٹ:

اگر کسی کے ذہن میں آئے۔ کہ اس جواب سے صرف یہ ثابت ہوا۔ کہ

آیت لا تسئل الخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ لیکن وہ احادیث جو لیت شعری والی ہیں۔ آخر وہ اپنے طور تو موجود ہیں۔ پھر ان کو دیکھ کر یہی مطلب نکلے گا۔ کہ آپ کے والدین جنتی نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ان احادیث میں آپ کے والدین کریمین کے دوزخی ہونے پر کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔ دوسرا یہ کہ علامہ السیوطی نے ان احادیث کو کہا۔ معضل ضعیف ولا تکون به حجة یہ معضل اور ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں ہیں۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارْ

اعتراض نمبر ۳

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملیکہ کے بیٹوں کو کہا تھا تمہاری اور میری ماں جہنم میں ہیں

المستدرک:

عن علی ابن الحکم عن عثمان بن عمیر عن ابی وائل عن ابن مسعود قال جاءَ ابنا مُلیکۃ وَھُما مِنَ الانصارِ فقالا یَا رَسُوْلَ اللہِ اِنّا اُمّنا تحفظ علی البعلِ وَتُکْرِمُ الضّیفَ وَقَدْ وأدت فِی الجاھِلیّۃِ فَاَیْنَ اُمُّنا قالَ اُمُّکُما فی النّارِ فَقامَ وَقَدْ شَقّ ذالِکَ عَلَیْھِمَا فدعاھُما رَسُوْلُ اللہِ فرجعا فقالَ اِنّ اُمّی مَعَ اُمِّکُما فقالَ مُنافِقٌ مِنَ النّاسِ لِی ما یُغنِی ھٰذا عَنْ اُمِّہٖ اِلّا ما یُغنی اِبنا مُلَیْکَۃَ عَنْ اُمِّھِما

وَنَحْنُ لَقَاءُ عَقِبَيْهِ فَقَالَ رَجُلٌ شَابٌّ مِنَ الْأَنْصَارِ لَمْ أَرَ رَجُلًا كَانَ أَكْثَرَ سُؤَالًا لِرَسُولِ اللّٰهِ مِنْهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ أَبَوَاكَ فِي النَّارِ فَقَالَ مَا سَأَلْتُهُمَا رَبِّي فَيُعْطِنِي فِيهِمَا وَإِنِّي لَقَائِمٌ يَوْمَئِذٍ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ الخ

هٰذا حديث صحيح الاسناد۔

(المستدرك جلد دوم ص ۳۶۴ ذکر صفۃ حوض الکوثر مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ہمارے ساتھ ملیکہ نامی عورت کے دو بیٹے جو انصاری تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ ہماری والدہ اپنے خاوند کی تابع اور بڑی مہمان نواز تھی۔ لیکن جاہلیت کے دور میں اس کا انتقال ہوگیا تھا۔ تو فرمایئے وہ اب کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تمہاری والدہ دوزخ میں ہے۔ ان دونوں کو یہ بات ناگوار گزری وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور جانے کا ارادہ کرلیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا وہ واپس آئے۔ تو آپ نے کہا۔ بے شک میری والدہ بھی تمہاری والدہ کے ساتھ ہی ہے۔ اس پر لوگوں میں سے ایک منافق نے مجھے کہا۔ یہ رسول اللہ کا پیغمبر اپنی والدہ کے کوئی کام نہ آسکا۔ جس طرح ملیکہ کے بیٹے اس کے کام نہ آئے۔ اور ہم اس پیغمبر کی قدم بقدم اتباع کرتے ہیں۔ اس پر ایک انصاری نوجوان نے کہا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت سوالات کیا کرتا

تھا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ کے والدین دوزخ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ میں ان کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ سے مانگوں گا وہ مجھے عطا فرما دے گا۔ اور میں اس دن مقام محمود پر کھڑا ہوں گا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

ذکر شدہ حدیث کے ابتدائی الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی ملیکہ کی طرح جہنم میں ہے۔ اور آخری حصہ میں آپ کے والدین کا دوزخی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ جنتی ہیں۔ تو پھر ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنے کا کیا معنی۔ لہذا اس صحیح الاسناد حدیث سے جب یہ دو باتیں ثابت ہیں۔ تو پھر آپ کے والدین کو جنتی کہنا کس طرح درست ہوا؟

جواب:

ان دونوں باتوں کا وزن دراصل حدیث کی صحت و ضعف پر موقوف ہے۔ اس کے بارے میں چند سطور بعد ہم انشاء اللہ بحث کریں گے۔ پہلے اس بات کا تذکرہ ہو جائے۔ کہ اس حدیث کا آخری حصہ پہلے حصہ کی تشریح کر رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سائل کو فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے وہ عطا کر دے گا۔ جو میں اپنے والدین کے لیے مانگوں گا۔ اس میں صاف صاف ارشاد ہے۔ کہ آپ جتنا بڑا مرتبہ ان کے لیے مانگیں گے۔ عطا ہو گا۔ اگر آپ ان کے لیے جنت میں اعلیٰ مرتبہ کا سوال کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کو اعلیٰ مرتبہ عطا فرما دے گا۔ اور یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ جس شخص کا انتقال کفر و شرک پر ہوا ہو۔ وہ جنت کے اعلیٰ درجہ میں کجا سرے سے جنت میں ہی نہیں جا سکتا۔ تو اس سے ثابت ہوا۔ کہ آپ کے والدین کریمین زمانہ فترت میں انتقال فرمانے کی وجہ سے جنتی تو ہیں۔ لیکن ادنیٰ مرتبہ میں۔ اس لیے آپ

بروز قیامت مقام محمود پر تشریف فرما ہوتے ہوئے ان کے لیے اعلیٰ مرتبہ کا سوال کریں گے۔ لہٰذا یہ حدیث ان کے دوزخی نہیں بلکہ جنتی ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ رہا یہ معاملہ ابتداءِ حدیث میں آپ نے ملیکہ کے بیٹوں کو کہا کہ میری اور تمہاری ماں دوزخی ہیں۔ تو اس کا ایک جواب سیرت حلبیہ کے حوالے سے یہ ہے۔ کہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر آپ کا ان دونوں زوجاؤں کو یہ کہنا اس وقت تھا جب کہ آپ نے اپنی والدہ کو دوبارہ زندہ کر کے ایمان سے مشرف نہیں فرمایا تھا۔ اور اس کی مثال بعینہٖ آپ کے والد گرامی کے بارے میں اسی مستدرک میں گزر چکی ہے۔ اور اگر اس حدیث کو صحیح ہی تسلیم نہ کیا جائے۔ تو پھر قابل استدلال نہیں رہتی۔ یاد رہے کہ صاحب المستدرک علامہ الحاکم کا کسی حدیث کو تنہا صحیح کہہ دینا اُسے بالاتفاق صحیح نہیں کر دیتا۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

سیرت حلبیہ:

وَيَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ قَوْلُهٗ لِلشَّخْصَيْنِ اُمِّيْ وَاُمُّكُمَا فِي النَّارِ عَلٰى تَقْدِيْرِ صِحَّتِهِ الَّتِيْ اِدَّعَاهَا الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ كَانَ قَبْلَ اِحْيَائِهِمَا وَاِيْمَانِهِمَا بِهٖ كَمَا تَقَدَّمَ نَظِيْرُ ذَالِكَ فِيْ اَبِيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلُنَا عَلٰى تَقْدِيْرِ صِحَّةِ الْحَدِيْثِ اِشَارَةٌ لِمَا تَقَرَّرَ فِيْ عُلُوْمِ الْحَدِيْثِ اَنَّهٗ لَا يُقْبَلُ تَفَرُّدُ الْحَاكِمِ بِالتَّصْحِيْحِ فِي الْمُسْتَدْرَكِ لِمَا عُرِفَ مِنْ تَسَاهُلِهٖ فِيْهِ فِي التَّصْحِيْحِ وَقَدْ بَيَّنَ

الذَّهَبِيُّ ضَعْفَ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَحَلَفَ عَلَى عَدَمِ صِحَّتِهِ يَمِيْنًا۔

(سیرت حلبیہ جلد ۱ ص ۴۷ باب وفات امہ مطبع بیروت)

ترجمہ: جائز ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دو شخصوں کو یہ فرمانا کہ میری اور تمہاری ماں دوزخ میں ہیں جبکہ اس روایت کو بموجب دعوےٰ المستدرک صحیح مان لیا جائے یا اس وقت کی بات ہو۔ جب آپ نے اپنی والدہ کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے اوپر ایمان لانے کا موقعہ عطاء نہ فرمایا ہو۔ جیسا کہ اس کی نظیر آپ کے والد ماجد کے بارے میں اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ اور ہم نے جو یہ کہا کہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے، یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ علوم حدیث میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے۔ کہ الحاکم نے المستدرک میں جس حدیث کو انفرادی طور پر اپنے حوالے سے صحیح کہا، یہ صحت قابل قبول نہیں۔ کیونکہ المستدرک میں انہوں نے کافی تساہل سے کام لیا۔ اور کسی حدیث کے صحیح کہنے میں پوری احتیاط نہیں برتی۔ امام ذہبی نے اس حدیث کا ضعیف ہونا بیان کیا ہے۔ اور یہاں تک کہ اس کے عدم صحت پر انہوں نے قسم اٹھائی۔

مذکورہ حدیث کی سند میں راوی عثمان بن عمیر متروک غیر مرضی اور ناقابل حجت ہے

تہذیب التہذیب:

يُقَالُ عُثْمَانُ بْنُ قَيْسٍ ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ

كَانَ ابْنُ مَهْدِيٍّ تَرَكَ حَدِيْثَهُ وَ قَالَ اَبِي
خَرَجَ فِي الْفِتْنَةِ مَعَ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ
حَسَنٍ وَ قَالَ عَمْرُو ابْنُ عَلِيٍّ لَمْ يَرْضَ يَحْيٰى
وَلَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اَبَا الْيَقْظَانِ وَ قَالَ الدَّوْرِيُّ
عَنِ ابْنِ مَعِيْنٍ لَيْسَ حَدِيْثُهُ بِشَيْءٍ وَقَالَ
ابْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا اَبِي سَاَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ
عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُمَيْرٍ فَضَعَّفَهُ
فَقَالَ سَاَلْتُ اَبِي عَنْهُ فَقَالَ ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ
مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ كَانَ شُعْبَةُ لَا يَرْضَاهُ وَ ذَكَرَ
اَنَّهُ حَضَرَهُ فَرَوٰى عَنْ شَيْخٍ فَقَالَ لَهُ شُعْبَةُ
كَمْ سِنُّكَ فَقَالَ كَذَا فَاِذَا قَدْ مَاتَ الشَّيْخُ
وَ هُوَ ابْنُ سِنَتَيْنِ وَ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عَرْعَرَةَ
عَنْ اَبِي اَحْمَدَ الزُّبَيْرِيِّ كَانَ الْحَارِثُ بْنُ
مُعِيْنٍ وَ اَبُو الْيَقْظَانِ يُؤْمِنَانِ بِالرَّجْعَةِ
وَ يُقَالُ كَانَ يَغْلُوْ فِي التَّشَيُّعِ قُلْتُ نَسَبَهُ
اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فَقَالَ هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عُمَيْرٍ
ابْنِ عَمْرِو ابْنِ قَيْسٍ الْبَجَلِيُّ وَ قَدْ يُنْسَبُ
اِلٰى نَسَبِ جَدِّ اَبِيْهِ ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ فِي
الْاَوْسَطِ فِي فَصْلِ مَنْ مَاتَ مَا بَيْنَ الْعِشْرِيْنَ
وَ مِائَةٍ اِلَى الثَّلَاثِيْنَ وَ قَالَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ
وَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ اَنَسٍ وَ قَالَ فِي الْكَبِيْرِ كَانَ

يَحْيٰى وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ لَا يُحَدِّثَانِ عَنْهُ وَهُوَ
ابْنُ قَيْسٍ الْبَجَلِي وَهُوَ عُثْمَانُ بْنُ اَبِي حُمَيْدِ الْكُوْفِي
وَقَالَ الْجَوْزَجَانِي عَنْ اَحْمَدَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ
وَفِيْهِ ذٰلِكَ الدَّاءُ وَقَالَ وَهُوَ عَلَى الْمَذْهَبِ
مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ وَقَالَ الْبَرْقَانِي عَنِ الدَّارِ
قُطْنِي مَتْرُوْكٌ وَقَالَ الْحَاكِمُ عَنِ الدَّارِ
قُطْنِي زَائِغٌ لَمْ يُحْتَجَّ بِهِ وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ
كُلُّهُمْ ضَعَّفَهُ وَقَالَ اَبُوْ اَحْمَدَ الْحَاكِمُ لَيْسَ
بِالْقَوِيِّ عِنْدَهُمْ وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ اخْتَلَطَ
حَتّٰى لَا يَدْرِيْ مَا يَقُوْلُ لَا يَجُوْزُ الْاِحْتِجَاجُ بِهِ
وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ رَدِيُّ الْمَذْهَبِ غَالٍ فِي التَّشَيُّعِ
يُؤْمِنُ بِالرَّجْعَةِ وَيُكْتَبُ حَدِيْثُهُ مَعَ
ضُعْفِهِ

(تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۴۵ تا ۱۴۶ حرف العین
مطبوعہ حیدرآباد دکن)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ عثمان بن قیس ضعیف الحدیث ہے۔ ابن مہدی
اس کی احادیث کو چھوڑ دیا کرتا تھا۔ ابی کا کہنا ہے۔ کہ عثمان مذکور
فتنہ میں ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے ساتھ نکلا۔ اور عمرو ابن علی نے
کہا کہ یحییٰ اور عبدالرحمن اس سے خوش نہ تھے۔ راوی نے ابن معین سے
بیان کیا۔ کہ اس کی حدیث لیس بشئی ہے۔ ابن حاتم کا کہنا ہے۔ کہ
ہمیں ابی نے بتایا۔ کہ میں نے محمد بن عبداللہ بن نمیر سے عثمان بن عمیر

کے بارے میں پوچھا۔ تو انہوں نے اسے ضعیف کہا۔ ابی سے میں
نے پوچھا۔ انہوں نے بھی اس کو ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہا۔ شعبہ
اس کو پسند کرتے تھے۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ میں عثمان کے ہاں گیا
تو اس نے شیخ سے کچھ روایات بیان کیں۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا
تمہاری اس وقت کتنی عمر ہے۔ کہنے لگا۔ کچھ ہے۔ میں نے اس کی بتلائی
ہوئی عمر سے اندازہ لگایا۔ کہ شیخ کی وفات کے وقت اس کی عمر دو سال
کی بنتی ہے۔ ابراہیم بن عمرو، ابو احمد زبیری سے بیان کرتے ہیں۔ کہ
حارث بن معین اور ابو الیقظان (عثمان بن عمیر) رجعت پر یقین رکھتے تھے۔
اور کہا گیا ہے۔ کہ یہ تشیع میں غلو کرتا تھا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ امام احمد بن حنبل
نے اس کے متعلق بیان کیا۔ کہ یہ عثمان ابن عمیر ابن عمرو ابن قیس البجلی ہے
اور اپنے باپ کے دادا کی طرف نسبت رکھتا ہے۔ امام بخاری نے اسے
اوسط میں اس فصل میں ذکر کیا۔ جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو ایک سو بیس
اور ایک سو تیس ہجری کے درمیان انتقال کر گئے۔ اور کہا۔ کہ یہ منکر الحدیث
ہے۔ اور حضرت انس سے اس کا سماع نہیں ہوا۔ امام بخاری نے الکبیر
میں لکھا ہے۔ کہ یحییٰ اور عبد الرحمن اس کی حدیث بیان نہیں کیا کرتے تھے
اور یہ شخص ابن قیس البجلی عثمان بن ابی حمید الکوفی ہے۔ جوزجانی نے امام احمد
کے حوالے سے کہا۔ کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ اور اس کو یہی صرف تھا۔ برقانی کا
کہنا ہے۔ کہ دارقطنی نے اسے متروک کیا۔ اور حاکم نے دارقطنی سے
بیان کیا۔ کہ یہ ٹیڑھا ہے اور اس کی باتیں قابل حجت نہیں۔ ابن عبدالبر
نے کہا۔ کہ تمام محدثین نے اسے ضعیف کہا۔ ابو احمد حاکم کا کہنا ہے۔ کہ یہ
شخص محدثین کرام کے نزدیک مضبوط راوی نہیں ہے۔ ابن حبان نے

کہا۔ کہ ذہنی طور پر اس میں امتیاز باقی نہیں رہا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی بات تک کو بھول جاتا تھا۔ اس سے احتجاج درست نہیں۔ ابن عدی نے ردی المذہب کہا۔ تشیع میں غالی اور رجعت کا قائل کہا۔ اور اس کی مرویات کو ضعیف ہونے کے باوجود لکھا جاتا ہے۔

خلاصہ

المستدرک کی روایت کرے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ یا والدین کریمین کا دوزخی ہونا ثابت کرنا قطعاً قابل التفات نہیں اگر روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی ملیکہ کے بیٹوں کی ماں کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی والدہ کو دوزخی کہنا اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب آپ نے اپنی والدہ کو زندہ کرنے کے بعد ایمان نہیں عطا فرمایا تھا۔ اور اگر روایت ہی صحیح نہ ہو۔ جیسا کہ ثابت کیا گیا ہے کہ حاکم کی تصحیح تنہا کافی نہیں ہوتی۔ اور یہ بات درست بھی ہوتی کیونکہ اسی روایت کا ایک راوی عثمان بن عمیر ضعیف، متروک، غالی فی التشیع، قائل رجعت ہوتے ہوئے۔ ناقابلِ حجت بھی ہے۔ اسی راوی کے ہوتے ہوئے حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا تھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرات محدثین کرام کا فیصلہ درست ہے۔ کہ حاکم کی تصحیح سے ضروری نہیں کہ واقعی حدیث صحیح ہو۔ لہٰذا ایسی روایات سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور والد گرامی کے ایمان سے انکار اور ان کے دوزخی ہونے کا اقرار کسی طرح بھی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض نمبر ۴

"آپ نے جب اپنی والدہ کے لیے استغفار کی۔ تو جبریل نے آپ کے سینہ پر ہاتھ مارا۔ اور کہا۔ مشرک کے لیے استغفار نہ کرو۔"

مسالک الحنفاء:

اِنَّهٗ اِسْتَغْفَرَ لِاُمِّهٖ فَضَرَبَ جِبْرِيْلُ فِيْ صَدْرِهٖ وَقَالَ لَا تَسْتَغْفِرْ لِمَنْ مَاتَ مُشْرِكًا

(مسالک الحنفاء ص ۳۹ مصنفہ علامہ السیوطی مطبوعہ حیدرآباد دکن)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی۔ تو جبریل نے آپ کے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا۔ اس آدمی کے لیے آپ دعائے مغفرت نہ کریں۔ جو بحالت شرک مر گیا ہو۔

جواب:

علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کا جو جواب دیا۔ وہ یہ

نقل کیا جاتا ہے۔

مسالک الحنفاء:

وَاَمَّا حَدِیْثُ اَنَّ جِبْرَئِیْلَ ضَرَبَ فِیْ صَدْرِہٖ وَقَالَ لَا تَسْتَغْفِرْ لِمَنْ مَاتَ مُشْرِکًا فَاِنَّ الْبَزَّارَ اَخْرَجَہٗ بِسَنَدٍ فِیْہِ مَنْ لَا یُعْرَفُ وَ اَمَّا حَدِیْثُ نُزُوْلِ الْاٰیَۃِ فِیْ ذَالِکَ فَضَعِیْفٌ اَیْضًا وَالثَّالِثُ فِی الصَّحِیْحِ اَنَّھَا نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ طَالِبٍ وَقَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَہٗ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَا لَمْ اُنْہَ عَنْکَ۔

(مسالک الحنفاء ص ۲۱ مطبوعہ دکن حیدر آباد)

ترجمہ: بہر حال وہ حدیث کہ جس میں مذکور ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی۔ تو جبرائیل نے آپ کے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کسی مشرک کے لیے استغفار نہ کرو۔ تو یہ حدیث بزار نے بیان کی ہے اور اس کی سند میں کچھ ایسے راوی ہیں۔ جو مجہول ہیں۔ اور اس حدیث میں موجود بات کی تائید کے لیے جو یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آیت لا تسئل عن اصحاب الجحیم نازل ہوئی۔ یہ بھی روایت بالکل ضعیف ہے۔ اور تیسری بات یہ کہ آیت مذکورہ کا شانِ نزول جو صحیح حدیث سے ثابت ہے وہ یہ کہ ابو طالب کے متعلق اتری۔ جب کہ آپ نے کہا تھا۔ کہ میں اس کے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا۔ جب تک مجھے اس سے روک نہیں دیا جاتا۔

والدہ کے لیے استغفار کے منع کی ایک توجیہہ اور اس کی تردید

سیرت حلبیہ:

اَیْ مَنْعِ الْاِسْتِغْفَارِ لَھَا اِنَّمَا یَاْتِیْ عَلَی الْقَوْلِ اِنَّ مَنْ بَدَّلَ اَوْ غَیَّرَ اَوْ عَبَدَ الْاَصْنَامَ مِنْ اَھْلِ الْفَتْرَۃِ مُعَذَّبٌ. وَھُوَ قَوْلٌ ضَعِیْفٌ مَبْنِیٌّ عَلٰی وُجُوْبِ الْاِیْمَانِ وَالتَّوْحِیْدِ بِالْعَقْلِ وَالَّذِیْ عَلَیْہِ اَکْثَرُ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ اَنَّہٗ لَا یَجِبُ ذَالِکَ اِلَّا بِاِرْسَالِ الرُّسُلِ وَمِنَ الْمُقَدَّرِ اَنَّ الْعَرَبَ لَمْ یُرْسَلْ اِلَیْھِمْ رَسُوْلٌ بَعْدَ اِسْمَاعِیْلَ وَاَنَّ اِسْمَاعِیْلَ اِنْتَھَتْ رِسَالَتُہٗ بِمَوْتِہٖ کَبَقِیَّۃِ الرُّسُلِ لِاَنَّ ثُبُوْتَ الرِّسَالَۃِ بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ خَصَائِصِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَالِہٖ وَسَلَّمَ فَعَلَیْہِ اَھْلُ الْفَتْرَۃِ مِنَ الْعَرَبِ لَا تَعْذِیْبَ عَلَیْھِمْ وَاِنْ غَیَّرُوْا اَوْ بَدَّلُوْا اَوْ عَبَدُوا الْاَصْنَامَ وَالْاَحَادِیْثُ الْوَارِدَۃُ بِتَعْذِیْبِ مَنْ ذُکِرَ اَیْ مَنْ غَیَّرَ اَوْ بَدَّلَ اَوْ عَبَدَ الْاَصْنَامَ مُؤَوَّلَۃٌ اَوْ خَرَجَتْ مَخْرَجَ الزَّجْرِ لِلْحَمْلِ عَلَی الْاِسْلَامِ

(سیرت حلبیہ جلد ۱ ص ۱۰۵ ذکر وفات آمنہ۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ

دینا اس قول کے مطابق ہے۔ کہ اہل فترت میں سے وہ لوگ جنہوں نے اپنا دین تبدیل نہیں کیا یا بتوں کی پوجا کی وہ عذاب سے نہیں چھوٹیں گے۔ تو اس سے معلوم ہوا۔ کہ ان قائلین کے نزدیک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ اگرچہ اہل فترت میں سے تھیں لیکن انہوں نے یا تو دین ابراہیمی کو تبدیل کر دیا ہوگا۔ یا پھر وہ بت پرست ہوں گی۔ تبھی ان کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ استغفار سے منع کر دینے کو اس قول پر درست سمجھنا قول ضعیف ہے۔ کیونکہ اس قول کا دارومدار اس بات پر ہے۔ کہ ایمان اور توحید کا وجوب از روئے عقل ہے۔ اور اکثر اہل سنت جماعت اس وجوب کے قائل نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کوئی رسول بھیج دیں تو پھر یہ دونوں باتیں واجب ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد عربی لوگوں کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی رسالت ان کے وصال کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ جیسا کہ بقیہ رسولوں کی رسالت کا معاملہ ہے۔ کیونکہ کسی رسول کے وصال فرمانے کے بعد اس کی رسالت کا باقی اور ثابت رہنا صرف اور صرف ہمارے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ لہٰذا اہل سنت وجماعت کے اس عقیدہ کے پیش نظر اہل عرب وہ جو اہل فترت ہوئے ان پر کسی قسم کا عذاب نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ تغیر و تبدیلِ دین کریں۔ یا بتوں کی پرستش کریں۔ یا وہ احادیث جو اہل فترت کے مذکورہ افراد کو عذاب دینے کے بارے میں آئی ہیں۔ ان کی تاویل کی گئی ہے۔ یا وہ اسلام پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے لیے بطور ڈانٹ بیان ہوئیں۔

نوٹ:

ایک اصولی بحث ہے۔ کہ ہر چیز کا اچھا بُرا ہونا کس پر موقوف ہے۔ اشاعرہ کا نظریہ ہے۔ کہ اس کا فیصلہ شریعت کرے گی یعنی ہر چیز کا حسن و قبح شرعی ہے۔ اور وہی عام بھی ہے۔ احناف کا یہ نظریہ ہے۔ کہ ہر چیز کا حسن و قبح موقوف علی الشرع نہیں بلکہ اس کا عالم عقل بھی شرع کی ہی تسلیم کرتے ہیں۔ صاحب سیرت حلبیہ اول الذکر گروہ سے متعلق ہیں۔ ان کا اہل فترت کے بارے میں یہ عقیدہ ہے۔ کہ وہ چاہے کچھ بھی کرتے رہیں۔ عذاب میں گرفتار نہیں کیئے جائیں گے۔ کیونکہ ان کے نزدیک عذاب دینے کا دارومدار انبیائے کرام کی بعثت پر موقوف ہے۔ جب اہل فترت کہلاتے ہی اس لیے کہ اُن کے پاس کوئی پیغمبر نہ آیا۔ تو پھر وہ چاہے دین ابراہیمی کو تبدیل کریں یا کوئی اور خلاف ورزی کریں۔ ان کی گرفت نہ ہوگی۔ اس لیے سیرت حلبیہ کے حوالہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا معذب ہونا ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اگر مذکورہ حوالہ کو بغور دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان حضرات کے نزدیک سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین معذب ہی نہیں۔ اور انہوں نے اپنی زندگی میں شرک بھی نہیں کیا۔ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ بلکہ والدین کریمین اشاعرہ اور احناف کے نزدیک مشرک کی بجائے موحد ہیں۔ تو پھر ان کا جنتی ہونا تمام اہل سنت کا متفق علیہ مسئلہ ہوا۔ اس لیے اس اصولی بحث کے پیش نظر صاحب سیرت حلبیہ نے اپنا نظریہ بیان کیا ہے۔

آیت نمبر ۱:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (سورہ اسراء ع ۲)

ترجمہ: ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔

تفسیر کبیر:

قَالَ الْكَعْبِيُّ إِنَّ سَائِرَ الْآيَاتِ دَلَّتْ عَلَى أَنَّهُ تَعَالٰى
لَا يَبْتَدِئُ بِالتَّعْذِيْبِ وَالْإِهْلَاكِ لِقَوْلِهِ (إِنَّ اللهَ
لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ)
وَقَوْلِهِ (مَا يَفْعَلُ اللهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْ
تُمْ وَآمَنْتُمْ) وَقَوْلِهِ (وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى
إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُوْنَ) فَكُلُّ هٰذِهِ الْآيَاتِ تَدُلُّ
عَلَى أَنَّهُ تَعَالٰى لَا يَبْتَدِئُ بِالْإِضْرَارِ وَأَيْضًا
مَا قَبْلَ هٰذِهِ الْآيَةِ يَدُلُّ عَلَى هٰذَا الْمَعْنٰى
وَهُوَ قَوْلُهُ (مَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهِ
وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا. وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ

وِزْرَ اُخْرٰی) وَمِنَ الْمُحَالِ اَنْ یَقع بَیْنَ اٰیَاتِ الْقُرْاٰنِ تَنَاقُضٌ فَثَبَتَ اَنَّ الْاٰیَاتِ الَّتِیْ تَلَوْنَاهَا مُحْکَمَۃٌ وَکَذَا الْاٰیَۃُ الَّتِیْ نَحْنُ فِیْ تَفْسِیْرِهَا فَیَجِبُ حَمْلُ هٰذِهِ الْاٰیَۃِ عَلٰی تِلْکَ الْاٰیَاتِ هٰذَا مَا قَالَهُ الْکَعْبِیْ۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۹ ص ۱۷۵ تا ۱۷۶ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: امام کعبی نے کہا ہے۔ کہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ابتداءً نہ تو عذاب دے گا۔ اور نہ ہی ہلاک کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ”بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو دی گئی نعمت سے محروم نہیں کرتا جب تک وہ خود اس کی تبدیلی کے اسباب پیدا نہ کرے“ اور اللہ تعالیٰ کا قول ”نہیں اللہ تعالیٰ عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم اس کے شکر گزار رہو اور اس پر ایمان لانے والے بنے رہو۔ اور قول باری تعالیٰ ”ہم کسی بستی کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے نہیں ہاں اگر اس کے رہنے والے ظالم ہو جائیں تو پھر ہلاکت ہو سکتی ہے“۔ تو یہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً کسی کو تکلیف اور پریشانی میں مبتلا نہیں کرتا۔ اور یہی کہ اس آیت کریمہ سے ماقبل آیات بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں ”جو ہدایت پا گیا اس نے اپنے نفع کے لیے ہدایت پائی۔ اور جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی کا وبال اس پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا“ اور یہ محال ہے۔ کہ قرآن کریم کی آیات ایک دوسرے کی متناقض ہوں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جو آیات ہم نے ذکر کیں وہ محکم ہیں۔ اور اسی طرح وہ آیت جس کی تفسیر ہم کر رہے ہیں۔ وہ بھی محکم ہے۔ لہٰذا اس آیت

زیر تفسیر کو اُن آیات پر محمول کرنا چاہیئے۔ یہ ہے امام کعبی کا قول۔

مسالک الحنفاء۔

وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا، هِيَ الَّتِيْ اَطْبَقَتْ اَئِمَّةُ السُّنَّةِ عَلَى الْاِسْتِدْلَالِ بِهَا فِيْ اَنَّهُ لَا تَعْذِيْبَ قَبْلَ الْبِعْثَةِ وَرَدُّوْا بِهَا عَلَى الْمُعْتَزِلَةِ وَمَنْ وَافَقَهُمْ فِيْ تَحْكِيْمِ الْعَقْلِ اَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ فِيْ تَفْسِيْرِهِمَا عَنْ قَتَادَةَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِمُعَذِّبٍ اَحَدًا حَتّٰى يَسْبِقَ اِلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ خَبَرٌ اَوْ يَاْتِيَهُ مِنَ اللّٰهِ بَيِّنَةٌ۔

(مسالک الحنفاء ص ۳۔ ۴ مطبوعہ حیدر آباد)

ترجمہ: اور یہ آیت کریمہ "و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" ان آیات میں سے ایک ہے۔ جن کے بارے میں تمام ائمہ اہل سنت کا اتفاق ہے۔ کہ بعثت سے قبل کسی کو عذاب نہیں ہوگا۔ اس عقیدہ پر جن سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور ان آیات میں سے ایک ہے جن کو معتزلہ کے نظریہ کے رد میں پیش کرتے ہیں۔ وہ نظریہ یہ کہ عقل حاکم ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ سے بیان کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ و ما کنا معذبین کی تفسیر یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی عذاب نہیں دے گا۔ جب تک اس کے پاس کوئی خبر نہیں آجاتی۔ یا اللہ کی طرف سے کوئی نشانی نہیں آجاتی۔

توضیح:

علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ تحقیق سے ثابت ہوا کہ جو شخص اہل فترت کے بارے میں جہنمی ہونے کا قول کرتا ہے۔ وہ اہل سنت میں سے نہیں ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اسے کوئی نشانی نہیں مل جاتی۔ علاوہ ازیں امام رازی نے امام کعبی کی تفسیر سے بھی یہی ثابت کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ابتداءً ظلم نہیں فرماتا۔ ہاں اگر وہ ظالم ہوں یا دعوت اسلام کا انکار کریں۔ تو علیحدہ بات ہے۔ ایسی مضمون والی آیات میں چونکہ تناقص ہے اس لیے ثابت ہوا۔ کہ اہل فترت کو قرآن کریم احادیث مقدسہ اور جمہور اہل سنت کے نزدیک عذاب نہیں ہوگا۔

آیت نمبر (۲):

ذَالِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غَافِلُوْنَ۔ (الانعام پ آیت ۱۳۱)

ترجمہ: یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ بے خبر ہوں۔

تفسیر قرطبی:

اِنَّمَا فَعَلْنَا هٰذَا بِهِمْ لِاَنِّيْ لَمْ اَكُنْ اَهْلِكُ الْقُرٰى بِظُلْمِهِمْ اَيْ بِشِرْكِهِمْ قَبْلَ اِرْسَالِ الرُّسُلِ اِلَيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّ نَذِيْرٍ وَقِيْلَ لَمْ اَكُنْ اَهْلِكُ الْقُرٰى بِشِرْكِ مَنْ اَشْرَكَ مِنْهُمْ۔

(تفسیر طبری جلد ۸ ص ۸۷)

ہم نے جو ان بستیوں کے ساتھ عذاب نہ دینے کا سلوک کیا۔ یہ اس لیے کہ میرا
قاعدہ ہے کہ میں کسی بستی کے رہنے والوں کو اُن کے ظلم و شرک کی وجہ
سے ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک اُن کے پاس کوئی رسول نہ بھیج دوں
کیونکہ اس طرح عذاب دینے کے بارے میں وہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ
ہمارے پاس کوئی ڈرانے اور خوش خبری دینے والا نہیں آیا اور اس
کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ کسی بستی کو میں ان لوگوں کی وجہ سے
جو اس میں شرک کرتے ہیں۔ ہلاک نہیں کرتا۔

تفسیر ابن کثیر:

يَقُوْلُ تَعَالٰى (ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ
الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ) اَىْ اِنَّمَا
اَعْذَرْنَا اِلَى الثَّقَلَيْنِ بِاِرْسَالِ الرُّسُلِ
وَاِنْزَالِ الْكُتُبِ لِئَلَّا يُؤَاخَذَ اَحَدًا
بِظُلْمِهٖ وَهُوَ لَمْ تَبْلُغْهُ دَعْوَةٌ وَلٰكِنْ
اَعْذَرْنَا اِلَى الْاُمَمِ وَمَا عَذَّبْنَا اَحَدًا اِلَّا
بَعْدَ اِرْسَالِ الرُّسُلِ اِلَيْهِمْ كَمَا قَالَ تَعَالٰى
(وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ) وَقَالَ
تَعَالٰى (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا
اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ) وَكَقَوْلِهٖ
(وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا)
وَقَالَ تَعَالٰى (كُلَّمَا اُلْقِىَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ
خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيْرٌ، قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا

نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا)، وَالْاٰيَاتُ فِيْ هٰذَا كَثِيْرَةٌ
قَالَ امام ابوجعفر بن جرير وَ يَحْتَمِلُ
قَوْلُهٗ تَعَالٰى بِظُلْمٍ وَجْهَيْنِ (اَحَدُهُمَا) ذَالِكَ،
مِنْ اَجْلِ (اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ)
اَهْلُهَا بِالشِّرْكِ وَ نَحْوِهٖ (وَهُمْ غَافِلُوْنَ) يَقُوْلُ
اَنْ لَّمْ يَكُنْ يُّعَاجِلُكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ حَتّٰى يَبْعَثَ
اِلَيْهِمْ رُسُلًا يُّنَبِّهُهُمْ عَلٰى حُجَجِ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ
وَيُنْذِرُهُمْ عَذَابَ اللّٰهِ يَوْمَ مَعَادِهِمْ وَلَمْ
يَكُنْ بِالَّذِيْ يَاْخُذُهُمْ غَفْلَةً فَيَقُوْلُوْا
مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ (وَالْوَجْهُ الثَّانِيْ) (ذَالِكَ
اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ) يَقُوْلُ
لَمْ يَكُنْ رَّبُّكَ لِيُهْلِكَهُمْ دُوْنَ التَّنْبِيْهِ وَالتَّذْكِيْرِ
بِالرُّسُلِ وَالْاٰيَاتِ وَالْعِبَرِ فَيَظْلِمُهُمْ بِذَالِكَ وَاللّٰهُ
غَيْرُ ظَلَّامٍ لِّعَبِيْدِهٖ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۱۷۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذالک ان لم یکن ربک الخ۔ یعنی ہم نے جن وانس کی طرف اپنے رسول اور کتابیں بھیج کر حجت تمام کر دی۔ یہ اس لیے تاکہ کسی کا مواخذہ ازروئے ظلم نہ بن جائے۔ جبکہ اس کے پاس دعوت اسلام نہ پہنچی ہو۔ اور ہم نے گزشتہ امتوں کے لیے بھی حجت تمام کر دی۔ ہم نے ان میں سے کسی کو بھی بغیر رسول کے بھیجنے کے عذاب نہیں دیا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہر بستی میں کوئی نہ

کوئی خوش خبری دینے والا آیا۔ ایک اور قول باری تعالیٰ ہے۔ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجا۔ جس نے انہیں کہا۔ اللہ کی عبادت کرو۔ اور طاغوت سے بچو۔ ایک اور قول خداوندی ہے۔ ہم رسول کے بھیجے بغیر کسی کو عذاب دینے والے نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ جب دوزخ میں کسی جماعت کو ڈالا جائے گا۔ تو دوزخ پر مقرر کیے گئے فرشتے اُن سے پوچھیں گے۔ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے۔ یقیناً ڈرانے والا آیا تھا۔ لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا تھا۔ اس بارے میں بہت سی آیات ہیں۔

ابن جریر نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا بِظُلْمٍ فرمانا دو احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی بستی کو اس کے ظلم و شرک کی بنا پر ہلاک نہیں کرتا۔ اور فرماتا ہے۔ کہ میں ان لوگوں کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ عذاب سے پہلے ان کے پاس اپنے رسول بھیجتا ہوں۔ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی حجتوں پر مطلع کرتے ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ انہیں بے خبری اور غفلت میں عذاب دیتا ہے۔ تاکہ وہ یہ بہانا پیش کر دیں کہ ہمارے پاس کوئی بشیر نہیں آیا۔ دوسرا احتمال یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ میں کسی بستی والوں کو تنبیہ، تذکیر اور عبرت دیئے بغیر ہلاک نہیں کرتا۔ کیونکہ اس طرح کرنا دراصل اُن پر ظلم کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم روا نہیں رکھتا۔

توضیح:

مذکورہ آیت کی تفسیر و تشریح میں دو مشہور مفسرین کرام کی عبارت ہم نے نقل

کی ہے۔ ان میں علامہ قرطبی تو اس نظریہ کے قائل ہیں۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین موحد اور جنتی ہیں۔ دوسرے مفسر جناب اسماعیل ابن کثیر ہیں۔ جو اس سے مختلف نظریہ کے قائل ہیں۔ ابن تیمیہ اس سلسلہ میں ابن کثیر کا پیش رو ہے۔ بہرحال آیت مذکورہ میں علامہ قرطبی کی تفسیر اور ابن کثیر کی تفسیر میں کوئی خاص فرق نہیں۔

دونوں نے یہی کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب میں گرفتار نہیں کرتا۔ جب تک۔ اس قوم کے پاس کوئی اس کا پیغام پہنچانے والا نہیں بھیج دیتا یہ اس لیے تاکہ اس قوم کے پاس اپنے کفر و شرک کا عذر باقی نہ رہے۔ اسی بات کی تائید اور تصدیق میں ابن کثیر نے چند اور آیات قرآنیہ بھی پیش کی ہیں۔ آیت کریمہ میں "ظلم" کے بارے میں یہ دو توجیہیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی نسبت قوم کی طرف اور دوسری یہ کہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف۔ تو مطلب یہ ہوا۔ کہ نہ تو اللہ تعالیٰ ظلماً کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے۔ اور نہ ہی کسی قوم کے محض ظلم کو دیکھ کر اس پر عذاب اترتا ہے۔ ہاں اگر انبیائے کرام میں سے کوئی اس قوم کے پاس آگیا۔ اور اس قوم نے اس پیغمبر کی باتوں پر دھیان نہ دھرا۔ تو پھر ان کا ظلم ناقابل معافی ہے اب اسی آیت کریمہ کے مضمون کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین پر چسپاں کریں۔ تو دونوں احتمال موجود ہیں۔ یعنی یہ کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر تشریف نہیں لائے۔ کیونکہ دونوں کا وصال زمانۂ فترت میں ہو چکا تھا۔ اب اگر بعثت پیغمبر کے بغیر انہیں معذب ثابت کیا جائے۔ تو پھر ان پر اللہ تعالیٰ نے (معاذ اللہ) ظلم کیا۔ اور ان کا عذر دور کرنے کے لیے کوئی سامان نہ کیا۔ یا اس وقت جب کہ آپ کے والدین کریمین سے ایسے افعال کا صدور ثابت ہو۔ جو وجہ تعذیب بن سکیں۔ اور اگر ایسے افعال کا صدور ثابت کرنا ناممکن ہو۔ تو پھر دوہرا ظلم ہوگا۔ ایک یہ کہ ان کی طرف کوئی پیغام پہنچانے والا بھی نہ بھیجا۔ اور دوسرا انہوں نے کوئی ایسا کام بھی کیا جو باعث

تذیب ہو سکتا۔ اور اگر یہ ثابت ہو سکے۔ کہ ان دونوں سے "ظلم" کا صدور ہوا تھا۔ تو پھر بھی ان کے معذب ہونے کی آیت مذکورہ نفی کرتی ہے۔ لہذا ابن کثیر وغیرہ ان آیات کے وسیع مفہوم کو اگر پیش نظر رکھتے۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں جہنمی ہونے کا قول نہ کرتے۔ آیت مذکورہ کی نص صریح کی مخالفت کے ساتھ ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا ہی خیال کر لیتے۔ تو بھی ایسا قول نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

آیت نمبر (۳)

وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَى۔

(پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۳۴)

ترجمہ: اور اگر ہم انہیں کسی رسول کے آنے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا۔ تاکہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے؟

آیت مذکورہ بھی اسی مضمون کو بیان کر رہی ہے۔ جو گزشتہ اوراق میں مذکور ہو چکا۔ یعنی یہ کہ کسی قوم کو یونہی عذاب میں گرفتار کرنا ایک غیر معقول اور غیر منصفانہ طریقہ ہے۔ کیونکہ اس بارے میں اُن کا یہ عذر معقول ہے۔ کہ ہمیں کوئی سمجھانے بتانے والا ہی نہیں آیا۔ لہذا اس عذر کے پیش نظر کسی کو بعثت پیغمبر کے بغیر اس کے جرموں کی سزا نہیں ہوگی۔

صفوۃ التفاسیر:

(وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ) اَیْ لَوْ اَهْلَكْنَا كُفَّارَ مَكَّةَ مِنْ قَبْلِ نُزُوْلِ الْقُرْاٰنِ وَبِعْثَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا، اَیْ لَقَالُوْا يَا رَبَّنَا هَلَّا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا حَتّٰى نُؤْمِنَ بِهٖ وَنَتَّبِعَهٗ (فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى) اَیْ فَنَتَمَسَّكَ بِاٰيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ بِالْعَذَابِ وَنَفْتَضِحَ عَلٰى رُءُوْسِ الْاَشْهَادِ قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ اَرَادَ تَعَالٰى اَنْ يُّبَيِّنَ اَنَّهٗ لَا حُجَّةَ لِاَحَدٍ عَلَى اللّٰهِ بَعْدَ اِرْسَالِ الرُّسُلِ وَاِنْزَالِ الْكُتُبِ فَلَمْ يَتْرُكْ لَهُمْ حُجَّةً وَّلَا عُذْرًا۔

(تفسیر صفوۃ التفاسیر جلد دوم ص ۲۵۲)

ترجمہ: ولو انا اھلکناھم الخ یعنی ہم اگر مکہ کے کافروں کو قرآن کریم کے اتارنے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ سے قبل ہلاک کر دیتے۔ تو وہ کہتے۔ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم اس پر ایمان لاتے اور اس کی پیروی کرتے۔ ہم تیری آیات سے تمسک کرتے۔ یہ سب کچھ ہم عذاب چکھنے سے پہلے اور محشر میں سرعام رسوا ہونے سے قبل کر لیتے۔ مفسرین نے کہا ہے۔ کہ اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ جب کسی کی طرف کوئی رسول بھیج دیا جاتا ہے

اور کوئی آسمانی کتاب اتاری جاتی ہے۔ تو اس کے بعد اُس آدمی کے پاس عذاب و رسوائی سے بچنے کا نہ کوئی عذر مسموع ہوگا۔ اور نہ ہی کوئی حجت باقی رہے گی۔

توضیح:

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کے جس قانون قدرت کی طرف مفسرین کرام نے متوجہ کیا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب میں اس وقت مبتلا کرتا ہے۔ جب اس کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو۔ اور وہ عذر خود اللہ تعالیٰ نے دوسری آیات میں بیان فرمایا۔ ایک یہ کہ وہ کہے میرے پاس کوئی پیغمبر نہیں آیا۔ جو مجھے تیرے احکام بتاتا لہذا میں بے قصور ہوں۔ دوسرا یہ کہ کسی اور طریقہ سے اُس کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچتے۔ اور پھر وہ ان کو نہ مانتا۔ آیت مذکورہ میں (کفار) کے عدم اہلاک کا تذکرہ ہے اور وہ جو دو کافر، بھی نہ ہو۔ جس کا کفر ثابت نہ ہو سکے۔ تو اس کے لیے یہ عذر قابل قبول نہ ہوں گے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین نے پوری زندگی کسی اللہ کے رسول کی تبلیغ کا زمانہ نہ پایا۔ اور نہ ہی کوئی کتاب ان کو احکام الٰہی بیان کرتی تھی۔ اس لیے اول تو ان کا کفر ثابت کرنا ہی دلیل کا طالب ہے۔ اور اگر ثابت ہو بھی جائے۔ تو پھر بھی انہیں عذاب دیا جانا اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہے لہذا یہ آیت بھی من جملہ اُن آیات میں سے ایک ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے غیر معذب ہونے کو ثابت کرتی ہے۔ جب وہ غیر معذب ہیں تو پھر جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہوئے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

آیت نمبر (۴):

وَ لَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ

اَیْدِیْہِمْ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ وَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

(سورۃ قصص پارہ ۲۰ آیت ۴۷)

ترجمہ: اور اگر نہ ہوتا کہ کبھی پہنچتی انہیں کوئی مصیبت ان کے سبب جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو کہتے اسے میرے رب تو نے کیوں نہ بھیجا۔ ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان لاتے۔

تفسیر ابن کثیر: (الآیۃ)

اَیْ وَاَرْسَلْنٰکَ اِلَیْہِمْ لِتُقِیْمَ عَلَیْہِمُ الْحُجَّۃَ وَلِیَنْقَطِعَ عُذْرُہُمْ اِذَا جَآءَ ہُمْ عَذَابٌ مِّنَ اللّٰہِ بِکُفْرِہِمْ فَیَحْتَجُّوْا بِاَنَّہُمْ لَمْ یَاْتِہِمْ رَسُوْلٌ وَّلَا نَذِیْرًا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد سوم ص ۳۹۲ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: یعنی ہم نے آپ کو ان کی طرف اس لیے بھیجا۔ تاکہ اُن پر حجت قائم ہو جائے۔ اور اُن کا عذر ختم ہو جائے۔ کیونکہ جب اُن کے پاس اُن کے عذاب کی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا۔ تو وہ یہ بہانا پیش کر سکتے ہیں۔ کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی رسول آیا۔ اور نہ ہی کوئی ڈرانے والا۔

توضیح:

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنا ایک قانون ذکر کر رہا ہے۔ وہ یہ کہ ہم کسی کو

بلا وجہ عذاب نہیں دیا کرتے۔ اور دیا نہیں ہوگا۔ کہ کسی صاحبِ عذر کو ظلماً ہم سزا دیں اسی لیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو اِن لوگوں کی طرف بھیجا۔ تاکہ کل سزا پاتے وقت ان کا یہ بہانہ نہ ہو سکے۔ کہ ہمارے پاس کوئی رسول و نذیر نہیں آیا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو اگر بقول شخصے اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈالتا ہے تو پھر اس کا قانون کہاں ہوگا۔ وہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اے اللہ! ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا۔ لہٰذا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو جہنمی کہتے ہیں۔ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کو اس کے اپنے قانون کا مخالف کہتے ہیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

آیت نمبر (۵):

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ۔

(پ۲۰ سورۃ القصص آیت ۵۹)

ترجمہ: اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے اصل مرجع میں رسول نہ بھیجے۔ جو اُن پر ہماری آیتیں پڑھے۔ اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے مگر جب کہ ان کے ساکن ستمگار ہوں۔

تفسیر صفوۃ التفاسیر:

(وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى) اَیْ مَا جَرَتْ عَادَۃُ اللّٰہِ جَلَّ شَانُہٗ اَنْ یُّھْلِکَ اَھْلَ الْقُرٰی الْکَافِرَۃ (حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا) اَیْ حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْ اَصْلِھَا

عَاصِمَتِهَا رَسُوْلاً يُبَلِّغُهُمْ رِسَالَةَ اللّٰهِ لِقَطْعِ الْحُجَجِ وَالْمَعَاذِيْرِ (وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ) اَىْ وَمَا كُنَّا فَنُهْلِكَ الْقُرٰى اِلَّا وَقَدِ اسْتَحَقَّ اَهْلُهَا الْاِهْلَاكَ لِاِصْرَارِهِمْ عَلَى الْكُفْرِ بَعْدَ الْاِعْذَارِ اِلَيْهِمْ بِبِعْثَةِ الْمُرْسَلِيْنَ قَالَ الْقُرْطُبِيُّ اَخْبَرَ تَعَالٰى اَنَّهُ لَا يُهْلِكُهُمْ اِلَّا اِذَا اسْتَحَقُّوا الْهَلَاكَ بِظُلْمِهِمْ وَفِيْ هٰذَا بَيَانٌ لِعَدْلِهِ وَتَقَدُّسِهِ عَنِ الظُّلْمِ وَهَلَاكِهِمْ مَعَ كَوْنِهِمْ ظَالِمِيْنَ اِلَّا بَعْدَ تَاكِيْدِ الْحُجَّةِ وَالْاِلْزَامِ بِبِعْثَةِ الرُّسُلِ۔

(تفسیر صفوۃ التفاسیر جلد دوم ص ۴۴۳ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: اللہ جل شانہ کی یہ عادت کریمہ جاری وساری نہیں کہ کسی بستی کے کفار کو ہلاک کر دے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس کوئی رسول نہ بھیج دے۔ جو انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائے۔ یہ اس لیے تاکہ ان کفار کے تمام عذر اور حیلے بہانے ختم ہو جائیں۔ اور کسی بستی کے رہنے والوں کو اس وقت تک ہلاک کرنے والے نہیں جب تک وہ کفر پر اصرار کرنے کی وجہ سے ہلاکت کے حق دار نہیں ہو جاتے اور کفر پر اصرار بھی ہماری طرف سے بھیجے گئے رسولوں کی پیغام رسانی کے بعد واقع ہو۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں۔ کہ ان آیات کریمہ سے اللہ تعالیٰ نے

یہ بتایا ہے۔ کہ وہ کفار کو صرف اسی صورت میں ہلاک کرتا ہے۔ جب وہ ہلاکت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ان کے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کا ظلم کرنے سے پاک ہونا بیان ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی کہ جب تک اللہ تعالیٰ اُن پر اپنے پیغمبر مبعوث فرما کر اتمام حجت نہیں کر لیتا۔ اس وقت تک اُن کو ہلاک نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔

آیت نمبر ۶:

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

(پ۱۹۔ سورۃ الشعراء آیت ۲۰۸-۲۰۹)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہ کی جسے ڈر سنانے والے نہ ہوں۔ نصیحت کے لیے اور ہم ظلم نہیں کرتے۔

صفوۃ التفاسیر:

اَیْ اِلَّا مَا اَلْزَمْنَاهُمُ الْحُجَّةَ بِاِرْسَالِ الرُّسُلِ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ اَیْ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ فِیْ تَعْذِيْبِهِمْ لِاَنَّنَا اَقَمْنَا الْحُجَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَعْذَرْنَا۔

(تفسیر صفوۃ التفاسیر جلد دوم ص۳۹۶ مطبوعہ بیروت جدید)

ترجمہ: یعنی جب تک ہم اپنی طرف سے اُن کی طرف رسولانِ کرام بھیج کر حجت تمام نہیں کر لیتے۔ جو انہیں خوش خبری دینے والے

اور ڈرانے والے ہوتے ہیں۔ اس وقت اُن پر ہلاکت کا حکم نہیں دیتے اور جب انہیں ہلاک کر دیتے ہیں۔ تو ہمارا یہ فعل ظالمانہ فعل نہیں کیونکہ ہم نے ان کے لیے کوئی عذر نہ چھوڑا اور نہ ہی کوئی حجت بازی کا موقع رہنے دیا۔

توضیح:

کسی قوم کو ارسالِ پیغمبر کے بغیر تباہ و برباد کرنا، ظلم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز ظلم نہیں کرتا۔ لہٰذا بعثتِ انبیاء کے بعد بھی اگر کوئی کفر و ظلم پر ڈٹا رہتا ہے۔ تو اب اُسے گرفتارِ ہلاکت کرنا عدل و انصاف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اُن ہلاک ہونے والوں کے پاس کوئی معقول عذر نہیں۔ اور نہ ہی کوئی اپنے کفر کی وجہ جواز۔

آیت نمبر۲:

وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ۔

(پ۲۲ سورۃ الفاطر آیت ۳۷)

ترجمہ: اور وہ اس میں چلاتے ہوں گے۔ اے ہمارے رب ہمیں نکال کر ہم اچھا کام کریں اس کے خلاف جو پہلے کرتے تھے۔ اور کہا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی۔ جس میں سمجھ لیتا جسے سمجھنا ہوتا۔ اور ڈر سنانے والا تمہارے پاس تشریف لایا تھا۔ اور اب چکھو کر

ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے چلاتے دوزخیوں کی ایک تمنا کے جواب میں فرمایا۔ کہ کیا تمہیں اتنی عمر نہ دی تھی۔ کہ اس میں سمجھنے والا سمجھ جاتا۔ اور کیا تمہارے پاس ڈرانے والا رسول تشریف نہ لایا تھا؟ یعنی جب یہ دونوں اسباب ہدایت تمہیں دنیا میں دے گئے تھے۔ تو پھر تم کفر و شرک پر کیوں ڈٹے رہے؟ تمہارے اس اصرار کا کوئی بہانہ یا عذر ہو تو پیش کرو۔ لہٰذا ان اسباب ہدایت کے بعد تمہارا روگردانی کرنا یہاں دوزخ میں آنے کا سبب بنا۔ جس سے چھٹکارا ناممکن۔ جہاں تک دوسری بات یعنی کسی ڈرانے والے کے تشریف لانا کا تعلق ہے۔ ہم نے مختلف آیات سے اس کی وضاحت پیش کر دی ہے رہا "عمر عطا کرنے کا معاملہ" تو اس بارے میں یہ بات تو بالکل واضح ہے۔ اس عمر سے مراد سوجھ بوجھ والی عمر ہو گی۔ جس کی ابتداء بلوغ سے ہوتی ہے۔ لیکن بلوغ کے شروع ہوتے ہی آدمی ہر معاملہ کو نہیں جان جاتا۔ اُسے مزید کچھ عرصہ چاہیئے اس لیے مفسرین کرام نے اگرچہ ۱۸ سال کی عمر بھی بیان کی ہے۔ مگر ترجیح ساٹھ سال کی عمر کو دی گئی۔ اس بارے میں ہم "ابن کثیر" کا حوالہ نقل کرتے ہیں۔ جو زیر بحث مسئلہ میں ایک اہم شخصیت ہے۔ چنانچہ اسی آیت کریمہ کے تحت وہ رقمطراز ہیں۔

تفسیر ابن کثیر:

عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ الْعُمْرُ الَّذِیْ أَعْذَرَ اللّٰهُ فِیْهِ لِابْنِ اٰدَمَ فِیْ قَوْلِهٖ (اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ مَا یَتَذَکَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَکَّرَ) سِتُّوْنَ

سَنَةً فَهٰذِهِ الرِّوَايَةُ اَصَحُّ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ
رضی اللہ عنہما وَهِيَ الصَّحِيْحَةُ فِيْ نَفْسِ الْاَمْرِ
.........عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ اِنَّهٗ قَالَ
الْعُمْرُ الَّذِيْ عَيَّرَ اللّٰهُ فِيْ قَوْلِهٖ (اَوَلَمْ
نعمركم ما يتذكر فيه من تذكر)
سِتُّوْنَ سَنَةً.........عن ابن عباس رضی
اللہ عنہما اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ
اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ قِيْلَ اَيْنَ اَبْنَاءُ السِّتِّيْنَ
.........عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النَّبِيِّ
صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ قَالَ لَقَدْ اَعْذَرَ اللّٰهُ
اِلٰى عَبْدٍ اَحْيَاهُ حَتّٰى بَلَغَ سِتِّيْنَ اَوْ سَبْعِيْنَ
سَنَةً لَقَدْ اَعْذَرَ اللّٰهُ تعالیٰ اِلَيْهِ لَقَدْ اعذر اللہ
تعالی الیہ۔ وَهٰكَذَا رواہ البخاری فی کتاب
الرِّقَاقِ من صحیحہ حدثنا عبد السلام
بن مُطہر عن عمر بن علی عن معن بن محمد
الغفاری عن سعید المقبری عن ابی ہریرۃ
رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اَعْذَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى امْرِئٍ اَخَّرَ
عُمْرَهٗ حَتّٰى بَلَغَ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ قَالَ
البخاری تابعہ ابو حازم وابن عجلان
عن سعید المقبری عن ابی ہریرہ عن النبی

فاما ابو حازم فقال ابن جن بر حدثنا ابو

صالح الغفاری حدثنا محمد بن سواد

اخبرنا یعقوب بن عبد الرحمن عن

عبد الغفار الاسکندری حدثنا ابو حازم

عن سعید المقبری عن ابي هريرة قال قال

رسول الله مَن عَمَّرَهُ الله تعالى سِتِّينَ سَنَةً

فَقَدْ اَعْذَرَ اِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ وقد رواه

الامام احمد والنسائی فی الرقاق جمیعا عن

قتیبه عن یعقوب بن عبد الرحمن به ورواه

البزار قال حدثنا هشام بن یونس حدثنا

عبد العزیز بن ابي حازم عن ابیه عن

سعید المقبری عن ابي هريرة عَنِ النَّبِيِّ

قَالَ الْعُمُرُ الَّذِیْ اَعْذَرَ اللهُ فِيْهِ اِلَى ابْنِ

ادم سِتُّوْنَ سَنَةً یعنی (اولم نعمرکم ما یتذکر

فیه من تذکر) واما متابعة ابن عجلان

فقال ابن ابي حاتم حدثنا ابو السفیر یحیی

بن محمد بن عبد الملک بن قرعه بسامرا

حدثنا ابو عبد الرحمن المقبری حدثنا

سعید بن ابي ایوب حدثنا محمد بن عجلان

فقال ابن ابي حاتم حدثنا ابو السفیر

سِتُّوْنَ سَنَةً فَقَدْ اَعْذَرَ اللهُ

عز و جل الیہ فی العمر و کذا رواہ الامام احمد عن ابی عبد الرحمٰن المقری به و رواہ احمد ایضاً عن خلف عن ابی معشر عن ابی سعید المنبری (طریق اخری) عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ قال ابن جریر حدثنی احمد بن فرج ابو عتیه الحمصی حدثنا بقیة ابن الولید حدثنا المطرف بن الکنانی حدثنی معمر بن راشد قال سمعت محمد بن عبد الرحمٰن الغفاری یقول سمعت ابا هریرة رضی اللہ عنہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لَقَدْ اَعْذَرَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِی الْعُمْرِ اِلٰی صَاحِبِ السِّتِّیْنَ سَنَةً وَالسَّبْعِیْنَ ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۵۸-۵۵۹)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جناب مجاہد بیان کرتے ہیں کہ وہ عمر کہ جس میں اللہ تعالیٰ اولاد آدم کا عذر قبول نہ کرے گا۔ اور جس کا تذکرہ اس نے روایت اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ الخ میں فرمایا۔ ساٹھ سال ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کے اعتبار سے یہ روایت صحیح ترین ہے۔ اور نفس الامر میں بھی یہی صحیح ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آیت مذکورہ میں مذکور

عمر سے مراد ساٹھ برس ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن پکارا جائے گا۔ کہاں ہیں ساٹھ برس والے لوگ؟

ابو ہریرۃ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بندے کو اللہ تعالیٰ ساٹھ یا ستر برس کی عمر عطا کر دے۔ وہ عذر نہ پیش کر سکے گا۔

امام بخاری نے کتاب الرقاق میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس کو ستر سال کی عمر عطا ہوئی۔ وہ غیر معذور ہو گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ سال کی عمر والے کو اللہ کے حضور غیر معذور فرمایا

اسی مضمون کی روایت مختلف اسناد سے مختلف محدثین کرام نے نقل فرمائی ہے

الغرض یہ ہمارے سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ وہ جہنمی ہیں۔ قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے حوالے سے اُن کا قول قطعًا قابل قبول نہیں۔ کیونکہ نص صریح کے ساتھ اس آیت میں مذکور ہے۔ کہ جب تک کسی کے پاس کوئی نذیر نہیں آتا۔ اور پھر وہ کفر و شرک پر اصرار کرے۔ اس وقت تک۔ وہ عذاب کا مستحق نہیں۔ آپ کے والدین کریمین جس زمانہ میں آئے۔ اور تشریف لے گئے۔ اس میں کوئی بھی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا۔ جیسا کہ اس کی تحقیق ہم کر چکے ہیں۔ لہٰذا آیت ہٰذا کی اس نص صریح کے مقابلہ میں ان لوگوں کے قول کی کوئی وقعت نہیں ہو گی۔ اور نہ ہی اس سے سرکار دو عالم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا دوزخی ہونا ثابت ہو گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

شائقینِ حدیث کیلئے خوشخبری

کشف المغطاء شرح الموطاء

(المعروف موطا امام محمد کی شرح کبیر)

فقہ حنفی کے بانی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگردِ جلیل، محدث یگانہ حضرت امام شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف مسمّٰی "موطا امام محمد" احادیث نبویہ کا انمول ذخیرہ اس کی کوئی شرح بازار میں دستیاب نہیں۔ صرف ایک حاشیہ مولوی عبدالحی فرنگی محل کا ہے محشی اگرچہ بظاہر حنفی تھا لیکن حاشیہ میں اس نے جگہ جگہ مسلک امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تردید کی۔ لہٰذا فائدہ کی بجائے اس نے مسلک احناف کو نقصان پہنچایا۔ "موطا امام محمدؒ" کی اردو میں ایک تازہ شرح مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے کی جس نے غیر تقلیدی ذہن کے پیش نظر مسلک حنفی کو خلافِ کتاب وسنت قرار دینے کی کوشش کی۔ اور بہت سے مقامات پر صاحب کتاب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مخالفِ قرآن وحدیث ثابت کیا گیا۔ ان حالات میں ضرورت تھی کہ کوئی حنفی المسلک عالم موطا امام محمدؒ کی شرح لکھتا۔ اور مسلک احناف کی جزئیات کے ماخذ ذکر کرتا۔ تاکہ معلوم ہو جاتا کہ مسلک احناف صرف عقل و قیاس پر موقوف نہیں ہے۔ جیسا کہ الزام دیا جاتا ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث اس کا ماخذ ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے راقم کو توفیق بخشی۔ فقیر نے اس شرح میں مسلک احناف پر قرآن وحدیث سے ماخذ پیش کرنے کی کوشش کی ہے علاوہ ازیں مختلف فیہ عقائد کا ضمناً تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ شرح انشاء اللہ علماء طلباء اور مدرسین کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ (قارئین کرام سے التجا ہے کہ مصنف کیلئے دعائے مغفرت بخشش

باب دوم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور جملہ آباء و اجداد کے مومن و موحد ہونے پر دلائل
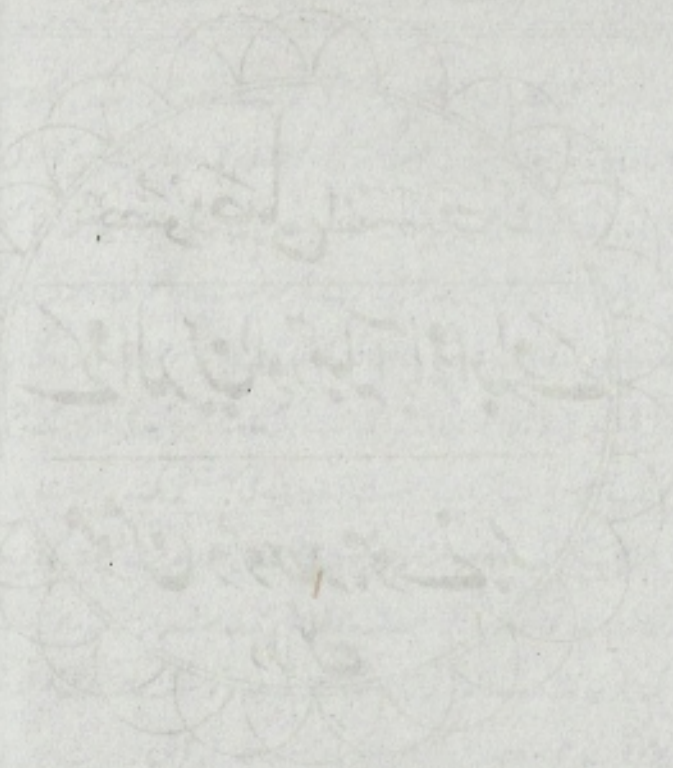
فصل اول

آپ کے والدین کے ایمان پر قرآنی شواہد

آیت نمبر (۱):

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۝ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ (سورۂ زخرف پ ۲۵ آیت ۲۶ تا ۲۸)

ترجمہ: اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا میں بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے سوا اس کے جس نے مجھے پیدا کیا کہ ضرور بہت جلد مجھے راہ دے گا۔ اور اسے اس کی نسل میں باقی کلام رکھا۔

کہ کہیں وہ باز آجائیں۔

تفسیر طبری:

قَالَ ثنا اسباط عن السدی اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ قَالَ خَلَقَنِیْ وَ قَوْلُهٗ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِهٖ يَقُوْلُ تَعَالٰی ذِكْرُهٗ وَجَعَلَ قَوْلَهٗ اِنَّنِیْ بَرَاۗءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَهُوَ قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِهٖ وَهُمْ ذُرِّيَّتُهٗ فَلَمْ يَزَلْ فِیْ ذُرِّيَّتِهٖ مَنْ يَّقُوْلُ ذَالِكَ مِنْ بَعْدِهٖ وَ اخْتَلَفَ اَهْلُ التَّاْوِيْلِ فِیْ مَعْنَی كَلِمَةِ الَّتِیْ جَعَلَهَا خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ بَاقِيَةً عَقِبِهٖ فَقَالَ بِنَحْوِ الَّذِیْ قُلْنَا فِیْ ذَالِكَ ذَكَرَ مَنْ قَالَ ذَالِكَ حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثنا عبد الرحمٰن قال حدثنا سفيان عن ليث عن مجاهد وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حدثنا بشر قال حدثنا يزيد قال حدثنا سعيد عن قتادة وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالتَّوْحِيْدُ لَمْ يَزَلْ فِیْ ذُرِّيَّتِهٖ مَنْ يَّقُوْلُهَا مِنْ بَعْدِهٖ حدثنا ابن عبد الاعلٰی قَالَ حَدَّثَنَا ابن ثور عن معمر عن قتادة وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِهٖ قَالَ التَّوْحِيْدُ

وَالْاِخْلَاصُ وَلَا يَزَالُ فِیْ ذُرِّیَّتِہٖ مَنْ یُّوَحِّدُ اللّٰہَ وَیَعْبُدُہٗ۔ حدثنا محمد قال حدثنا اسباط عن السدی وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ وَقَالَ الْاٰخَرُوْنَ الْکَلِمَۃُ الَّتِیْ جَعَلَھَا اللّٰہُ فِیْ عَقِبِہٖ قال لا الہ الا اللہ۔ وقال الاخرون الکلمۃ التی جعلها اللہ فی عقبہ اسم الاسلام ذکر من قال ذالک۔ حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وھب قال قال ابن زید فی قولہ وجعلها كلمة بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِہٖ فَقَرَأَ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ قال جَعَلَ عِنْدَہٗ بَاقِیَۃً فِیْ عَقِبِہٖ قَالَ الْاِسْلَامُ وَقَرَأَ ھُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ فَقَرَأَ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ۔

(تفسیر طبری پ ۲۵ ص ۳۸-۳۹ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: جناب سُدی نے کہا کہ الا الذی فطرنی میں فطرنی کا معنی خلقنی ہے۔ اور وجعلها كلمة باقية فی عقبہ سے مراد اننی براء مما تعبدون الا الذی فطرنی یعنی لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی رکھا۔ لہٰذا آپ کی اولاد میں سے آپ کے وصال کے بعد ہر دور میں اس کلمہ کے قائل موجود رہے ہیں۔ علمائے تاویل نے اس کلمہ کے معنی میں اختلاف فرمایا۔ جو کلمہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد والوں

کے لیے چھوڑ گیا۔ بعض نے وہی کہا جو ابھی ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ ان حضرات نے یہ حدیث پیش کی۔ جناب مجاہد کہتے ہیں اس کلمہ سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ حضرت قتادہ سے بھی ایک روایت ہے کہ اس کلمہ سے مراد لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنے والے اور اس کلمہ توحید کے قائل ہر دور میں رہے۔ حضرت قتادہ ہی بیان فرماتے ہیں کہ اس کلمہ سے مراد توحید اور اخلاص ہے۔ اور ہمیشہ سے آپ کی اولاد میں اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنے والے اور اس کی عبادت کرنے والے موجود رہے ہیں۔ کچھ دوسرے حضرات کا قول ہے۔ کہ کلمہ سے مراد "اسلام" کا نام ہے۔ ان حضرات نے ابن وہب کی ایک روایت بیان کی۔ کہ ابن زید نے اس کلمہ کی تفسیر کے طور پر یہ آیت پڑھی۔ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے "اسلام" کا نام باقی رکھا۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ ھو سماکم المسلمین۔ پھر یہ پڑھا واجعلنا مسلمین لک۔

توضیح:

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کے جس کلمہ کو ان کی اولاد کے لیے باقی رکھا۔ اکثر مفسرینؒ کرام نے "لا الہ الا اللہ" کو بتایا۔ اور اس کے تائید کے لیے احادیث بھی پیش کی گئیں۔ اس کلمہ کو باقی رکھنے کا مطلب یہ کہ آپ کی اولاد میں سے ہر دور میں کچھ لوگ لازمًا موحد اور مخلص ہوں گے آپ کی اس دعا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگ اپنی عبادت

کرنے والے اور ایک ہونے کی گواہی دینے والے پیدا کیے۔ اُن کی زندگی اسی کلمہ کی تفسیر و تشریح تھی۔ اور اگر دوسرے مفسرین کا قول دیکھا جائے۔ تو اس کا مطلب بھی تقریباً یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں "اسلام" کا مصداق بننے والے افراد ہر دور میں موجود رکھے۔ یعنی مسلمان ہوئے۔ موحد ہوں یا مخلص مسلمان ہوں یا مومن بہرحال یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول و منظور ہو گئے۔ یہ سلسلہ چلتے چلتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین تک پہنچا۔ اس لیے دیگر شواہد و قرائن سے اس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ کہ آپ کے والدین کریمین دعائے خلیل الرحمٰن کا مصداق ہونے کی حیثیت سے موحد، مخلص اور مسلمان تھے۔

تفسیر ابن کثیر:

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ أَيْ هٰذِهِ الْكَلِمَةُ وَهِيَ عِبَادَةُ اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَخَلْعُ مَا سِوَاهُ مِنَ الْأَوْثَانِ وَهِيَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَيْ جَعَلَهَا دَائِمَةً فِي ذُرِّيَّتِهِ يَقْتَدِي بِهِ فِيهَا مَنْ هَدَاهُ اللّٰهُ تَعَالَى مِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ) أَيْ إِلَيْهَا وَقَالَ عِكْرِمَةُ وَمُجَاهِدٌ وَالضَّحَّاكُ وَالْقَتَادَةُ وَالسُّدِّيُّ وَغَيْرُهُمْ فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ "وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ" يَعْنِي لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَا يَزَالُ فِي ذُرِّيَّتِهِ مَنْ يَقُولُهَا وَرُوِيَ نَحْوُهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَالَ ابْنُ زَيْدٍ كَلِمَةُ الْإِسْلَامِ وَهُوَ يَرْجِعُ إِلَى

مَا قَالَهُ الْجَمَاعَةُ۔

(۱۔ تفسیر ابن کثیر۔ جلد چہارم ص ۱۲۶ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

(۲۔ تفسیر مظہری جلد ۹ ص ۳۴۴)

ترجمہ: کلمہ باقیہ سے مراد "اللہ واحد کی عبادت اور تمام بتوں سے بیزاری" ہے۔ اور یہ "لا الہ الا اللہ" کا کلمہ ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں دائمی طور پر باقی رکھا۔ آپ کی اولاد میں سے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا وہ اس کلمہ میں ان کی اقتداء کرے گا جناب عکرمہ، مجاہد، الضحاک، قتادہ اور سدی وغیرہ حضرات نے اس کلمہ کے بارے میں فرمایا۔ کہ وہ "لا الہ الا اللہ" ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ ہر دور میں اس کے قائل موجود رہیں گے۔ اسی طرح کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ہے ابن زید کہتے ہیں۔ کہ اس کلمہ سے مراد "کلمۃ الاسلام" ہے۔ لیکن ان کے قول اور دیگر حضرات کے قول کا مرجع ایک ہی ہے۔

تفسیر کبیر:

فَكَانَ مَجْمُوْعُ قَوْلِهٖ (اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ) جَارِیًا مَجْرٰی قَوْلِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ بَیَّنَ تَعَالٰی اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ جَعَلَ هٰذِهِ الْكَلِمَةَ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ اَیْ فِیْ ذُرِّیَّتِهٖ فَلَا یَزَالُ فِیْهِمْ مَنْ یُّوَحِّدُ اللّٰهَ وَ یَدْعُوْ اِلٰی

تَرْجَمَہ:-

(تفسیر کبیر جلد ۲۷ ص ۲۰۸ مطبوعہ مصر قدیم)

ترجمہ: "انی براء مما تعبدون الا الذی فطرنی" کا مجموعی مضمون "لا الہ الا اللہ" کے قائم مقام ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کلمہ کو اپنی اولاد میں باقی رکھا لہٰذا ان کی اولاد میں ہمیشہ ایسے افراد رہیں گے۔ جو اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانیں گے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی توحید کی دعوت دیں گے۔

ان چند تفسیری حوالہ جات سے سورۃ زخرف کی مذکورہ آیات اس بات کا اعلان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی یہ دعا قبول فرمائی۔ کہ اے اللہ۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری اولاد میں باقی رکھ۔ اس کی قبولیت کے پیش نظر آپ کی اولاد کو ہم دو ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ کہ ایک وہ دور جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور دوسرا دور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قیامت قائم ہونے تک کا ہے۔ پہلے دور کے لوگوں کے لیے صرف اس کلمہ کا اجمالی طور پر ایمان کافی تھا۔ کیونکہ ان کے پاس کوئی پیغمبر نہ آیا۔ اور نہ ہی کوئی اور طریقہ سے ان کو ایمان کی تفصیل معلوم ہو سکی۔ لہٰذا اس دور کا کوئی فرد اگر اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک تسلیم کرتا ہو۔ تو وہ مومن تھا۔ اور ایسے لوگ ہر دور میں دعائے خلیل الرحمن کی قبولیت کا مظہر رہے ہیں۔ ان خوش نصیب حضرات میں سے وہ لوگ بطریقہ اولیٰ داخل ہیں۔ جن کا تعلق ابراہیم علیہ السلام سے خونی اور نسبی تعلق ہے۔ یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین تک ان کے تمام آباؤ اجداد اسی خدا داد نعمت سے بہرہ ور رہے۔ اسی لیے

آپ کے والدین کریمین بھی اپنے دور کے اُن چیدہ چیدہ افراد میں سے تھے .. جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل اور اس کے مبلغ تھے ۔ اس لیے قرآن کریم کی ان آیات کے مقابلہ میں اُن کے بھی ثابت کرنے کے لیے ضعیف احادیث کا سہارا لینا کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہو سکتا ۔ دوسرے دور کے لوگوں کے لیے چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا۔ اس لیے کلمہ وہی باقی ہے ۔لیکن اس کے ساتھ رسالتِ محمدیہ پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ۔لہذا اب اور قیامت تک اہل اسلام کا کلمہ یہ ہے " لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اسی توحید ورسالت کے اقرار میں وہ تمام معتقدات داخل ہیں ۔جن میں سے کسی ایک کا انکار دراصل توحید یا رسالت کا انکار ہو جاتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین کرام نے اس کلمہ باقیہ سے مراد قیامت تک جاری رہنے والا کلمہ لیا ہے ۔بہر حال " و لا تسئل عن اصحاب الجحیم" کے تحت کمزور اور ضعیف احادیث کا سہارا لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو کافر یا مشرک ثابت کرنا اور اوپر ذکر کردہ آیت سے روگردانی کرنا قرین انصاف نہیں ۔ اور نہ ہی سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کما حقہ عقیدت کی جھلک ہے ۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

آیت نمبر ۲ :

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔

(سورۃ ابراھیم پ۱۳ آیت ۳۵)

ترجمہ : اور یاد کرو جب ابراہیم نے عرض کی اے میرے رب اس شہر

کو امان والا بنا دے۔ اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے
سے بچا۔

ذکر روایت کر بہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور دعا کا ذکر ہے جو سابقہ دعا سے مختلف نظر آتی ہے۔ لیکن دونوں میں بہت سی باتیں ایک سی ہیں۔ اس دعا میں آپنے اپنے بیٹوں کے لیے بتوں کی پوجا کرنے سے بچاؤ کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی شرفِ قبولیت بخشا۔ عربی زبان میں "بیٹے" کا استعمال وسیع معنوں میں ہوتا ہے۔ یوں کہہ لیجئے۔ کہ بالواسطہ اور بلاواسطہ اولاد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے عقلی قرینہ کے پیش نظر ہمیں یہاں سمجھ لینا چاہیئے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے آپ کی اولاد کے کچھ افراد ہی مراد ہیں۔ تمام کی تمام بالواسطہ اور بلاواسطہ اولاد نہ مراد ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی ایسی بظاہر ناممکن دعا اللہ تعالیٰ سے آن کا خلیل کر سکتا تھا۔ ان بعض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد یقیناً داخل ہیں۔

تفسیر ابن جریر طبری:

عَنْ مُجَاهِدٍ وَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَاجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ. قَالَ فَاسْتَجَابَ اللّٰهُ لِاِبْرَاهِيْمَ دَعْوَتَهٗ فِيْ وُلْدِهٖ، قَالَ فَلَمْ يَعْبُدْ اَحَدٌ مِّنْ وُلْدِهٖ صَنَمًا بَعْدَ دَعْوَتِهٖ وَالصَّنَمُ التِّمْثَالُ الْمُصَوَّرُ مَا لَمْ يَكُنْ صَنَمًا فَهُوَ وَثَنٌ قَالَ وَاسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ وَ جَعَلَ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ

اَلثَّمَرَاتِ وَ جَعَلَهُ اِمَامًا وَ جَعَلَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ مَنْ يُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَ تَقَبَّلَ دُعَائَهُ ۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۔ ص)

ترجمہ: جناب مجاہد کہتے ہیں۔ کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا مانگی۔ اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے۔ اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت کرنے سے محفوظ رکھ۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا، آپ کی اولاد کے بارے میں قبول فرمائی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اس دعا کے بعد آپ کی اولاد میں سے کسی نے بھی "صنم" کی پوجا نہیں کی۔ صنم پتھر کی صورت کو کہتے ہیں۔ اور اگر صورت نہ ہو تو وثن کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ شہر مکہ کو امن والا بنا دیا۔ اس کے رہنے والوں کو مختلف میوے بطور رزق دیئے۔ ابراہیم علیہ السلام کو "امام الناس" بنایا۔ آپ کی اولاد میں اقامت صلوٰۃ باقی رکھی۔

مسالک الحنفاء:

اَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ اَنَّ اٰدَمَ لَمَّا هَبَطَ عَلَى الْاَرْضِ اِسْتَوْحَشَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ فِيْ قِصَّةِ بَيْتِ الْحَرَامِ وَ فِيْهِ مِنْ قَوْلِ اللّٰهِ لِاٰدَمَ فِيْ حَقِّ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَ اَجْعَلُهُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قَانِتًا بِاَمْرِيْ دَاعِيًا اِلٰى سَبِيْلِهٖ اَجْتَبِيْهِ وَ اَهْدِيْهِ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اَسْتَجِيْبُ

دَعْوَتُهُ فِي وُلْدِهِ ذُرِّيَّتِهِ مِنْ بَعْدِهِ وَاشْفَعْهُ
فِيهِمْ فَاجْعَلْهُمْ أَهْلَ ذَالِكَ الْبَيْتِ وَوُلَاتِهِ
وَحُمَاتِهِ الحديث هٰذَا الْأَثَرُ مُوَافِقٌ لِقَوْلِ
محمد مجاهد المذكور آنِفًا وَلَا شَكَّ
أَنَّ وِلَايَةَ الْبَيْتِ كانت مَعْرُوفَةً بِأَجْدَادِ النَّبِيِّ
صلى الله عليه وسلم دُونَ سَائِرِ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ
إِلَى أَنْ اِنْتَزَعَهَا مِنْهُمْ عَمْرُو الخزاعي ثُمَّ عَادَتْ
إِلَيْهِمْ فَعُرِفَ أَنَّ كُلَّ مَا ذُكِرَ مِنْ ذُرِّيَّةِ ابراهيم
مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِهِ سِلْسِلَةُ الْأَجْدَادِ
الشَّرِيفَةِ الَّذِينَ خُصُّوا بِالْاِصْطِفَاءِ وَانْتَقَلَ
إِلَيْهِمْ نُورُ النُّبُوَّةِ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ فَهُمْ
أَوْلَى بِأَنْ يَكُونُوا هُمُ الْبَعْضُ الْمُشَارُ إِلَيْهِمْ
فِي قَوْلِهِ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي
أَخْرَجَ ابن ابي حاتم عن ابن عيينه أَنَّهُ سُئِلَ
هَلْ عَبَدَ أَحَدٌ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيلَ الْأَصْنَامَ
قَالَ لَا أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَهُ وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ
نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ قِيلَ فَكَيْفَ لَمْ يَدْخُلْ
وُلْدُ إِسْحَاقَ وَسَائِرُ وُلْدِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ
لِأَنَّهُ دَعَا لِأَهْلِ هٰذَا الْبَلَدِ أَنْ لَا يَعْبُدُوا
إِذْ أَسْكَنَهُمْ إِيَّاهُ فَقَالَ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ
آمِنًا وَلَمْ يَدْعُ لِجَمِيعِ الْبُلْدَانِ بِذَالِكَ

فَقَالَ وَاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ فِیْهِ وَ قَدْ خَصَّ اَهْلَهٗ وَقَالَ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ فَانْظُرْ اِلٰی هٰذَا الْجَوَابِ مِنْ سُفْیَانَ بْنِ عُیَیْنَةَ۔ وَ هُوَ اَحَدُ الْاَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِیْنَ وَ هُوَ شَیْخُ اِمَامِنَا الْاِمَامِ الشَّافِعِیْ رضی اللہ عنہما۔

(مسالک الحنفاء ص ٢٧ تا ٢٨ مطبوعہ حیدر آباد طبع قدیم)

ترجمہ:

جناب وہب بن منبہ سے امام بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا۔ کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اُترے۔ تو وحشت آئی الخ اس حدیث کو مکمل ذکر کیا۔ اور اس میں بیت الحرام کا قصہ بھی مذکور ہے اور آدم علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا بھی مذکور ہے۔ اسے میں نے ایک امت بنایا۔ جو میرے احکام کی پابند ہوگی۔ میرے راستہ کی دعوت دیں گے۔ میں نے انہیں منتخب کیا اور صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرمائی۔

میں اُن کی دعا اُن کی اولاد کے بارے میں بھی قبول کروں گا۔ جو اُن کے بعد آئے گی۔ اور اُن کے لیے اُن کی شفاعت بھی قبول کروں گا۔ اور میں انہیں اس گھر کا متولی بناؤں گا۔ وہ اس کے والی اور حامی ہوں گے۔ الحدیث۔

یہ اثر جناب مجاہد کے قول کے موافق ہے۔ جو کئی مرتبہ ہم لکھ چکے ہیں۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ کہ بیت اللہ شریف کی تولیت صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں معروف و مشہور چلی آتی رہی۔ ابراہیم علیہ السلام کی دوسری اولاد میں تولیت نہیں آئی۔ حتیٰ کہ عمرو خزاعی نے کچھ عرصہ کے لیے بیت اللہ کی تولیت ان سے چھین لی لیکن پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد اس کے متولی بن گئے اس سے معلوم ہوا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی جو کرامتیں اور بھلائیاں مذکور ہیں۔ وہ تمام اولاد ابراہیم میں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں بطریقہ اولیٰ پائی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا پسندیدہ کیا۔ اور نور نبوت ان میں منتقل ہوتا رہا۔ لہٰذا یہ حضرات ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا بعض ہونے میں سب سے اولیٰ ہیں۔ جن بعض کا ذکر اس دعاء میں ہے۔ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي الخ ابن ابی حاتم نے جناب سفیان بن عیینہ سے روایت کی۔ کہ کسی نے انہیں پوچھا۔ کیا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے صنم کی پوجا کی؟ فرمایا۔ نہیں۔ کیا تم ابراہیم علیہ السلام کی اس دعاء کو نہیں جانتے۔ وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ سائل نے پھر پوچھا۔ تو اس دعاء میں ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام اور دوسرے بیٹوں کی اولاد کیوں داخل نہیں فرمایا۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر (مکۃ مکرمۃ) کے باشندوں کے لیے اللہ کے حضور دعاء مانگی تھی کہ جب یہ شہر ان کی سکونت و رہائش بن جائے۔ تو وہ بتوں کی پوجا نہ کریں۔ اور عرض کیا

اے اللہ! اس شہر کو امن والا بنا دے۔ آپ نے تمام شہروں کے لیے (جن میں آپ کی اولاد آباد ہونی تھی۔) دعا نہیں مانگی تھی۔ پھر اس شہر کے باشندوں کے لیے آپ نے یہ دعا فرمائی۔ و اجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام۔ مجھے اور میری اولاد کو اس شہر میں رہتے ہوئے بتوں کی پوجا سے بچائے رکھنا۔ اس طرح انہوں نے مخصوص اہل مکہ کے لیے دعا کی تھی۔ اور عرض کیا تھا۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ۔ جناب سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ کا جواب غور سے پڑھو۔ آپ مجتہدین کرام میں سے ہیں۔ اور ہمارے شیخ جناب امام شافعی رضی اللہ عنہ کے استاد اور شیخ ہیں۔

توضیح:

جناب مجاہد کی روایت اور وہب بن منبہ کی طویل حدیث سے جو دراصل دعائے خلیل الرحمٰن کی تفسیر ہیں۔ سے چند باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

۱۔ ابراہیم علیہ السلام کی مانگی گئی دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔

۲۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی۔ کہ اے اللہ! میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے بچائے رکھنا۔

۳۔ آپ کی دعا، اپنی اولاد میں سے صرف ان لوگوں کے لیے تھی۔ جو مکہ مکرمہ میں آباد ہوئے یعنی اولاد اسماعیل علیہ السلام۔

۴۔ اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے کسی نے بت پرستی نہ کی۔ اور بیت اللہ شریف کی دیکھ بھال کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں پسند فرمایا۔

جب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو بالعموم یہ شرف حاصل رہا۔ کہ وہ موحد تھے

نماز کی اقامت ان کا معمول تھا۔ بیت اللہ کی مجاوری ان کے سپرد تھی۔ تو پھر ان حضرات میں سے بلا واسطہ جن کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہو۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین) ان کے موحد اور دیندار ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اترتے ہی ابراہیم اور اولادِ ابراہیم علیہ السلام کی خوبیاں بیان کر دی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین میں وہ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ نے پہلے سے جمع فرما دی تھیں اس لیے ان کے بارے میں یہی عقیدہ درست ہے کہ وہ حنیفی ہیں اور مومن موحد ہیں۔

آیت نمبر۳:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔

(البقرۃ آیت نمبر ۱۲۸ تا ۱۲۹)

ترجمہ: اے رب ہمارے اور کر ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں ایک امت تیری فرمانبردار اور ہمیں حج کے لیے احکام سکھلا۔ اور ہماری توبہ قبول کر۔ کہ تو توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب بھیج ان میں ان کے نفسوں میں سے ایک رسول۔

تفسیر ابن جریر طبری:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً

مُسْلِمَةً لَكَ ، وَ هٰذَا اَيْضًا خَبَرٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ
عَنْ اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنَّهُمَا كَانَا يَرْفَعَانِ
الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ هُمَا يَقُوْلَانِ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَيْنِ لَكَ يَعْنِيَانِ بِذٰلِكَ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
لِاَمْرِكَ خَاضِعَيْنِ لِطَاعَتِكَ لَا نُشْرِكُ فِي الطَّاعَةِ
اَحَدًا سِوَاكَ وَلَا فِي الْعِبَادَةِ غَيْرَكَ وَقَدْ دَلَّلْنَا
فِيْمَا مَضٰى عَلٰى اَنَّ مَعْنَى الْاِسْلَامِ الْخُضُوْعُ
لِلّٰهِ بِالطَّاعَةِ وَ اَمَّا قَوْلُهٗ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً
مُّسْلِمَةً لَّكَ فَاِنَّهُمَا خَصَّا بِذٰلِكَ بَعْضَ الذُّرِّيَّةِ
مَنْ لَا يَنَالُ عَهْدَهٗ لِظُلْمِهٖ وَ فُجُوْرِهٖ فَخَصَّتَا
بِالدَّعْوَةِ بَعْضَ ذُرِّيَّتِهِمَا۔

(تفسیر ابن جریر پارہ اوّل ۔ البقرہ ص)

ترجمہ: (ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امۃ مسلمۃ
لک یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خبر ہے ۔ اس میں اس نے ابراہیم
واسماعیل علیہما السلام کے بارے میں ذکر کیا ۔ کہ وہ دونوں بیت اللہ کی
بنیادیں اٹھاتے تھے ۔ اور کہتے تھے ۔ کہ ہمارے پروردگار ہم دونوں کو
اپنا تابع فرمان بنا ۔ اس لیے ان کی مراد یہ تھی ۔ کہ اے اللہ ! ہمیں تو اپنے
حکم کے سامنے جھکنے والا ، اپنی طاعت کا خضوع کرنے والا بنا ۔
ہم بندگی میں تیرے ساتھ کسی کو تیرا شریک نہیں ٹھہراتے ۔ ہم اس سے
قبل بیان کر چکے ہیں ۔ کہ اسلام کا معنی بندگی میں اللہ تعالیٰ کا خشوع و خضوع
ہے ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ۔ " ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک "

تو اس نعمت کے ساتھ ان کی اولاد میں سے مخصوص لوگ مراد ہیں یعنی وہ ظلم و فجور سے دور رہنے والے ہیں۔ تو اس دعا میں بھی اپنی اولاد میں سے مخصوص افراد کے لیے دونوں پیغمبروں نے اللہ کے حضور سوال کیا۔

تفسیر ابن کثیر:

(وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ، قَالَ كَانَا مُسْلِمَيْنِ وَلٰكِنَّهُمَا سَأَلَاهُ الثَّبَاتَ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ فَعَلْتُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ، قَالَ اللّٰهُ قَدْ فَعَلْتُ)

(تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۱۸۳)

ترجمہ: "و اجعلنا مسلمین" سے ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا مقصد یہ تھا۔ کہ اے اللہ! ہمیں اسلام پر ثابت قدمی عطا فرما۔ کیونکہ مسلمان تو وہ پہلے سے ہی تھے۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں۔ جب دونوں باپ بیٹے نے و اجعلنا مسلمین لک عرض کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے ایسے کر دیا۔ اور اسی طرح جب "و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک" کہا۔ تو اس کے جواب میں بھی اللہ رب العزت نے فرمایا۔ میں نے ایسا کر دیا۔

آیت ۴: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ الخ

تفسیر صفوۃ التفاسیر:

"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ" أي ابْعَثْ فِي الْأُمَّةِ الْمُسْلِمَةِ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَهٰذَا مِنْ جُمْلَةِ دَعَوَاتِهِمَا الْمُبَارَكَةِ

مَا اسْتَجَابَ اللّٰهُ الدُّعَاءَ بِبَعْثَةِ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(تفسیر صفوۃ التفاسیر جلد اوّل ص ۹۵ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: ربنا وابعث فیھم رسولا منھم، یعنی اے اللہ امت مسلمہ میں انہی میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرما۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا تھی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر قبول فرمایا۔

تفسیر کبیر:

اَلظَّاهِرُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَوْ رَدَّ هٰذَا الدُّعَاءَ لَصَرَّحَ بِذٰلِكَ الرَّدِّ فَلَمَّا لَمْ يُصَرِّحِ الرَّدَّ عَلِمْنَا اَنَّ الْاِجَابَةَ وَقَعَتْ وَحِيْنَئِذٍ يَتَوَجَّهُ الْاِشْكَالُ فَاِنَّ فِي زَمَانِ اَجْدَادِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم) لَمْ يَكُنْ اَحَدٌ مِنَ الْعَرَبِ مُسْلِمًا وَلَمْ يَكُنْ سِوَى الْعَرَبِ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ۔

اَلْجَوَابُ۔ قَالَ الْقَفَّالُ اِنَّهُ لَمْ يَزَلْ فِي ذُرِّيَّتِهِمَا مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ وَلَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَلَمْ تَزَلِ الرُّسُلُ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرَاهِيْمَ وَقَدْ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ زَيْدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ وَقُسُّ بْنُ سَاعِدَةَ وَيُقَالُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بْنُ هَاشِمٍ

جَدُّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعامر بن الظرب کانوا علی دِیْنِ الْاِسلام یقرّون بالابتداء والاعادۃ والثواب والعقاب ویوحدون اللہ تعالٰی ولا یاکلون المیتۃ ولا یعبدون الاوثان

(تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ ۶۸ مطبوعہ قاھرہ طبع جدید)

(تفسیر غرائب القرآن برحاشیہ طبری جلد اوّل صفحہ نمبر ۴۱۰)

ترجمہ: یہ بالکل واضح ہے۔ کہ اگر اللہ تعالٰی ابراہیم علیہ السلام کی مذکورہ دعاء رد فرماتا۔ تو اس کی تصریح ہوتی۔ لہٰذا جب رد کرنا صحیح نہیں ہوا۔ تو ہمیں اس دعاء کی اجابت کا پتہ چلا۔ اب اجابتِ دعاء کی صورت میں اعتراض ہوتا ہے۔ کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے دور میں عرب میں کوئی بھی مسلمان نظر نہیں آتا۔ اور عرب کے علاوہ دیگر علاقہ جات میں ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کی اولاد نہ تھی؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جناب قفال نے کہا۔ کہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں ہر دور میں کچھ افراد ایسے موجود رہے۔ جو اللہ ہی کی تنہا عبادت کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہر دور کے اندر کوئی نہ کوئی اس کے احکام پہنچانے والا رہا ہے۔ دورِ جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل، قیس بن عبادہ اور بقول بعض عبد المطلب بن ہاشم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد ہیں اور عامر بن الظرب یہ

لوگ دین اسلام پر تھے۔ دوبارہ زندہ ہونے اور پیدا ہونے پر
ان کا ایمان تھا۔ ثواب وعقاب کا اقرار کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ
کی توحید تسلیم کرتے تھے۔ نہ مُردار کھاتے اور نہ بتوں کی پوجا
کرتے تھے۔

تفسیر روح المعانی:

وَاِنَّمَا خَصَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ ھٰذَا الدُّعَاءَ بِبَعْضِ
ذُرِّیَّتِہٖ لِعِلْمِہٖ مِنْ جِہَتِہٖ تَعَالٰی اَنَّ بَعْضًا
مِنْھُمْ لَا یَکُوْنُ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ بِاَنْ یَّکُوْنَ
کَافِرًا اَوْ مُؤْمِنًا لَا یُصَلِّیْ۔ وَیَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ
عِلْمُہٗ مِنْ اِسْتِقْرَائِہٖ عَادَۃَ اللّٰہِ تَعَالٰی فِی الْاُمَمِ
الْمَاضِیَۃِ اَنْ یَّکُوْنَ فِیْ ذُرِّیَّتِہٖ مَنْ لَّا یُقِیْمُھَا
وَھٰذَا کَقَوْلِہٖ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ
ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ
ظَاھِرُہٗ دُعَائِیْ ھٰذَا الْمُتَعَلِّقُ بِجَعْلِیْ وَجَعْلِ
بَعْضِ ذُرِّیَّتِیْ مُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ وَلِذَالِکَ جِیْءَ
بِضَمِیْرِ الْجَمَاعَۃِ۔

(تفسیر روح المعانی جلد ۱۳ صفحہ نمبر ۲۴۳)

ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی یہ دعا اپنی اولاد میں سے بعض کے لیے
اس لیے مخصوص فرمائی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتادیا تھا۔ کہ ان میں سے
کچھ ایسے بھی ہوں گے۔ جو کافر ہونے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھیں گے
یا مسلمان ہوتے ہوئے اس کو چھوڑ دیں گے۔ اور یہ بھی احتمال

درست ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کو ان بعض کا علم اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ کے مظاہر سے ہوا ہو۔ جو گذشتہ امتوں کے حالات سے واضح ہوتی تھی وہ یہ کہ میری اولاد میں بھی کچھ اقامت صلوٰۃ سے گریزاں ہوں گے۔ یہ دعاء اس دعاء کی طرح ہے۔ کہ آپ نے عرض کیا۔ اے اللہ! ہم دونوں کو اپنا خاص فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی اپنے فرمانبردار بنانا۔ پھر عرض کیا۔ اے ہمارے پروردگار! دعاء کو قبول کیجئے۔ اس دعاء سے بقا ہر دو ہی دعاء مراد ہے۔ جو آپ نے اپنی اولاد میں سے بعض کے نمازی ہونے کی مانگی تھی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ضمیر کو بطور جمع کے ذکر کیا گیا۔

تفسیر در منثور:

عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ رضی اللہ عنہ فِیْ قَوْلِہٖ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ فَلَنْ یَّزَالَ مِنْ ذُرِّیَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ علیہ السلام نَاسٌ عَلَی الْفِطْرَۃِ یَعْبُدُوْنَ اللہَ تَعَالٰی حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ۔

(تفسیر در منثور جلد چہارم صفحہ ۸۷)

ترجمہ: رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ و من ذریتی کے متعلق ابن جریج رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے کچھ لوگ ہر دور میں ایسے ہوں گے۔ جو دین فطرت پر رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوں گے۔ یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا۔

لمحہ فکریہ:

مذکورہ تفسیری حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ کہ حضرت ابراہیم کی دعاء کے مستجاب کی بدولت ہر دور میں آپ کی اولاد میں سے کچھ حضرات

نماز کے پابند، خدا وحدہٗ لاشریک کے مطیع اور بتوں کی پرستش سے بیزار موجود رہے۔ ان میں اگرچہ کسی نام کی صراحت نہیں۔ لیکن قرآن وشواہد اس کی بخوبی تائید وتصدیق کرتے ہیں۔ کہ ان بعض میں آپ کے آباؤ اجداد لازماً داخل ہیں۔ اسی کی تائید میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے۔ فرمایا۔ اَنَا خَیْرُکُمْ نَفْسًا وَّخَیْرُکُمْ اٰبًا۔ میں اپنی ذات کے اعتبار اور اپنے آباؤ اجداد کے اعتبار سے تم سے زیادہ بہتر ہوں۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ کے آباؤ اجداد ہر دور میں اسلامی روایات کے امین رہے۔ اور اس بارے میں اپنے دور کے تمام قبائل سے ممتاز تھے۔ اس مضمون کو حدیث پاک میں ایک اور طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو

البدایۃ والنہایہ:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰی بُعِثْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِیْ کُنْتُ فِیْہِ (بخاری شریف)

(البدایۃ والنہایہ جلد دوم ص ۲۵۶)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بنی آدم کے بہترین لوگوں میں سے ہوتا آیا ہوں۔ یہاں تک کہ میں اس خاندان میں سے کہ جس میں میں بھیجا گیا۔ آیا ہوں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل پاک ہر دور میں اپنے لوگوں سے بہترین تھی۔ اور یہ بات واضح ہے کہ بہتری سے مراد وہی بہتری ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مطلوب و منظور ہے۔ جس کی طرف یہ آیت توجہ دلاتی ہے۔ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ بندہ مومن یقیناً مشرک سے علی الاطلاق بہتر ہے۔ تو واضح ہوا۔ کہ خیریت ایمان کے اعتبار سے مراد ہے۔ اس لیے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم علیہ السلام تک ہی نہیں بلکہ آدم علیہ السلام تک صاحبانِ ایمان و توحید ہوئے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

آیت نمبر ۵:

اَلَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ۔

(سورۃ الشعراء آیت ۲۱۸-۲۱۹)

ترجمہ: جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو۔ اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو۔

تفسیر در منثور:

ابن جریر عن قتادہ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ قَالَ فِی الْمُصَلِّیْنَ۔ و اخرج ابن عباس فی قولہ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ اَیْنَ کُنْتَ وَ اٰدَمُ فِی الْجَنَّۃِ فَتَبَسَّمَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ کُنْتُ فِیْ صُلْبِہٖ وَ ھَبَطَ اِلَی الْاَرْضِ وَ اَنَا فِیْ صُلْبِہٖ وَ رَکِبْتُ السَّفِیْنَۃَ فِیْ صُلْبِ اَبِیْ نُوْحٍ وَ قُذِفْتُ فِی النَّارِ فِیْ صُلْبِ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ لَمْ یَلْتَقِ اَبَوَایَ قَطُّ عَلٰی سِفَاحٍ لَمْ یَزَلِ اللّٰہُ یَنْقُلُنِیْ

مِنَ الْاَصْلَابِ الطَّيِّبَةِ اِلَى الْاَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ مُصَفًّى مُهَذَّبًا لَا تَتَشَعَّبُ شُعْبَتَانِ اِلَّا كُنْتُ فِىْ خَيْرِهِمَا

(تفسیر در منثور جلد ۵ ص ۹۸)

ترجمہ: ابن جریر جناب قتادہ سے بیان کرتے ہیں۔ کہ تقلبک فی الساجدین سے مراد نمازی ہیں۔ ابن عباس کہتے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ میرے ماں باپ قربان ارشاد فرمایئے۔ کہ جب آدم جنت میں تھے۔ تو آپ اس وقت کہاں تھے۔ میری بات سُن کر آپ خوب ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں نظر آنے لگیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اس وقت میں اُن کی پشت میں تھا۔ پھر جب وہ زمین پر تشریف لائے۔ تب بھی میں ان کی پشت میں تھا۔ اور میں اپنے باپ نوح علیہ السلام کی پشت میں ہوتے ہوئے کشتی میں سوار ہوا۔ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں ہوتے ہوئے آگ میں پھینکا گیا۔ میرے والدین کبھی بھی حرام کاری میں نہیں پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے طیب پشتوں سے طاہر رحموں کی طرف منتقل فرمایا۔ اور وہ تمام مرد و زن صاحبانِ صفا اور تہذیب تھے۔ جب کسی سے دو شاخیں بنتیں تو مجھے ان میں سے بہترین شاخ اور قبیلہ ملتا۔

مسالک الحنفاء:

وَقَدْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِىْ تَاوِيْلِ قَوْلِهِ اللّٰهِ وَتَقَلُّبَكَ فِى السَّاجِدِيْنَ اَىْ تَقَلُّبَكَ

مِنْ اَصْلَابٍ طَاهِرَةٍ مِنْ اَبٍ بَعْدَ اَبٍ اِلٰی اَنْ جَعَلَکَ نَبِیًّا فَکَانَ نُوْرُ النُّبُوَّۃِ ظَاهِرًا فِیْ آبَائِهٖ .... و قال ابو جعفر النحاس فی معانی القرآن فی قوله و تقلبک فی الساجدین روی عن ابن عباس اَنَّهٗ قَالَ تَقَلَّبَهٗ فِی الظُّهُوْرِ حَتّٰی اَخْرَجَهٗ نَبِیًّا وَ مَا اَحْسَنَ قَوْلَ الْحافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی۔ اشعار

تَنَقَّلَ اَحْمَدُ نُوْرًا عَظِیْمًا

تَلَأْلَأَ فِیْ جِبَاہِ السَّاجِدِیْنَا

تَقَلَّبَ فِیْهِمْ قَرْنًا فَقَرْنًا

اِلٰی اَنْ جَاءَ خَیْرُ الْمُرْسَلِیْنَ

(مسالک الحنفاء صفحہ نمبر ۳۵-۳۶)

ترجمہ: و تقلبک فی الساجدین کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ آپ ایک پشت سے دوسری پشت کی طرف آتے رہے۔ اور وہ تمام پشتیں طاہر تھیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی کر دیا۔ تو آپ کا نور نبوت آپ کے تمام آباؤ اجداد میں ظاہر ہوتا رہا .... ابو جعفر نحاس نے اسی آیت کے متعلق کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ آپ مختلف پشتوں میں منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ بذات خود تشریف لے آئے۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے اشعار میں کیا خوب تفسیر کی

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک منتقل ہوتا رہا۔ اور اللہ پاک کے حضور سجدہ ریز لوگوں میں اس کی چمک دمک نظر آتی رہی۔ آپ ان نورانی سجدہ ریزوں کی پشت میں پھرتے پھراتے خیر المرسلین بن کر خود تشریف فرما ہوئے۔

تفسیر مظہری:

اَلْمُرَادُ مِنْہُ تَقَلُّبَکَ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ السَّاجِدِيْنَ لِلّٰهِ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ السَّاجِدَاتِ وَ مِنْ اَرْحَامِ السَّاجِدَاتِ اِلٰى اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اَيِ الْمُوَحِّدِيْنَ وَالْمُوَحِّدَاتِ حَتّٰى يَدُلَّ عَلٰى اَنَّ آبَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔

(تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۸۹)

ترجمہ: اس سے مراد یہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ اور اللہ کو سجدہ کرنے والے مردوں کی پشت سے ان عورتوں کے رحم کی طرف منتقل ہوئے۔ جو طاہر اور سجدہ کرنے والی تھیں۔ اور پھر ان طاہرات وساجدات کے رحم سے ایسے پاکیزہ افراد کی طرف منتقل ہوئے۔ جو سبھی اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم تھے۔ یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد صاحبان ایمان و توحید تھے۔

تفسیر روح المعانی:

وَ اَبُو نُعَيْمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَيْضًا اِلاَّ

اَنَّهُ رضی اللہ عنہ فَسَّرَ التَّقَلُّبَ فِیْھِمْ
بِالتَّنَقُّلِ فِیْ اَصْلَابِھِمْ حَتّٰی وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ
علیہ الصلوٰۃ والسلام وَجَوَّزَ عَلٰی حَمْلِ
التَّقَلُّبِ عَلَی التَّنَقُّلِ فِی الْاَصْلَابِ اَنْ یُّرَادَ
بِالسَّاجِدِیْنَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاسْتَدَلَّ بِالْاٰیَۃِ
عَلٰی اِیْمَانِ اَبَوَیْہِ صلی اللہ علیہ وسلم
کَمَا ذَھَبَ اِلَیْہِ کَثِیْرٌ مِّنْ اَجِلَّۃِ اَھْلِ
السُّنَّۃِ وَاَنَا اَخْشَی الْکُفْرَ عَلٰی مَنْ یَّقُوْلُ
فِیْھِمَا رضی اللہ عنہما عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ عَلِیِّ الْقَارِیْ
وَاَحْزَابِہٖ بِضِدِّ ذَالِکَ۔

(روح المعانی جلد ۱۹ صفحہ ۱۲۷ تا ۱۲۸)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم ''تقلب'' کی تفسیر یہ کی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آباؤ اجداد کی پشتوں میں منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی والدہ نے آپ کو جنا اور تقلب کے اس معنی سے ''والساجدین'' سے مراد مومنین لینا پڑے گی۔ اس آیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان دار ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یہ اہل سنت کے جلیل القدر بکثرت علماء کرام کا مذہب ہے۔ اور میں اس شخص کے کفر کا خوف رکھتا ہوں۔ جو آپ کے والدین کریمین کے بارے میں ملا علی قاری اور اس کے ساتھیوں کی طرح اس عقیدہ کے خلاف کا قائل ہے۔

فکریہ: مذکورہ آیت مبارکہ میں "تقلبک فی الساجدین" سے سلف مفسرین ذی وقار نے یہ مراد لی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے حبیب ومحبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم اطہر تک انتقال کا معاملہ بیان فرمایا ہے۔ اور وہ "الساجدین" میں کچھ تو پیغمبران عظام ہیں۔ اور دوسرے بہر حال موحد اور مؤمن ضرور تھے۔ اور اس آیت کی یہی تفسیر اہل سنت کے بکثرت اکابر کا عقیدہ قرار پائی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

فصل دوم

حضور ﷺ کے جملہ آباؤ اجداد کے مؤمن ہونے پر تاریخی شواہد

اس موضوع پر ایک اجمالی دلیل

البدایہ والنہایۃ:

وَثَبَتَ فِی صحیح البخاری من حدیث عمرو ابن ابی عمرو عن سعید المقبری عن ابی ھریرۃ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ علیہ وسلم: بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰی بُعِثْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِیْ کُنْتُ فِیْہِ۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد دوم ص ۲۵۶)

ترجمہ: صحیح بخاری میں عمرو بن ابی عمرو عن سعید المقبری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں

بنی آدم میں ہر دور کے بہترین قرن (خاندان) میں مبعوث ہوا۔ یہاں تک کہ میں اس قرن میں آیا۔ جس میں تم مجھے پاتے ہو۔

الدرج المنیفہ فی آباء الشریفہ:

بسند صحیح علی شرط الشیخین عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مَا خَلَتِ الْاَرْضُ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ مِنْ سَبْعَةٍ يَدْفَعُ اللّٰهُ بِهِمُ الْعَذَابَ عَنْ اَهْلِ الْاَرْضِ۔

(الدرج المنیفہ صفحہ نمبر ۹)

ترجمہ: امام بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق سند صحیح علی شرط الشیخین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کبھی بھی زمین سات آدمیوں سے خالی نہ رہی۔ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین پر عذاب نہیں کرتا تھا۔

توضیح:

مذکورہ دونوں احادیث جن کی تصحیح امام بخاری اور مسلم کے نزدیک بھی مسلّم ہے اسی لیے ان پر کسی نے جرح نہیں کی ان دونوں احادیث میں سے پہلی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن کو سب سے بہترین قرن قرار دیا۔ اور بہتری جیسا کہ قرآنی آیت سے ثابت ہے وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتری ہو۔ اور وہ ایمان و توحید کا اقرار و تصدیق ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بھی کافر و مشرک نہ تھا۔ کیونکہ ولعبد مؤمن خیر من مشرک۔ کے واضح ارشاد سے عبد مومن کو مشرک اور کافر سے بہتر کہا گیا۔ اگر معاذ اللہ آپ کے والدین کو کافر یا مشرک کہا جائے۔ تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی حدیث پاک ”خیر قرون الخ“ کا انکار لازم آتا ہے۔ حالانکہ اس کی صحت مسلّم ہے اسی طرح دوسری حدیث شریف کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بعد ہر دور میں کم از کم سات آدمی اس شان و شوکت والے موجود رہے۔ کہ جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اہل زمین سے عذاب دُور کیے رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لازماً یہ سات افراد اپنے دور کے سب سے اعلیٰ درجہ کے مومن اور موحد ہوں گے کیونکہ کسی کافر اور مشرک کی وجہ سے اہل دنیا پر عذاب آتا تو ہے۔ رفع نہیں ہوتا۔ ان سات برگزیدہ انسانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد یقیناً شامل ہیں کیونکہ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کو زمانہ کے بہترین لوگ قرار دیا۔ لہٰذا اگر آپ کے والدین کریمین کو اسلام سے خارج قرار دیا جائے۔ تو پھر حدیث اول کے اعتبار سے کافر اور مشرک بہترین آدمی قرار پائے گا۔ اور یہ کتاب نص قرآنی کے بالکل خلاف ہے۔ لہٰذا ان دو احادیث اور آیت کریمہ ”ولعبد مومن خیر من مشرک“ کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک عقل مند یہی نتیجہ نکالے گا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بلکہ تمام آباؤ اجداد مومن موحد تھے۔ اور اپنے اپنے دور کے بہترین صاحبِ ایمان و توحید تھے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار
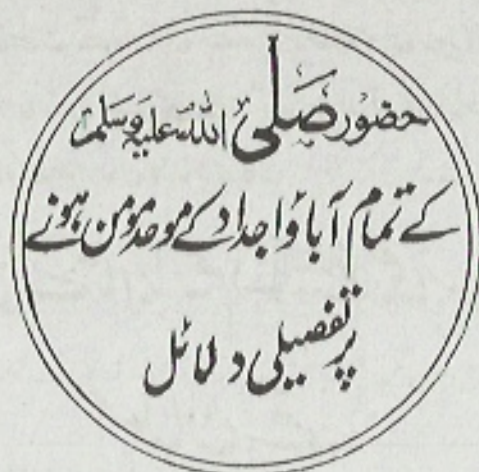
۱۔ آدم تا نوح (علیہما السلام) تمام لوگ موحد تھے :۔

البداية و النهاية:

وَ فِيْ صحيح البخاري عَنْ ابن عباس قَالَ كَانَ بَيْنَ
آدَمَ وَ نُوْحٍ عَشْرَةُ قُرُوْنٍ كُلُّهُمْ عَلَى الْاِسْلَامِ
فَاِنْ كَانَ الْمُرَادُ بِالْقَرْنِ مِائَةَ سَنَةٍ كَمَا
هُوَ الْمُتَبَادَرُ عِنْدَ كَثِيْرٍ مِنَ النَّاسِ فَبَيْنَهُمَا
اَلْفُ سَنَةٍ لَا مُحَالَةَ۔

(۱۔ البدایہ و النہایہ جلد ۱ صفحہ نمبر ص۱۰۱)

(۲۔ طبقات ابن سعد جلد اوّل صفحہ نمبر ۵۳
مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی

کہ آدم اور نوح علیہم السلام کے درمیان دس قرن تھے۔ ان تمام قرنوں
میں لوگ مسلمان تھے۔ اگر قرن سے مراد سو سال ہوں۔ جیسا کہ بہت
سے لوگوں کے نزدیک یہی ہے۔ تو پھر آدم اور نوح علیہم السلام کے
درمیان ایک ہزار سال کا زمانہ ہوگا۔

۲۔ نوح سے تا ابراہیم (علیہما السلام) بھی سب لوگ مسلمان تھے۔

طبقات ابن سعد:

عن ابن عباس قال وتزوج نوح امرأة من بني
قابيل فولدت له غلاما فسماه بوناطن فولد
بمدينة بالمشرق يقال له معلون شمسا۔
فلما ضاقت بهم سوق الثمانين تحولوا الى
بابل فبنوها وهي بين الفرات والعراق وكانت
اثني عشرة فرسخا في اثني عشر فرسخا وكان
بابها موضع دوران اليوم فوق جسر الكوفة
يسرة اذا عبرت فكثروا بها حتى بلغوا
مائة الف وهم على الاسلام .... وهم
ببابل حتى ملكهم نمرود بن كوش بن كنعان
بن حام بن نوح فدعاهم الى عبادة الاوثان ففعلوا

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۴۲ تا ۴۴)

ہماد ابن عباس بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے قابیل
کے خاندان میں سے ایک عورت سے شادی کی۔ اس سے ایک
بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام یوناطن رکھا گیا۔ اس کی پیدائش معلوم شمس جگہ پر ہوئی
پھر جب حضرت نوح کی اولاد اس قدر زیادہ ہو گئی۔ کہ بازار بھی ان کے
لیے تنگ ہو گئے۔ تو آپ اپنی اولاد کو لے کر بابل چلے گئے۔ وہاں
اپنے رہنے کے لیے مکانات بنا لیے۔ فرات اور دجلہ کے درمیان
۱۴۴ مربع میل پر یہ لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ اس آبادی کے مکانات
کا دروازہ کوفہ کے پل کی بائیں طرف تھا۔ جس جگہ کا نام دوران تھا
ان میں پھر اضافہ ہوا۔ حتیٰ کہ ایک لاکھ تک کی آبادی ہو گئی۔ اور یہ سب
کے سب مسلمان تھے۔ بابل میں ان کے رہتے ہوئے نمرود ابن کوش
ان کا حاکم بن گیا۔ یہ خود بت پرست تھا۔ اس لیے اس نے ان لوگوں
کو بھی بت پرستی کی دعوت دی۔ اور انہوں نے اس کا کہا مان
لیا۔

۱۔ ابراہیم علیہ السلام سے عمرو ابن لحیی تک

بھی سب مسلمان تھے۔

بدایۃ والنہایۃ:

وَ اسْتَمَرَّتْ خُزَاعَۃ عَلٰی وِلَایَۃِ الْبَیْتِ
نَحْوً امِنْ ثَلٰثِمِائَۃ سَنَۃٌ وَ قِیْلَ خَمْسِ
مِائَۃِ سَنَۃً ۔ وَاللّٰہ اعلم۔ وکان اَسُوْءُ

فیْ وِلَا یَتِہِمْ وَ ذَالِکَ لِاَنَّ فِیْ زَمَانِہِمْ کَانَ اَوَّلُ عِبَادَۃِ الْاَوْثَانِ بِالْحِجَازِ وَ ذَالِکَ بِسَبَبِ رَئِیْسِہِمْ عمرو بن لحی لَعَنَہُ اللہُ فَاِنَّہٗ اَوَّلُ مَنْ دَعَاھُمْ اِلٰی ذَالِکَ وَ کَانَ ذَا مَالٍ جَزِیْلٍ جِدًّا۔

(البدایۃ و النہایۃ جلد دوم ص ۱۸۷ قصہ خزاعہ)

ترجمہ: عمرو بن لحی خزاعی کے قبضے کے بعد بیت اللہ پر ان کی حکومت تین سو سال یا پانچ سو سال تک قائم رہی۔ یہ لوگ حکمرانی میں بہت بد تھے۔ کیونکہ ان کے دور میں سب سے پہلے بتوں کی پوجا کی جانے لگی۔ اور حجاز میں اس کی ابتداء ہوئی۔ جس کا سبب خود عمرو بن لحی تھا جو اس کا رئیس تھا۔ خدا اسے غارت کرے۔ اس نے سب سے پہلے بتوں کی پوجا کی دعوت دی۔ اور یہ شخص بہت بڑا مالدار تھا۔

سیرت حلبیہ:

و قال صلی اللہ علیہ و سلم لا کثم بن الجون الخزاعی و اسمہ عبد العزی و اکثم بالثاء الْمُثَلَّثَۃِ وَ ھُوَ فِی اللُّغَۃِ وَاسِعُ الْبُطْنِ یَا اَکْثَمُ رَاَیْتُ عمرو ابن لحی یَجُرُّ قُمَیْصَہٗ فِی النَّارِ فَمَا رَاَیْتُ رَجُلًا اَشْبَہَ مِنْ رَجُلٍ مِنْکَ بِہٖ وَلَا بِکَ مِنْہُ فَقَالَ اَکْثَمُ فَخَشِیَ اَنْ یَضُرَّ فِیْ شَبْہِہٖ یَارَسُوْلَ اللہِ قَالَ لَا اِنَّکَ مُؤْمِنٌ وَ ھُوَ کَافِرٌ اِنَّہٗ اَوَّلُ مَنْ غَیَّرَ دِیْنَ اِسْمَاعِیْلَ فَنَصَبَ

الاوثان أي و دين إسماعيل دين ابراهيم عليهما السلام
فان العرب من عهد إبراهيم إستمرت على
دينه لم يغيره احد الى عهد عمرو المذكور
(السيرة الحلبيه جلد اول ص ۱۰ مطبوعه بيروت
طبع جديد)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثم بن جون جس کا نام عبد العزی تھا فرمایا۔ اے اکثم! میں نے عمرو ابن لحی کو دوزخ کی آگ میں قمیص گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کا ہم شکل میں نے صرف تمہیں ہی دیکھا۔ تیرے اور اس کے چہرہ مہرہ میں کوئی فرق نہیں۔ اکثم بولا۔ کہ ممکن ہے۔ مجھے اس کی مشابہت سے نقصان اٹھانا پڑے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں کیونکہ تو مسلمان ہے اور وہ کافر تھا۔ وہی تھا۔ جس نے سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کے دین کو تبدیل کیا۔ اور پوجا کے لیے بت کھڑے کیے۔ دین اسلام دراصل دین ابراہیم علیہ السلام ہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کر عرب لوگ عمرو ابن لحی کے آنے تک سبھی مسلمان تھے اور اس کے سوا کسی نے دین ابراہیمی کو تبدیل نہیں کیا۔

الفتح الربانی:

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال كان الناس
بعد اسماعيل على الاسلام فكان الشيطن
يحدث الناس بالشئ يريد ان يردهم
عن الاسلام حتى ادخل عليهم في التلبية
لبيك اللهم لبيك لا شريك لك الا شريكا

هُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَ مَامَلَکَ۔ قَالَ فَمَا زَالَ حَتّٰی اَخْرَجَھُمْ عَنِ الْاِسْلَامِ اِلَی الشِّرْکِ۔

(فتح الباری جلد ۳ ص ۱۸۶)

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد دین ابراہیمی پر قائم رہے اور شیطان کوشش کرتا رہا کہ ان کو اسلام سے پھیر دے۔ یہاں تک کہ اس نے تلبیہ میں کچھ الفاظ زیادہ کرا دیئے۔ لبیک اللھم لبیک لا شریک الا شریکا الخ۔ کا اضافہ کر دیا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ پھر لوگوں نے تلبیہ میں مذکورہ الفاظ کہنے شروع کر دیئے۔ حتیٰ کہ شیطان نے انہیں اسلام سے نکال کر شرک میں داخل کر دیا۔

توضیح:۔

آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام کے دور تک تمام افراد کا مسلمان ہونا ہی ثابت ہوا۔ اور نوح علیہ السلام کے دور میں اگرچہ بت پرستی تھی۔ لیکن جب طوفانِ نوح آیا۔ تو ان بت پرستوں کافروں میں سے کوئی بھی بچ نہ سکا۔ اور جو افراد آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ اُن میں سے کسی کی نسل آگے نہ چلی۔ صرف آپ کی نسل باقی رہی۔ آپ ان کو لے کر پہلے یونان جا بسے۔ پھر افراد کی بکثرت کی وجہ سے بابل منتقل ہو گئے۔ اور یہاں نمرود کے زمانہ تک نمرود سے پہلے کوئی بدراہ نہ آیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود اور اس کے ساتھیوں کو تبلیغ فرمائی۔ بالآخر نمرود کا خاتمہ ہوا۔ اور ابراہیم علیہ السلام یہاں سے شام تشریف لے گئے۔ پھر شام سے اسماعیل علیہ السلام اور ہاجرہ علیہا السلام کو ساتھ لیا۔ اور بحکم خداوندی مکہ میں چھوڑ گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پشت سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جلوہ فرما ہوئے۔ جناب اسماعیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ۶۱ ویں دادا ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اکیس پشتوں تک کسی نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت نہ کی۔ اکیسویں پشت میں جناب عدنان کا نام آتا ہے۔ ان کے دور میں عمرو بن لحی پیدا ہوا۔ جس نے بنی اسماعیل پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور خانہ کعبہ کی قدیم تولیت جو اس گھرانے کے پاس چلی آ رہی تھی۔ اس سے بھی انہیں محروم کر دیا۔ اور چونکہ عمرو ابن لحی بُت پرستی کا دلدادہ تھا۔ اس لیے اُس نے اپنے دورِ اقتدار میں بُت پرستی کا رواج ڈالا۔ حتیٰ کہ کعبہ پاک میں بھی ساڑھے تین سو کے لگ بھگ بُت نصب کر دیئے۔ عمرو بن لحی کا اقتدار تین صدیوں یا پانچ صدیوں پر محیط رہا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا قصی بن کلاب نے تمام عرب کو جمع کیا۔ اور دوبارہ کعبہ کا قبضہ حاصل کر لیا۔ لیکن کعبہ کو بتوں سے خالی نہ کر سکے۔ بالآخر یہ کام سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرانجام دیا۔ ان حقائق کے پیشِ نظر ایک سوال ابھرتا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام سے جناب عدنان تک تو مسلمان ہونا ثابت ہوا۔ لیکن عدنان کے دور میں جب عمرو ابن لحی نے کعبہ پر قبضہ کر لیا اس وقت سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ تک کی پشتوں کا مسلمان ہونا ثابت کرنا پڑے گا۔ اس لیے ہم اس کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان آباؤ اجداد کا سلسلہ وار ذکر ہو گا۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے اسلام کے بارے میں گفتگو ہو گی۔ ان کے عقائد اور مسلک کی وضاحت ہو گی۔

☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جناب عدنان تک کا نسب نامہ

طبقات ابن سعد:

نسب النبی صلی اللہ علیہ و سلم محمد الطیب المبارک ابن عبد اللہ بن عبد المطلب[2] و اسمہ شیبۃ الحمد بن ہاشم[3] و اسمہ عمرو بن عبد مناف[4] و اسمہ المغیرہ بن قصی[5] و اسمہ زید بن کلاب[6] بن مرۃ[7] بن کعب[8] بن لوی[9] بن غالب[10] بن فہر[11] و الی فہر جماع قریش و ما کان فوق فہر فلیس یقال لہ قرشی یقال لہ کنانی و ہو فہر بن مالک[12] بن النضر[13] و اسمہ قیس بن کنانہ[14] بن خزیمہ[15] بن مدرکہ[16] و اسمہ عمرو بن الیاس[17] بن مضر[18] ابن نزار[19] بن معد[20] بن عدنان[21]۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۵۵ تا ۵۶)

ان اکیس آباؤ اجداد میں سے بعض وہ ہیں۔ جن کے متعلق احادیث میں تصریحات موجود ہیں۔ کہ وہ مسلمان تھے۔ اور جن کے متعلق صراحت

نہیں۔ ان کے بارے میں ایک وصیت کا پتہ چلتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ تک ہر ایک اپنے جانشین کو یہ کہتا چلا آیا ہے۔ کہ میرے پاس ایک نور منتقل ہوتا آ رہا ہے اور اب وہ تمہارے پاس منتقل ہوا ہے۔ اس کو پاکیزہ رحم میں رکھنا۔ کیونکہ وہ نور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس وصیت اور بعض حدیثی تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد سبھی پاکیزہ مسلمان اور موحد تھے۔

عدنان، معد، خزیمہ، ربیعہ اور اسد دین ابراہیمی پر تھے

زرقانی:

عن ابن عباس قال کان عدنان و معد و ربیعۃ و خزیمۃ و اسد علی ملۃ ابراھیم فَلَا تَذْکُرُوْھُمْ اِلَّا بِخَیْرٍ وَرَوَی الزبیر بن بکار مَرْفُوْعًا لَا تَسُبُّوْا مضر ولا ربیعۃ فَاِنَّھُمَا کَانَا مسلمین۔

(زرقانی شرح مواھب جلد اول ص ۶۵)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ عدنان معد، ربیعہ، خزیمہ اور اسد ملت ابراہیمی پر تھے۔ لہٰذا ان کا تذکرہ اچھائی کے ساتھ کیا کرو۔ اور زبیر بن بکار سے مرفوعاً مروی ہے

کہ مضر اور ربیعہ کو برا بھلا مت کہو۔ وہ دونوں مسلمان تھے۔

سیرت حلبیہ:

لَا تَسُبُّوْا مُضَر فَاِنَّهٗ كَانَ عَلٰى دِيْنِ اسماعيل عليه السلام۔

(سیرت حلبیہ جلد اول ص ۲۷)

ترجمہ: مضر کو گالی مت دو۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔

جناب معد کی نسل کا عظیم انتظامِ حفاظت

البدایۃ والنہایۃ:

اِنَّ مَعَدَ بن عدنان كَانَ عُمْرُهٗ زَمَنَ بخت نصر ثَنْتَيْ عشرة سَنَةً وَقَدْ ذَكَرَ ابو جعفر الطبري وغيره اَنَّ اللهَ تَعَالٰى اَوْحٰى فِيْ ذَالِكَ الزَّمَانِ الى ارميا بن حلقيا اَنْ اذْهَبْ اِلٰى بخت نصر فَاَعْلِمْهُ اَنِّيْ قَدْ سَلَّطْتُهٗ عَلَى الْعَرَبِ وَاَمَرَ اللهُ ارميا اَنْ يَحْمِلَ مَعَهٗ معد بن عدنان عَلَى الْبُرَاقِ كَيْ لَا تُصِيْبَهُ النِّقْمَةُ فِيْهِمْ فَاِنِّيْ مُسْتَخْرِجٌ مِنْ صُلْبِهٖ نَبِيًّا كَرِيْمًا اَخْتِمُ بِهِ الرُّسُلَ فَفَعَلَ ارميا بِذَالِكَ وَاحْتَمَلَ معد عَلَى الْبُرَاقِ اِلٰى اَرْضِ شَامٍ فَنَشَاَ مَعَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مِمَّنْ بَقِيَ مِنْهُمْ بَعْدَ خَرَابِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَتَزَوَّجَ هُنَاكَ

اِمْرَأَةً اِسْمُهَا معانتہ بنت جوش مِنْ بَنِیْ جُرْہُمٍ قَبْلَ اَنْ یَّرْجِعَ اِلٰی بِلَادِہٖ ثُمَّ عَادَ بَعْدَ اَنْ هَدَأَتِ الْفِتَنُ وَ تَمَحَّضَتِ الْجَزِیْرَۃُ الْعَرَبِ وَكَانَ رحیا كَاتِبَ ارمیا قَدْ كَتَبَ نَسَبَهٗ فِیْ كِتَابٍ عِنْدَهٗ لِیَكُوْنَ فِیْ خَزَانَةِ ارمیا فَیُحْفَظُ نَسَبُهٗ مَعَهٗ كَذَالِكَ ـ

(۱- البدایۃ والنہایۃ جلد دوم ص ۱۹۴)

(۲- مسالک الحنفاء ص ۳۹)

(۳) سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ ۲۸)

ترجمہ: بخت نصر کے زمانہ میں جناب معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی ابو جعفر طبری وغیرہ نے ذکر کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ارمیاء بن حلقیا کی طرف وحی بھیجی۔ کہ تم بخت نصر کے پاس جاؤ۔ اور اُسے بتاؤ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے عرب پر مسلط کر دیا ہے۔ اور اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے۔ کہ معد بن عدنان کو اپنے ساتھ براق پر سوار کر کے لے جاؤ۔ تاکہ انہیں کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ کیونکہ میں معد بن عدنان کی پشت سے ایک کریم پیغمبر کو ظاہر کرنے والا ہوں۔ جس پر میں سلسلہ رسالت ختم کروں گا۔ تو ارمیاء نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور معد بن عدنان کو براق پر سوار کر کے اپنے ساتھ شام لے آیا۔ تو یہاں باقی ماندہ بنی اسرائیل کے ساتھ انہوں نے بھی نشوونما پائی۔ یہ بیت المقدس کی خرابی کے بعد کا واقعہ ہے پھر معد بن عدنان نے ایک معانتہ بنت جوش نامی عورت سے

شادی کی۔ جو قبیلہ جرہم سے تھی۔ پھر فتنہ ختم ہوئے پر آپ واپس اپنے علاقہ میں آگئے۔ رخیا نامی شخص ارمیاء کا کاتب تھا۔ اس نے ان کا نسب نامہ لکھ رکھا تھا۔ اور وہ محفوظ تھا۔

سیرت حلبیہ:

كَانَ عَدْنَان فِيْ زَمَنِ عيسٰى عليه السلام وَقِيْلَ فِيْ زَمَنِ مُوْسٰى عليه السلام قَالَ الحافظ ابن حجر وَهُوَ اَوْلٰى وَمِمَّا يُضْعِفُ الْاَوَّلُ مَا فِيْ الطبرانى عن ابى امامة الباهلى رضى الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لَمَّا بَلَغَ وُلْدُ مَعْدِ بْنِ عَدْنَانَ اَرْبَعِيْنَ رَجُلًا وَقَعُوْا فِيْ عَسْكَرِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السلام فَانْتَهَبُوْا فَدَعَا عَلَيْهِمْ مُوْسٰى عليه السلام فَاَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى لَا تَدْعُ عَلَيْهِمْ فَاِنَّ مِنْهُمُ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الْبَشِيْرَ النَّذِيْرَ۔

(سیرت حلبیہ جلد اوّل ص ۲۸)

ترجمہ:۔ عدنان حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں تھے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے دور میں تھے حافظ ابن حجر نے اس دوسرے قول کو قوی قرار دیا۔ اور پہلے کے ضعف پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے۔ جو طبرانی میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ فرمایا۔ جب معد بن عدنان کی اولاد میں چالیس مرد

ہو گئے۔ تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فوج پر حملہ کر دیا اور
خوب لوٹ مار مچائی۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے
لیے بددعا کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ کو بذریعہ وحی بددعا
سے روکا۔ اور فرمایا۔ دیکھو ان میں ایک عظیم الشان امی، بشیر و نذیر
پیغمبر تشریف لانے والا ہے۔

لمحہ فکریہ:

جناب معد بن عدنان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیسویں دادا
یں۔ اور ان کی حفاظت کا اہتمام اس طور پر کیا گیا۔ کہ وقت کے پیغمبر کو اللہ تعالیٰ
نے بذریعہ وحی انہیں اپنے ساتھ لے جانے کا حکم دیا۔ اور انہیں ہر قسم کے
نقصان سے محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا۔ اور پھر جب ان کے بیٹوں نے حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی فوج پر حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچایا۔ تو موسیٰ علیہ السلام
کو ان کے لیے بددعا کرنے سے صرف اس لیے منع کر دیا گیا۔ کہ ان کی پشتوں
میں اللہ تعالیٰ کے محبوب اکرم جلوہ فرما تھے۔ رہا یہ اختلاف کہ جناب معد کا دور
حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام میں سے کس کا تھا؟ تو سیرت حلبیہ میں
حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق دور موسوی کے ہونے کو ترجیح ہے۔ لیکن یہ ایک
ری بحث ہے۔ اور اس میں تطبیق بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ
جناب موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بروایت ابن سعد تقریباً
سو سال کا طویل عرصہ ہے۔ اب اتنے طویل عرصہ میں ایک شخص کا موجود
رہنا ناممکن ہے۔ یہ اختلاف اپنی جگہ پر لیکن معد اور عدنان کے مسلمان ہونے
اور حضرت عیسیٰ یا موسیٰ علیہما السلام کے دور کے بہترین افراد ہونے پر کوئی

اختلاف نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کے ان کی پشتوں میں ہونے کی وجہ سے ان کی ہر ممکن مدد فرمائی۔ اور جب ابو امامہ باہلی سے مروی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر نظر پڑتی ہے۔ تو اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس طرح اس دور کے پیغمبر حضرت ارمیا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی یہ بتادیا تھا۔ کہ معد وہ شخص ہے۔ کہ جس کی نسل سے خاتم الانبیاء تشریف لائیں گے۔ اور جس طرح حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے بد دعا سے یہ کہہ روکا۔ کہ ان میں بشیر و نذیر پیغمبر آنے والے ہیں۔ تو اسی طرح خود حضرت معد کو بھی ان حضرات نے بتایا ہوگا۔ کہ تمہارے بارے میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ وحی بھیجی ہے۔ ان تمام حالات کو سامنے رکھ کر یہی نتیجہ سامنے آتا ہے۔ کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کو اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں مکرم و محترم رکھا۔ ان کی حفاظت کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ ان کے بارے میں ان کے دور کے پیغمبر کو بذریعہ وحی اس بات کی اطلاع کی گئی کہ یہ لوگ بھی آخرالزمان کے نور کے حاملین ہیں۔ ان تمام تر اہتمام کے ہوتے ہوئے پھر آپ کے آباؤ اجداد کے بارے میں کفر و شرک کا قول کرنا کس طرح زیب دیتا ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ آپ کے جملہ آباؤ اجداد موحد مسلمان اور معزز و مکرم تھے۔

☆

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انیسویں دادا نزار کا بیان

زرقانی :-

اِنَّہٗ لَمَّا وُلِدَ وَنَظَرَ اَبُوْہُ اِلٰی نُوْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ عَیْنَیْہِ وَ ھُوَ نُوْرُ النُّبُوَّۃِ الَّذِیْ کَانَ یَنْتَقِلُ فِی الْاَصْلَابِ فَرِحَ فَرْحًا شَدِیْدًا وَ نَحَرَ وَاَطْعَمَ فَقَالَ اِنَّ ھٰذَا کُلَّہٗ نَزْرٌ اَیْ قَلِیْلٌ لِحَقِّ ھٰذَا الْمَوْلُوْدِ فَسُمِّیَ نِزَارًا لِذٰلِکَ وَبِھٰذَا الْقِیْلِ جَزَمَ السھیلی وَتَبِعَہُ النور والخمیس وَ زَادَ اَنَّہٗ خَرَجَ اَجْمَلَ اَھْلِ زَمَانِہٖ وَ اَکْبَرَھُمْ عَقْلًا وَ قَالَ ابو الفرج الاصفھانی سُمِّیَ بِذٰلِکَ لِاَنَّہٗ کَانَ فَرِیْدَ عَصْرِہٖ -

(زرقانی جلد اوّل ص ۷۶)

ترجمہ :- جناب معد نے جب بوقت پیدائش اپنے بیٹے نزار کو دیکھا تو ان میں نور محمدی نظر آیا۔ جو نور نبوت تھا۔ اور ان کی دونوں

آنکھوں کے درمیان جلوہ گر تھا۔ یہ وہی نور تھا۔ جو مختلف پشتوں سے منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا۔ تو اُسے دیکھ کر انتہائی فرحت و مسرت کا اظہار کیا۔ اور قربانی کر کے لوگوں کو گوشت کھلایا۔ اور پھر کہنے لگے۔ یہ سب کچھ اس نومولود کی خوشی میں بہت کم ہے۔ اسی لیے اس نومولود کا نام نزار رکھا گیا۔ اور سہیلی نے اس قول پر جزم کیا اور صاحب النور اور صاحب الخمیس نے بھی ان کی اتباع میں اپنے جزم کا اظہار کیا اور مزید یہ کہا۔ کہ جناب نزار اپنے دور کے تمام لوگوں سے زیادہ صاحب حسن و جمال تھے۔ اور عقل کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ابوالفرج اصبہانی نے کہا۔ کہ نزار کے نام رکھنے کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ یکتائے زمانہ تھے۔

توضیح :-

جناب معد بن عدنان کے بارے میں صریح عبارت گزر چکی ہے۔ کہ وُہ مسلمان تھے۔ اب ان کے ہاں پیدا ہونے والا بیٹا نزار نامی جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انیسویں دادا ہیں۔ ان کی پیشانی میں نور نبوت کی موجودگی کی شہادت بھی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اور ان کے حسن و جمال اور یکتائے روزگار ہونے کا قول بھی دیکھ چکے۔ اب ان شواہد کے ہوتے ہوئے جناب معد اور ان کے صاحبزادے نزار کے ایمان و اسلام اور توحید پر قائم ہونے میں کیسے شک ہو سکتا ہے؟

✤

مسالک الافہام :-

عن عبد الرحمن بن ابی بکر الصدیق
عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قَالَ
لَا تَسُبُّوْا رَبِیْعَۃَ وَلَا مُضَرَ فَاِنَّہُمَا کَانَا
مُسْلِمَیْنِ۔ و اخرج بسندہ عن عائشۃ اَنَّ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال لا تسبوا
تَمِیْمًا وَلَا ضَبَّۃَ فَاِنَّہُمْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۔ وَ
اخرج بسندہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
قال قال لَا تَسُبُّوْا اِلْیَاسَ فَاِنَّہٗ کَانَ مُسْلِمًا
قال السہیلی وَ یُذْکَرُ عن النبی صلی اللہ
علیہ و سلم اَنَّہٗ قَالَ لَا تَسُبُّوْا اِلْیَاسَ فَاِنَّہٗ
کَانَ مُسْلِمًا مُؤْمِنًا وَ ذُکِرَ اَنَّہٗ کَانَ یَسْمَعُ فِیْ
صُلْبِہٖ تَلْبِیَۃَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْحَجِّ ۔

(مسالک الافہام ص ۳۰)

ترجمہ:

عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ربیعہ اور مضر کو گالی نہ دو وہ دونوں مسلمان تھے۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم اور ضبۃ کو گالی دینے سے منع فرما دیا۔ کیونکہ وہ مسلمان تھے۔ ابن عباس سے مروی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس کو گالی دینے سے روک دیا کیونکہ وہ مسلمان تھے۔ سہیلی نے ذکر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مذکور ہے ..... کہ الیاس کو گالی نہ دو۔ وہ مومن اور مسلمان تھے۔ اور یہ بھی ذکر کیا۔ کہ جناب الیاس دوران حج اپنی پشت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ سنتے تھے۔

جناب الیاس کے اپنی پشت سے تلبیہ کی آواز سننے اور ان کے وقار اور عظمت کا بیان

زرقانی:۔

اِنَّهٗ كَانَ يَسْمَعُ فِىْ صُلْبِهٖ تَلْبِيَةَ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم بِالْحَجِّ وَفِى الْمُنْتَقٰى كَانَ يَسْمَعُ مِنْ ظَهْرِهٖ اَحْيَانًا دَوِىَّ تَلْبِيَةِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم بِالْحَجِّ وَ لَمْ تَزَلِ الْعَرَبُ تُعَظِّمُهٗ تَعْظِيْمَ

اهلِ الحِکمۃِ کلقمان و اشباهہ و کان یُدعیٰ کبیرَ قومِہٖ و سیّدَ عشیرتِہٖ و لا یُقطع امرٌ و لا یُقضی بینھم دونہ قال الزبیر بن بکار و لمّا ادرک الیاس انکر علیٰ بنی اسماعیل ماغیّروا من سُننِ اٰبائہم و سیرِھم و بان فضلُہ علیہم و لانَ جانبُہ لہم حتی جمعھم رائیہ و رضوا بہ فردّھم الی سُننِ اٰبائہم و سیرِھم قال ابن دحیہ و ھو وصیّ ابیہ و کان ذا جمالٍ بارع قال السھیلی و یذکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبّوا الیاس فانّہ کان مؤمنًا۔

(۱۔ زرقانی جلد اوّل ص ۷۸،۷۹)(۲۔ سیرت حلبیہ جلد اول ص ۲۷)(۳۔ مسالک الحنفا ص ۳۰)

ترجمہ: جناب الیاس رضی اللہ عنہ اپنی پشت میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیۂ حج سنا کرتے تھے۔ المنتقیٰ میں ہے۔ کہ آپ کا تلبیہ کبھی کبھار پیٹھ سے بھی سنتے تھے۔ عرب میں جناب الیاس کی تعظیم اس طرح کی جاتی جسطرح کسی اہل حکمت کی جیسا کہ حکیم لقمان وغیرہ۔ آپ کو اپنی قوم کا بڑا آدمی اور قبیلہ کا سردار کہا جاتا تھا۔ اور کسی معاملہ کا فیصلہ یا اس کا طے کرنا ان کے بغیر نہیں ہوا کرتا تھا۔ زبیر بن بکار کہتے ہیں۔ کہ جب جناب الیاس نوجوان ہوئے۔ تو انہوں نے بنی اسماعیل کے رویہ پر اعتراض کیا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے طریقے اور ان کی سیرت کو

کو تبدیل کر دیا تھا۔ ابن دحیہ کے بقول جناب الیاس اپنے والد کے وصی تھے۔ بہت خوبصورت اور پرہیز گار تھے۔ انہیں نے کہا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ آپ نے الیاس کو گالی دینے سے منع فرمایا۔ کیونکہ وہ مسلمان تھے۔

لمحہ فکریہ:

علامہ زرقانی وغیرہ کے حوالہ جات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سترھویں دادا جناب الیاس کا مقام و مرتبہ آپ نے ملاحظہ کیا۔ اپنے خاندان میں نہایت ہی باعزت، باوقار اور متبرک شخصیت ہونے کے ساتھ انہیں یہ سعادت بھی حاصل تھی۔ کہ اپنی پشت سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ سنتے تھے۔ یہ تلبیہ بوقت حج ہی ہوتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب الیاس اپنے دور میں خانہ کعبہ کا حج و طواف کیا کرتے تھے۔ اور خود بھی تلبیہ کہتے تھے۔ اسی تلبیہ کے الفاظ میں سے "لاشریک لک"، بھی موجود ہے۔ جس میں توحید کا اقرار و اعتقاد موجود ہے۔ لہذا ثابت ہوا۔ کہ جناب الیاس رضی اللہ عنہ مومن اور موحد تھے اور پھر خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ جناب الیاس کو گالی نہ دو وہ مسلمان تھے۔ تو جن کے مسلمان ہونے کی تصدیق خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں اُن کے ایمان و اسلام میں شک کس طرح ہو سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سولہویں دادا جناب مدرکہ مومن تھے

سیرت حلبیہ:

ومدرکہ اسمہ عمرو وقیل لہ مدرکہ لانہ ادرک کل عز و فخر کان فی آبائہ وکان فیہ نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای ولعل المراد ظہورہ فیہ۔

(۱۔سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۲۶) (۲۔زرقانی جلد اول ص ۷۸)

ترجمہ: جناب مدرکہ کا نام عمرو تھا۔ اور مدرکہ نام کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی عزت و فخر اپنے اندر جمع کر لیا تھا۔ اور اُن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بھی تھا یعنی اُن میں آپ کے نور کا ظہور تھا۔

توضیح:

جناب مدرکہ میں وہ تمام کمالات جو ان کے آباؤ اجداد میں تھے یعنی کم از کم اپنے والد جناب الیاس رضی اللہ عنہ کی عزت و فخر کے حامل تھے۔ اور جناب الیاس کے بارے میں ابھی ہم تحریر کر چکے ہیں۔ کہ وہ مومن اور معزز شخصیت تھے لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ جناب مدرکہ بھی مومن تھے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ان میں سے لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نبوت کی جھلک دیکھا کرتے تھے۔

☆

آپ کے چودھویں دادا کنانہ بھی مومن تھے

سیرت حلبیہ:

قِيْلَ لَهٗ كِنَانَةُ لِاَنَّهٗ لَمْ يَزَلْ فِيْ كِنٍّ مِنْ قَوْمِهٖ وَقِيْلَ لِسَتْرِهٖ عَلٰى قَوْمِهٖ وَحِفْظِهٖ لِاَسْرَارِهِمْ وَكَانَ شَيْخًا حَسَنًا عَظِيْمَ الْقَدْرِ تَحُجُّ اِلَيْهِ الْعَرَبُ لِعِلْمِهٖ وَفَضْلِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ قَدْ اٰنَ خُرُوْجُ نَبِيٍّ مِنْ مَكَّةَ يُدْعٰى اَحْمَدَ يَدْعُوْ اِلَى اللّٰهِ وَاِلَى الْبِرِّ وَالْاِحْسَانِ وَمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ فَاتَّبِعُوْهُ تَزْدَادُوْا شَرَفًا وَعِزًّا اِلٰى عِزِّكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا وَلَا تُكَذِّبُوْا مَا جَاءَ بِهٖ فَهُوَ الْحَقُّ۔

(سیرت حلبیہ جلد اوّل ص ۲۶)

ترجمہ: جناب کنانہ کو اس لیے اس نام سے پکارا جاتا رہا۔ کیونکہ وہ اپنی قوم کے محافظ تھے۔ اور ان کے اسرار کے نگہبان تھے۔ آپ خوبصورت شخصیت کے مالک تھے بہا عزت تھے۔ اور تمام عرب آپ کے علم و فضل کی وجہ سے آپ کے پاس آتے جاتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے۔ کہ اب وقت آن پہنچا ہے۔ کہ مکہ سے ایک پیغمبر ظاہر ہو۔ جس کا اسم احمد ہوگا۔ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے گا۔ اور نیکی و احسان کی دعوت

دے گا۔ اور اچھے اخلاق پیش کرے گا۔ لہٰذا تم اس کی اتباع کرو گے۔ تو عزت و وقار میں اضافہ پاؤ گے۔ اور اُن کو جھٹلانا نہیں۔ کیونکہ وہ جو کچھ پیش کریں وہی حق ہو گا۔

توضیح:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چودھویں دادا نے جس بھرپور انداز میں حضور نبی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری، آپ کی تعلیمات اور اس کے اتباع و انکار کے فوائد و نقصانات بیان فرمائے۔ یہ سب باتیں اُن کے مسلمان موحد ہونے پر دو ٹوک انداز میں دلالت کرتی ہیں۔ ایسی صراحت کے بعد اس کے خلاف عقیدہ رکھنے کی کونسی توجیہ معقول کہلا سکتی ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پندرھویں دادا جناب خزیمہ کا ایمان

زرقانی:-

و فی الخمیس انما سمی خزیمۃ تصغیر خزمۃ لِاَنَّہٗ اِجْتَمَعَ فِیْہِ نُوْرُ اٰبَائِہٖ وَفِیْہِ نُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ابن عباس مَاتَ خُزَیمۃ عَلٰی مِلَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ۔

(زرقانی جلد اوّل ص ۷۷)

ترجمہ: تاریخ الخمیس میں ہے۔ کہ جناب خزیمہ کو جو خزم کی تصغیر ہے

اس لیے یہ نام دیا گیا۔ کہ ان میں ان کے آباؤ اجداد کا نور جمع تھا۔ اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بھی (جھلکتا) تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ جناب خزیمہ کا انتقال ملتِ ابراہیمی پر ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرھویں جدِ امجد جناب نضر کا صاحبِ ایمان ہونا

مسالک الحنفاء:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا قَیْسًا فَاِنَّہٗ کَانَ مُسْلِمًا

(۱۔ مسالک الحنفاء ص ۳۰) (۲۔ الحاوی للفتاوی جلد ۲۔ ص ۲۲۴)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس کو گالی دینے سے منع فرمایا۔ کیونکہ وہ مسلمان تھے۔

نوٹ: "قیس" دراصل جناب نضر کا اصلی نام ہے۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ نضر واسمہ قیس ان کا بھی نام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبِ ایمان فرما دیا۔ اس کے بعد اور کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

۞

جناب کعب، لوی، غالب، فہر اور مالک رضی اللہ عنہم مومن تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھویں دادا جناب کعب سے اوپر چار پشتوں (یعنی لوی، غالب، فہر اور مالک) کے بارے میں صاحب ایمان ہونے کی اگرچہ صراحۃً کوئی روایت نہ مل سکی لیکن قرائن سے اور ما بعد و ما سبق کے اعتبار سے ان کا صاحب ایمان ہی راجح ہے۔ کیونکہ جناب مالک کے والد جناب نضر (قیس) کا تو صراحۃً مومن ہونا۔ ابن عباس کی روایت میں ابھی گزر چکا ہے۔ اور ایک مومن کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ بظاہر مومن ہی کہلائے گا۔ جب تک اس کے خلاف کی صراحت موجود نہ ہو۔

اور یہ حقیقت ہے۔ کہ ان کے کفر و شرک کے اثبات پر کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی۔ اس لیے ان کا مومن ہونا اور ثابت کرنا راجح اور اولیٰ ہے۔ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں جو تحقیق کی۔ ہو سکتا ہے۔ کہ انہیں قابل اعتماد کوئی روایت ملی ہو۔ جو ان چاروں حضرات کے مومن ہونے کو بالتصریح ثابت کرتی ہو۔ اسی لیے انہوں نے بھرپور انداز میں ان چاروں کے بارے میں کہا۔

مسالک الحنفاء:

فَحَصَلَ مِمَّا اَوْرَدْنَاهُ اَنَّ اٰبَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَبْدِ اِبْرَاهِيْمَ اِلٰى كَعْبِ بْنِ لُوَيٍّ كَانُوْا كُلُّهُمْ عَلٰى دِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ۔ (مسالک الحنفاء ص ۳۰)

ترجمہ: ہم نے جو کچھ تحریر کیا۔ اس کا حاصل یہ ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور اقدس سے کعب بن لوئی تک سبھی دینِ ابراہیمی پر تھے۔

اسی موضوع پر صاحب انوارِ محمدیہ نے آدم علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی جناب عبد اللہ تک کے تمام حضرات میں ایک وصیت کا جاری وساری رہنا ذکر کیا۔ ملاحظہ ہو۔

انوارِ محمدیہ:

وَقَدْ وَلَدَتْ حَوَّاءُ مِنْ اٰدَمَ اَرْبَعِیْنَ وَلَدًا فِیْ عِشْرِیْنَ بَطْنًا وَوَضَعَتْ شِیْثًا وَحْدَہٗ کَرَامَۃً لِسَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ نُوْرَہٗ اِنْتَقَلَ مِنْ اٰدَمَ اِلٰی شِیْثٍ وَقَبْلَ وَفَاتِہٖ جَعَلَہٗ وَصِیًّا عَلٰی وَلَدِہٖ ثُمَّ اَوْصٰی شِیْثٌ وَلَدَہٗ بِوَصِیَّۃِ اٰدَمَ اَنْ لَّا یَضَعَ ھٰذَا النُّوْرَ اِلَّا فِی الْمُطَھَّرَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَلَمْ تَزَلْ ھٰذِہِ الْوَصِیَّۃُ جَارِیَۃً تَنْتَقِلُ مِنْ قَرْنٍ اِلٰی قَرْنٍ اِلٰی اَنْ اَدَّی اللّٰہُ النُّوْرَ اِلٰی عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَوَلَدِہٖ عَبْدِ اللّٰہِ وَطَھَّرَ اللّٰہُ ھٰذَا النَّسَبَ الشَّرِیْفَۃَ مِنْ سِفَاحِ الْجَاھِلِیَّۃِ کَمَا وَرَدَ عَنْہُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فِی الْاَحَادِیْثِ الْمَرْضِیَّۃِ۔

(انوارِ محمدیہ من المواہب اللدنیہ ص۱۵)

ترجمہ: جناب حوّا نے آدم علیہ السلام کے چالیس بیٹوں کو بیس حملوں کے

ذریعہ جنا۔ اور پھر جناب شیث اکیلے جنے۔ اس کی وجہ ہمارے سردار
جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت تھی۔ کیونکہ آپ کا نور
جناب آدم سے حضرت شیث کی طرف منتقل ہوا۔ اور آدم علیہ السلام
نے انتقال سے قبل انہیں اسی بارے میں وصیت کی۔ پھر حضرت
شیث نے اپنے بیٹے کو وصیت آدم کی۔ وہ یہ کہ اس نور محمدی کو
صرف پاکیزہ عورتوں کے رحم کے سپرد کرنا۔ یہ وصیت لگاتار جاری
رہی۔ حتیٰ کہ یہ نور اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب اور پھر ان کے صاحبزادے
عبداللہ تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے نسب شریف کو جاہلیت
کے سفاح سے بچائے رکھا۔ جیسا کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے احادیث میں بیان فرمایا ہے۔

روایت مذکورہ سے ثابت ہوا۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے نور محمدی
صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ وصیت چلی۔ کہ اسے پاکیزہ عورتوں کے
رحم میں منتقل کرنا۔ اور یہ وصیت چلتے چلتے جناب کعب بن لوی تک پہنچی تو
انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دی۔ اور آپ کے
کمالات ذکر کیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر پشت
آپ کے نور پاک کو جانتی تھی۔ اور پھر یہ بھی جانتی تھی کہ اب وہ کس کی طرف
منتقل ہوا ہے۔ جناب کعب بن لوی کی بشارت اور آپ کے کمالات کا بیان
کرنا مندرجہ ذیل عبارت میں بخوبی بیان کیا گیا ہے۔

دلائل النبوۃ:

عن ابی سلمۃ ابن عبد الرحمٰن بن عوف
قال کان کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن

مالک یجمع قومہ یوم الجمعۃ وکانت
قریش تسمی یوم الجمعۃ عروبۃ فیخطبھم
فیقول اما بعد۔ فاسمعوا وتعلموا وافھموا
لیل ساج ونھار ضاح والارض مھاد والسماء
بناء والجبال اوتاد والنجوم اعلام والاولون
کالآخرین والانثی والذکر والزوج الی بلی
صائرین فصلوا ارحامکم واحفظوا اصھارکم
وثمروا اموالکم فھل رایتم من ھالک رجع
او میت نشر الدار امامکم والظن غیر ما تقولون
حرمکم زینوہ وعظموہ وتمسکوا بہ فسیاتی
لہ نبا عظیم وسیخرج منہ کریم ثم یقول
نھار ولیل کل اوب بحادث۔ سواء علینا لیلھا ونھارھا
یؤوبان بالاحداث حین تاوبا۔ وبالنعم الضافی علینا ستورھا
علی غفلۃ یاتی النبی محمد۔ فیخبر اخبارا صدوق خبیرھا
ثم یقول واللہ لو کنت فیھا ذا سمع وبصر
ویدٍ ورجلٍ لتنصبت فیھا تنصب الجمل ولا
رقلت فیھا ارقال الفحل ثم یقول۔
یا لیتنی شاھد فحواء دعوتہ۔ حین العشیرۃ
تبغی الحق خذلانا۔

(دلائل النبوۃ للحافظ ابی نعیم ص ۱۰۶ تا ۱۰۷ مطبوعہ حلب)

ترجمہ: ابو سلمہ ابن عبدالرحمن بن عوف سے مروی ہے کہ کعب بن

لوی اپنی قوم کو جمعہ کے دن اکٹھا کرتے تھے۔ اور قریش جمعہ کے دن کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ پھر جناب کعب لوگوں سے کہتے۔ اما بعد سنو اور جانو اور سمجھو۔ رات تاریک ہے۔ دن روشن ہے۔ زمین بچھونا ہے۔ آسمان چھت ہے۔ پہاڑ میخیں ہیں۔ اور ستارے علامتیں ہیں پہلے لوگ پچھلے لوگوں کی طرح ہیں۔ اور مرد وزن اور ہر جوڑا فنا کے راستہ پر چل رہا ہے۔ صلہ رحمی کیا کرو۔ سسرال کی حفاظت کرو۔ اپنے مال کا پھل کھاؤ۔ کیا تم نے کسی ہلاک ہونے والے کو واپس آتے یا میت کو اٹھتے ہوئے دیکھا ہے؟ آخرت تمہارے سامنے ہے۔ جس کے متعلق تمہارے عقائد حقیقت پر مبنی نہیں ہیں اپنے حرم کو خوبصورت کرو۔ اس کی تعظیم کرو۔ اس کی عزت کرو عنقریب تمہارے پاس ایک عظیم خبر آ رہی ہے۔ اور بہت جلد ایک کریم پیغمبر تشریف لا رہے ہیں۔ اس کے بعد جناب کعب کہتے۔ دن اور رات کا ہر چکر پہلے سے مختلف ہے۔ اس میں دن رات ایک ہی جیسے ہیں۔ ان کا ہیر پھیر انتہائی نئے حادثات رونما کر رہا ہے۔ مگر زمانے نے ہم پر بڑے بڑے پردے ڈال رکھے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اچانک تشریف فرما ہونے والے ہیں جو نہایت سچے مخبر کی طرف سے ہمیں خبریں دیں گے۔

اس کے بعد کعب پھر یوں کہتے۔

خدا کی قسم اگر میں اس وقت سننے، دیکھنے اور چلنے پھرنے کی صلاحیت رکھتا اور زندہ رہتا تو ان کی خدمت کے لیے اونٹ کی طرح مشقت برداشت کرتا۔ اور جلد منزل مقصود تک پہنچنے والے نوجوان کی

پھرتی دکھاتا۔ پھر یہ شعر کہتے۔

کاش میں ان کی دعوت کے وقت موجود ہوتا۔ جب قبیلہ قریش حق

کو سرنگوں کرنا چاہے گا۔

سوال:

روایات مذکورہ کو پڑھ کر ایک سوال ذہن میں ابھرتا ہے۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلاف کو اس بات کا کیسے علم ہوتا تھا۔ کہ ان کی پشت میں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے۔؟

جواب:-

شارح مواہب اللدنیہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے دو جواب دیے۔ یا یوں کہیے۔ کہ آپ کے آباؤ اجداد کو اس بات کا علم دو طرح سے ہوتا تھا۔

زرقانی:-

وَعِلْمُهٗ هٰذَا بِهٖ مِنَ الْوَصِيَّةِ الْمُسْتَمِرَّةِ مِنْ اٰدَمَ اِنَّ مَنْ كَانَ فِيْهِ ذٰلِكَ النُّوْرُ لَا يَضَعُهٗ اِلَّا فِي الْمُطَهَّرَاتِ لِاَنَّ خِتَامَ الْاَنْبِيَاءِ مِنْهُ وَقَدْ عَلِمَهٗ ظَاهِرًا فِيْهِ قَائِمًا بِهٖ اَوْ مِنَ الْكُتُبِ الْقَدِيْمَةِ اِنَّ مَنْ كَانَ بِصِفَةِ كَذَا كَانَ مُحَمَّدٌ مِّنْ وَلَدِهٖ وَوُجِدَ تِلْكَ الصِّفَةُ وَالْاَوَّلُ اَظْهَرُ۔ (زرقانی جلد اوّل ص ۷۵)

ترجمہ: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دادا کا یہ جاننا کہ میری پشت میں سے نور نبوت ہوگا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے

اس وصیت کے ذریعہ تھا جو آدم علیہ السلام سے متواتر چلی آرہی تھی وہ یہ کہ جس پشت میں نور نبوت ہوگا۔ وہ اُسے صرف اُن عورتوں کی طرف منتقل کرے جو پاکیزہ ہوں۔ کیونکہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اسی سے ہوگا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا جناب کعب واضح طور پر جانتے تھے۔ کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور نبوت اُن میں قیام فرما ہے۔ یا ان کے علم کا یہ طریقہ تھا۔ کہ کتب قدیمہ میں ہر اس شخص کی علامات وصفات مذکور تھیں۔ جو نور نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا حامل ہوتا۔ اور اس کے بارے میں یہ تصریح ہوتی۔ کہ جناب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اور وہ صفات آپ کے اسلاف میں سے ہر اس شخص کے اندر موجود ہوتیں۔ جو آپ کے آباؤ اجداد کی فہرست میں ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں سے پہلی زیادہ ظاہر ہے۔

سوال دیگر:۔

اسی پر ایک اور سوال کیا جا سکتا ہے۔ کہ چلو تسلیم کہ جس دادا میں مذکورہ صفات پائی جائیں یا اُسے وصیت کے ذریعہ پتہ چل جاتا۔ تو وہ پہچان جاتا لیکن جس میں نور محمدی نہ پایا گیا ہو۔ اس کی وصیت کا ثبوت کیسے سمجھا جائے گا؟ اس سوال کا بھی جواب علامہ زرقانی نے ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

جواب: زرقانی:

وَنَعَمْ اَنَّ هٰذَا ظَاهِرٌ فِيْمَنْ ظَهَرَ فِيْهِ النُّوْرُ اَمَّا مَنْ لَمْ يَظْهَرْ فِيْهِ فَمِنْ اَيْنَ وَصَلَتْ اِلَيْهِ الْوَصِيَّةُ فِيْهِ كَنَظَرٍ فِيْ الْخَمِيْسِ كَغَيْرِهٖ

وَذٰلِكَ النُّوْرُ كَانَ يَنْتَقِلُ مِنْ جَبْهَةٍ إِلٰى جَبْهَةٍ يُؤْخَذُ فِيْ كُلِّ مَنْ تَمَّ بِهِ عَهْدٌ وَمِيْثَاقٌ اَنَّهُ لَا يُوْضَعُ اِلَّا فِى الْمُطَهَّرَاتِ فَاَوَّلُ مَنْ اَخَذَهُ مِنْ اٰدَمَ شِيْثٌ وَهُوَ مِنْ اَبْنَائِهِ وَهٰكَذَا فَلَمْ يَظْهَرْ فِى الْجَمِيْعِ لَمَا قَالُوْا كَانَ يَنْتَقِلُ مِنْ جَبْهَةٍ اِلٰى جَبْهَةٍ۔

(زرقانی جلد اول ص ۶۵)

ترجمہ: کسی نے گمان کیا۔ کہ یہ وصیت کرنا اس کے لیے تو ظاہر اً درست ہے جس میں نور محمدی ظاہر ہو۔ لیکن جس میں اس کا ظہور نہ ہو۔ اس کی طرف وصیت کیسے پہنچے گی۔؟ اس میں نظر ہے۔ اور یہ بات اتنی مضبوط نہیں۔ الخمیس وغیرہ کتب سیرت میں موجود ہے۔ کہ وہ نور محمدی ایک پیشانی سے دوسری پیشانی کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اور جس کی پیشانی میں جاتا اس سے یہ پختہ عہد لیا جاتا۔ کہ اسے صرف اور صرف طاہر عورتوں کے رحم میں منتقل کرنا۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسے حاصل کرنے والے حضرت شیث علیہ السلام ہیں۔ اسی طرح اُن سے آگے یہ نور منتقل ہوتا رہا۔ اگر ان تمام حضرات میں اس کا ظہور نہ ہوتا۔ تو پھر یوں کتب میں موجود نہ ہوتا۔ کہ وہ نور ایک پیشانی سے دوسری پیشانی کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

خلاصہ کلام:

حضرت آدم علیہ السلام سے تا حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ تک

سلسلہ محمدیہ کے آباؤ اجداد ایک دوسرے کو وصیت کرتے رہے۔ یعنی ہر باپ جب کہ اس میں رکھا گیا نور محمدی اس کے بیٹے کی طرف منتقل ہوتا۔ تو وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتا۔ کہ اس کو کسی طاہر عورت کی طرف منتقل کرنا۔ یہ وصیت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی آگے اپنے بیٹے جناب عبد اللہ کو کرنا کتب میں مذکور نہیں۔ اس کی وجہ یہ لکھی گئی ہے۔ کہ جناب عبد المطلب اپنے بیٹے عبد اللہ اور ان کی بیوی سیدہ آمنہ دونوں کو جانتے تھے۔ اسی لیے جب جناب عبد اللہ کی پیشانی میں عورتوں نے نور محمدی چمکتا دیکھا۔ کہ ہر ایک نے ان سے شادی کی درخواست کی لیکن حضرت عبد المطلب نے ان تمام میں سے جسے طاہرہ سمجھا اور جسے سابقہ وصیت کی متحمل سمجھا۔ اس سے اپنے بیٹے عبد اللہ کا نکاح کر دیا۔ علامہ زرقانی نے اس کو یوں لکھا ہے۔

زرقانی:

لِاَنَّہٗ یَعْلَمُ بِمَکَانِہَا مِنَ النَّسَبِ وَ اَنَّ نِکَاحَہٗ لَہَا لَا اَثَرَ فِیْہِ مِنَ الْجَاہِلِیَّۃِ فَکَفَاہٗ ذَالِکَ عَنِ الْوَصِیَّۃِ ھٰذَا۔

(زرقانی جلد اوّل ص ۶۵)

ترجمہ:۔ کیونکہ جناب عبد المطلب جانتے تھے۔ کہ سیدہ آمنہ کا نسب کیسا عمدہ ہے۔ اور عبد اللہ کی ان سے شادی کرنے میں جاہلیت کا کوئی اثر نہیں تھا۔ لہذا وصیت کی اس کے ہوتے ہوئے کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور وصیت کا کام اس سے پورا ہو گیا۔

لہذا ثابت ہوا۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد جو آپ کے نور پاک کے متحمل تھے۔ وہ اس نور کو بخوبی جانتے تھے۔ کہ یہ نور نبی آخر الزمان

کا نور پاک ہے۔ اور اس کی پہچان کے ساتھ ساتھ ہر باپ اپنے اس بیٹے کو یہ وصیت کرتا رہا کہ اسے نیک اور پاکیزہ عورت کی طرف منتقل کرنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد مومن اور موحد تھے۔ ان میں سے کوئی بھی کافر اور مشرک نہ تھا۔ اگرچہ بعض حضرات کی تفصیل سیرت کتب میں نہیں ملتی لیکن مذکورہ وصیت کا تذکرہ ہر کتاب میں موجود ہے۔ جس سے اُن کا مومن ہونا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچویں دادا قصی بن سعد کے ایمان کا ثبوت

زرقانی:۔

ذَكَرَ ثَعْلَبُ فِي اَمَالِيْهِ اَنَّهُ كَانَ يَجْمَعُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْعَرُوْبَةِ فَيُذَكِّرُهُمْ وَيَاْمُرُهُمْ بِتَعْظِيْمِ الْحَرَمِ وَ يُخْبِرُهُمْ اَنَّهُ سَيُبْعَثُ فِيْهِمْ نَبِيٌّ بِهٖ جَمَّعَ (بالتثقيل للمبالغة) اَللهُ الْقَبَائِلَ مِنْ بَنِيْ فِهْرٍ فِيْ مَكَّةَ بَعْدَ تَفَرُّقِهِمْ فِي الْبُلْدَانِ فَجَمَعَهُمْ وَ اَدْخَلَهُمْ مَكَّةَ فِيْ قِصَّةٍ طَوِيْلَةٍ عِنْدَ ابْنِ اِسْحَاقَ......

وَكَانَ قُصَىٌّ اَوَّلَ مَنْ بَنِيْ كَعْبٍ اَصَابَ مُلْكًا اَطَاعَ لَهٗ بِهٖ قَوْمُهٗ وَكَانَتْ اِلَيْهِ الْحِجَابَةُ وَالسِّقَايَةُ وَالرِّفَادَةُ وَالنَّدْوَةُ

وَاللِّوَاءُ وَحَازَ شَرَفَ مَكَّةَ جَمِيعًا وَكَانَ رَجُلًا جَلْدًا جَمِيلًا وَعَالِمَ قُرَيْشٍ وَأَقْوَمَهَا بِالْحَقِّ۔ (زرقانی جلد اول ص ۷۴ تا ۷۷)

ترجمہ: ثعلب نے اپنی امالی میں ذکر کیا۔ کہ جناب قصی بن سعد جمعہ کے دن اپنی قوم کو جمع کر کے نصیحت کیا کرتا تھا۔ اور حرم کی تعظیم کرنے کو کہا کرتا تھا۔ اور انہیں یہ خبر سنایا کرتا تھا۔ کہ تم میں عنقریب ایک ایسا پیغمبر بھیجا جا رہا ہے۔ جس کی بدولت اللہ تعالیٰ بنی فہر کے بکھرے قبائل کو مکہ میں جمع کر دے گا۔ ابن اسحاق نے اس قصہ کو بڑی طوالت سے بیان کیا ہے۔ ..... اور جناب قصی بن فہر بنی کعب میں سے پہلے وہ شخص ہوئے جنہیں حکومت ملی۔ لوگوں نے ان کی اطاعت کی۔ اور خانہ کعبہ کی نگرانی، حاجیوں کے پانی کا بندوبست ندوہ کی محفلوں کا انتظام وانصرام اور فتح ونصرت کے جھنڈوں کا مستحق انہی کو قرار دیا گیا۔ مکہ کی تمام شرافتیں ان میں جمع تھیں۔ ایک ایسے مرد تھے جو وجیہہ اور خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ قریش کے بہت بڑے عالم اور حق کے عظیم پاسبان تھے۔

بلوغ العرب فی احوال العرب: ترجمہ:۔

قصی قریش کے عالم تھے۔ اور حق پر سب سے زیادہ قائم ہونے والے تھے۔ آپ اپنی قوم کو جمعہ کے روز جمع کرتے۔ اور ان کو وعظ ونصیحت کرتے تھے۔ اور حرم مکہ کی تعظیم وتکریم کا حکم کرتے تھے۔ اور ان کو یہ بشارت بھی سناتے تھے۔ کہ عنقریب اس حرم میں ایک نبی پیدا ہوگا۔ اور آپ بتوں کی پرستش سے منع

کرتے تھے۔

(بلوغ العرب فی احوال العرب جلد دوم ص۲۱۷)

توضیح :-

مذکورہ عبارت یہ ثابت کرتی ہے۔ کہ جناب قصی رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے قریش کی چھنی ہوئی حکومت دوبارہ عطا فرمائی۔ گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ بنو خزاعہ میں سے عمرو بن لحی نے ان سے حکومت چھینی تھی۔ جو تین یا پانچ سو سال تک قائم رہی۔ اس کی حکومت کا خاتمہ اور بنی فہر کے بکھرے افراد کو پھر سے جمع کرنے والے قصی ہیں! اسی لیے انہیں "مجمع" بھی کہا جاتا ہے۔ بہرحال ان کے وعظ و نصیحت کو دیکھا جائے۔ تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ خود پختہ مومن تھے۔ اور دوسروں کو بھی دعوت و توحید و ایمان دیتے تھے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت کے ساتھ ساتھ آپ کے کچھ اوصاف کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اسی لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پیشانی میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نور رکھا ہوا تھا۔ جس کی برکت سے ان کے عقائد ایک مومن کامل کے عقائد تھے۔ اور اس نور محمدی کو بخوبی جانتے تھے۔ جو نبی آخرالزمان بن کر تشریف لانے والا تھا۔ خود بت پرست نہ تھے۔ اور دوسروں کو بھی بت پرستی اور شرک سے روکا کرتے تھے۔

☆

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے دادا عبد مناف بھی مومن تھے۔

زرقانی:

وَ يُدْعَى الْقَمَرُ لِجَمَالِهٖ قَالَ الْوَاقِدِی وَكَانَ فِيْهِ نُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِیْ يَدِهٖ لِوَاءُ نِزَارٍ وَقَوْسُ اِسْمَاعِيْلَ وَذَكَرَ زُبَيْرٌ عَنْ مُوْسٰى بن عقبه اَنَّهٗ وَجَدَ كِتَابًا فِیْ حَجَرٍ اَنَا الْمُغِيْرَةُ بن قصی امر بتقوی اللّٰهِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ و اياه عن القائل كانت قريش بيضة فتفلقت فالمخ خالصه لعبد مناف۔

زرقانی

ترجمہ۔ جناب عبد مناف کو حسن و جمال کی وجہ سے مکہ کا چاند کہا جاتا تھا۔ واقدی کا قول ہے۔ کہ جناب عبد مناف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا۔ ہاتھوں میں نزار کا جھنڈا اور حضرت اسماعیل کی کمان تھی زبیر نے جناب موسیٰ بن عقبہ سے ذکر کیا۔ کہ انہیں حطیم میں ایک پتھر پر تحریر دیکھی۔ جس کے یہ الفاظ تھے۔ میں مغیرہ بن قصی ہوں۔ اور اللہ کے تقویٰ کا اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہوں۔ جس کو کسی شاعر نے اپنے انداز میں یوں بیان کیا۔ قریش ایک پھٹا ہوا انڈا تھے۔ جس کا

اصل اور مخ جناب عبد مناف تھے۔

ترجمہ بلوغ العرب:

عبد مناف کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے قمرالبطحی ریگستان مکہ کا چاند کہتے تھے، ان کا اصل نام مغیرہ تھا۔ اور حضرت زبیر سے منقول ہے کہ مجھے ایک پتھر دستیاب ہوا۔ جس پر یہ الفاظ کندہ تھے۔ میں مغیرہ بن قصی، قریش کو خدا کے ڈر اور صلہ رحمی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور آپ بتوں کو بہت برا جانتے تھے۔ اور آپ کے چہرے پر آنحضرت کا نور آشکارا اور نمایاں تھا۔ (ترجمہ بلوغ العرب جلد ۲ ص ۳۱۴)

توضیح:

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور صلہ رحمی کو اپنانے کی وصیت کے الفاظ سے خود وصیت کرنے والے کے عقیدہ کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ یعنی جب وہ دوسروں کو خوفِ خدا کا وعظ کرتے تھے۔ تو خود بھی اس سے متصف تھے! اور خوفِ خدا کا تصور توحید کے بغیر غیر متصور ہے۔ لہذا ثابت ہوا۔ کہ جناب عبد مناف اپنے دور کے خوبصورت ترین شخص ہوتے ہوئے مومن موحد تھے۔ اور ایمان و توحید کی دوسروں کو بھی دعوت دیا کرتے تھے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے دادا جناب ہاشم کا ثبوت ایمان

زرقانی:

وفی المنتقی کان ھاشم افخر قومہ واعلاھم وکانت مائدتہ منصوبۃ لا ترفع لا فی السراء ولا فی الضراء وکان یحمل ابن السبیل ویؤدی الحقائق وکان نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وجہہ یتوقد شعاعہ ویتلالؤ ضیاءہ ولا یراہ حبر الا یقبل یدہ ولا یمر بشئی الا سجد الیہ تغد والیہ قبائل العرب ووفود الاخیار یحملون بناتہم یعرضون علیہ ان یتزوج بہن حتی بعث الیہ ھرقل ملک الروم وقال ان لی ابنۃ لم تلد النساء اجمل منہا ولا ابھی وجہا فاقدم علی حتی ازوجکہا فقد بلغنی جودک وکرمک وانما اراد بذالک نور المصطفی الموصوف عندھم فی الانجیل فابی ھاشم....

(زرقانی جلد اول ص ۷۲)

ترجمہ: منتقیٰ میں مذکور ہے۔ کہ جناب ہاشم اپنی قوم کا فخر تھے۔ اور ان میں بلند شان تھے۔ ان کا دستر خوان تنگی اور فراخی میں بچھا رہتا تھا مسافروں کو سواری دیا کرتے تھے۔ اور حقائق کو پورا فرمایا کرتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک ان کی پیشانی میں چمکتا اور نور پھیلاتا تھا۔ کوئی عالم جب انہیں دیکھ پاتا تو فوراً آپ کے ہاتھوں کا بوسہ لیتا آپ کا جب بھی کسی چیز کے پاس سے گزر ہوتا۔ تو وہ تعظیماً جھک جاتی۔ عربوں کے قبائل صبح وشام آپ کے ہاں آتے اور اچھے لوگ اپنی بیٹی سے شادی کرنے کی ان کو درخواست کرتے۔ یہاں تک کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے بھی پیغام بھیجا۔ کہ میری ایک بیٹی اتنی حسین وجمیل اور خوبصورت ہے۔ کہ کسی ماں نے آج تک ایسی بیٹی جنی ہی نہیں۔ تم میرے پاس آؤ۔ تاکہ میں اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں۔ آپ کی سخاوت، آپ کا کرم مجھ تک پہنچا ہے۔ روم کے بادشاہ نے شادی کا ارادہ اس لیے کیا تھا۔ کہ وہ اس بہانے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جس کی تعریف اس نے انجیل میں پڑھ سن رکھی تھی لیکن جناب ہاشم نے انکار کر دیا۔

تاریخ خمیس:

اَمَّا هَاشِمٌ فَهُوَ جَدُّ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَاِسْمُهُ عَمْرٌو وَ يُقَالُ لَهُ عَمْرُو الْعُلَا اَيْضًا لِعُلُوِّ مَرْتَبَةٍ۔

(تاریخ خمیس جلد اوّل ص ۱۵۶)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب ہاشم کا نام عمرو تھا۔ اور انہیں عمرو العلا بھی کہتے تھے۔ کیونکہ ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔

بلوغ العرب فی احوال العرب: ترجمہ۔

حضرت ہاشم نے اس خطبہ شریف میں اخلاق کا جو امر کیا ہے اور بُرے اعمال سے جو ممانعت کی ہے۔ اس کی طرف دیکھو۔ کیا یہ باتیں فضیلت کی گہرائی اور قدر و منزلت کی جلالت اور ہمت کی بلندی کے سوا صادر ہو سکتی ہیں؟ اور یہ سب کچھ کسی خاص انتخاب کے ارادے اور ذکر شان کی پختگی کے لیے (قدرتی طور پر) کہا گیا تھا۔ کیونکہ ان امور کا آباؤ اجداد میں متواتر چلے آنا فرزندوں میں اگر زیادہ نے کا موجب بنتا ہے۔

(بلوغ العرب فی احوال العرب جلد اوّل ص ۳۵۵)

توضیح:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب ہاشم رضی اللہ عنہ کے اوصاف علامہ زرقانی نے جو بیان کیے۔ کہ آپ حاتم زمانہ تھے۔ یہودی علماء آپ کے ہاتھ چومتے۔ اور اعلیٰ خاندان کے لوگ اپنی بیٹیوں کی ان سے شادی کرنے کی دعوت دیتے۔ اور ہرقل نے بھی اسی قسم کا پیغام بھیجا۔ یہ سب اسی نور کی برکت تھی۔ جو ان کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ ہر چیز اسی نور مبارک کی وجہ سے جناب ہاشم کے سامنے جھک جاتی تھی۔ ان تمام شواہد کے روشنی میں جناب ہاشم کے مومن اور موحد ہونے میں کونسا شک رہ جاتا ہے۔ کلمۃ باقیۃ فی عقبہ کا مظہر دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ثمرہ اور آدم علیہ السلام سے چلی وصیت کے حامل ہوتے ہوئے شرک و کفران کے نزدیک تک نہ پھٹک سکتا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّل دادا جناب عبدالمطلب کے ایمان کا بیان

زرقانی:

عبدالمطلب مُسْتَجَابُ الدَّعْوَاتِ مُحَرِّمُ الْخَمْرِ عَلٰی نَفْسِہٖ قَالَ ابْنُ الاثیر وَھُوَ اَوَّلُ مَنْ تَحَنَّثَ بِحَرَاءٍ کَانَ اِذَا دَخَلَ شَھْرُ رَمَضَانَ صَعِدَ وَ اَطْعَمَ الْمَسَاکِیْنَ وَ قَالَ ابن قتیبہ کَانَ یَرْفَعُ مِنْ مَائِدَۃٍ لِلطَّیْرِ وَالْوُحُوْشِ فِیْ رُءُوْسِ الْجِبَالِ فَکَانَ یُقَالُ لَہٗ اَلْفَیَّاضُ لِجُوْدِہٖ وَمُطْعِمُ طَیْرِ السَّمَاءِ لِاَنَّہٗ کَانَ یَرْفَعُ مِنْ مَائِدَتِہٖ لِلطَّیْرِ وَاِسْمُہٗ شَیْبَۃُ الْحَمْدِ مرکب اضافی قَالَ عَلٰی شیبۃ الحمد الّذی کَانَ وَجْھُہٗ یضی ظَلَامَ اللَّیْلِ کالقمر الْبَدْرِیْ۔ (زرقانی جلد اوّل ص ۷۱)

ترجمہ: جناب عبدالمطلب مستجاب الدعوات تھے۔ اور انہوں نے شراب اپنے اوپر حرام کر رکھی تھی۔ ابن کثیر کے بقول یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے غارِ حرا میں اللہ کی عبادت کی۔ مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے ابن قتیبہ کہتے ہیں۔ کہ پرندوں اور وحشی جانوروں کے لیے بھی ان کا

دستر خوان بچھا رہتا تھا۔ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اُن کے کھانے کا
سامان رکھا کرتے تھے۔ اسی لیے انہیں " فیاض" کہا جاتا تھا۔ اور
" پرندوں" کو کھانا دینے والا" کے نام سے مشہور تھے۔ کیونکہ ان کا
دستر خوان پرندوں کے لیے بھی تیار رہتا تھا۔ ان کا نام شیبۃ الحمد تھا۔
جو نحوی اعتبار سے مرکب اضافی ہے۔ علی کہتے ہیں۔ کہ شیبۃ الحمد نام کی وجہ
یہ تھی۔ کہ یہ نام اس شخص کا اس دور میں رکھا جاتا جس کے چہرے
کی خوبصورتی چودھویں رات کے چاند کی طرح اندھیرے کو ختم کر دے
اور روشنی پھیلا دے۔

انوار محمدیہ:

وَعَنْ كَعْبِ الْاَحْبَارِ اَنَّ نُوْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا صَارَ اِلٰى عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَ اَدْرَكَ
نَامَ يَوْمًا فِى الْحِجْرِ فَانْتَبَهَ مَكْحُوْلاً
مَدْهُوْنًا قَدْ كُسِىَ حُلَّةَ الْبَهَاءِ وَ الْجَمَالِ فَبَقِىَ
مُتَحَيِّرًا لَا يَدْرِىْ مَنْ فَعَلَ بِهٖ ذَالِكَ فَاَخَذَهٗ
اَبُوْهُ بِيَدِهٖ ثُمَّ انْطَلَقَ اِلٰى كَهَنَةِ الْقُرَيْشِ
فَاَشَارُوْا عَلَيْهِ بِتَزْوِيْجِهٖ فَزَوَّجَهٗ
وَكَانَتْ تَفُوْحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمِسْكِ الْاَذْفَرِ
وَ نُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه و سلم
يُضِئُ فِىْ غُرَّتِهٖ وَ كَانَتْ قُرَيْشٌ اِذَا اَصَابَهَا
قَحْطٌ شَدِيْدٌ تَاْخُذُ بِيَدِهٖ فَتَخْرُجُ بِهٖ اِلٰى
جَبَلِ ثَبِيْرٍ فَيَتَقَرَّبُوْنَ بِهٖ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى

وَيَسْتَأْنُوْنَهُ أَنْ يَسْتَقِيْهُمُ الْغَيْثَ فَكَانَ يُغِيْثُهُمْ وَيَسْتَقِيْهِمْ بِبَرَكَةِ نُوْرِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(انوار محمدیہ ص ۱۹ / زرقانی جلد اول ص ۹۲)

ترجمہ: کعب الاحبار کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک جب حضرت عبد المطلب میں جلوہ فرما ہو گیا۔ تو انہیں ایک مرتبہ عالت خواب میں حطیم میں انہوں نے دیکھا۔ کہ کوئی شخص انہیں سرمہ لگا گیا۔ سر میں تیل بھی لگا گیا۔ اور خوبصورت لباس بھی پہنا گیا۔ اٹھے تو یہ سب کچھ قائم تھا۔ بڑا تعجب کیا۔ کہ یہ کس کا کام ہو سکتا ہے۔ تو ان کے والد نے انہیں ساتھ لیا۔ اور قریشی کاہنوں کے پاس سے آئے۔ انہوں نے کہا۔ کہ اس کی شادی کر دو۔ چنانچہ شادی کر دی گئی۔ آپ کے جسم سے خالص کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک آپ کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ اور قریش کی یہ عادت تھی۔ جب بھی انہیں خشک سالی کا سامنا ہوتا۔ تو وہ جناب عبد المطلب کو اپنے ساتھ لے کر جبل ثبیر کی طرف نکل پڑتے۔ وہاں انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربت کا ذریعہ بناتے۔ اور ان کے وسیلہ سے اس سے بارش طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بارش عطا کرتا۔ اور سیراب کر دیتا۔ یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کی برکت کی وجہ سے تھا۔

انوار محمدیہ:

وَلَمَّا قَدِمَ اَبْرَهَهُ مَلِكُ الْيَمَنِ لِهَدْمِ الْبَيْتِ

الحرام و بلغ ذالك قريشا قال لهم عبد المطلب
لا يصل الى هذا البيت لان له ربا يحميه
ثم استاق ابرهه ابل قريش و غنمها و كان
لعبد المطلب فيها اربعمائة ناقة فركب
في قريش حتى طلع جبل ثبير فاستدار
نور رسول الله صلى الله عليه و سلم على
جبينه كالهلال و انعكس شعاعه على البيت
الحرام فلما نظر عبد المطلب الى ذالك قال
يا معشر قريش ارجعوا فقد كفيتم هذا الامر
فو الله ما استدار هذا النور مني الا ان يكون
الظفر لنا فرجعوا متفرقين ثم ان ابرهه
ارسل رجلا من قومه فلما دخل مكة
و نظر الى وجه عبد المطلب خضع و
تلجلج لسانه و خر مغشيا عليه فكان
يخور كما يخور الثور عند ذبحه
فلما افاق خر ساجدا لعبد المطلب وقال
اشهد انك سيد القريش حقا و روي
ان عبد المطلب لما حضر عند الابرهه
نظر الفيل الابيض العظيم الى وجهه
فبرك كما يبرك البعير و خر ساجدا
و انطق الله تعالى الفيل فقال السلام على النور الذي

فِیْ ظَفَرِکَ یَاعَبْدَ الْمُطَّلِب۔

(۱۔ انوار محمدیہ ص ۱۸ تا ۱۹) (زرقانی جلد اوّل ص ۸۴ تا ۸۶)

ترجمہ: یمن کا بادشاہ ابرہہ جب بیت اللہ شریف کو گرانے کے لیے آیا اور اس کی خبر قریش کو ملی۔ تو انہیں جناب عبد المطلب نے کہا۔ ابرہہ اس گھر تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس گھر کا مالک۔ اس کی حفاظت کرے گا۔ پھر ابرہہ نے قریش کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک لیں۔ ان میں چار سو اونٹ جناب عبد المطلب کی بھی تھیں۔ پھر جناب عبد المطلب اور قریش کے ساتھ سوار ہو کر ثبیر پہاڑ پر چڑھے۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک ان کی پیشانی میں چاند کی طرح پھرا۔ اور اس کی شعاعیں بیت الحرام پر پڑیں۔ جب جناب عبد المطلب نے یہ ماجرا دیکھا۔ تو کہا اے جماعت قریش! واپس ہو جاؤ۔ تمہارے لیے یہ واقعہ کفایت کرے گا۔ خدا کی قسم! اس نور کا مجھ سے نکل کر چکر لگانا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ کامیابی اور فتح ہماری ہی ہے۔ وہ ٹولیوں میں واپس آ گئے۔ پھر ابرہہ نے اپنی قوم کا ایک آدمی بھیجا۔ وہ آدمی جب مکہ میں داخل ہوا۔ اور جناب عبد المطلب کے چہرہ پر نظر پڑی۔ تو کانپ اٹھا۔ اور اس کی زبان تھتھلا گئی۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس سے ایسی آواز نکلتی تھی۔ جیسی بیل کی بوقت ذبح بڑبڑانے کی آواز ہوتی ہے۔ پھر جب اسے افاقہ ہوا۔ تو جناب عبد المطلب کے سامنے سجدہ میں گر گیا۔ اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ تم قریش کے سچے سردار ہو۔ مروی ہے کہ جب جناب عبد المطلب ابرہہ کے پاس آئے۔ تو ابرہہ کے سفید عظیم ہاتھی

نے ان کے چہرہ کو دیکھا۔ تو اونٹ کی سی بیٹھک بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کے سامنے سجدہ میں گر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ہاتھی کو گویائی عطا کی اور اس نے کہا۔ سلام ہو اے عبدالمطلب اس نور کو جو تمہاری پشت میں جلوہ فرما ہے۔

لمحہ فکریہ:

جناب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے اوصاف نور محمدی کا ان میں قیام پذیر ہونا اور اس کی برکات حوالہ مذکورہ میں تفصیل سے لکھی گئیں۔ جنہیں خواب میں خانہ باس فاخرہ پہنایا جائے۔ جن کو کاہن بھی ادب سے دیکھتے ہیں۔ جن کو قریش بوقت قحط سالی، بارش کے لیے اللہ کے حضور وسیلہ بنائیں تو بارش مل جائے۔ جن کی جبین اقدس سے نکلنے والی نوری شعائیں فتح و کامرانی کا پیغام بنیں۔ جنہیں نور محمدی کے حامل ہونے کی وجہ سے جانور تک سجدہ کریں۔ جو شراب کو اپنے اوپر حرام کریں۔ بتوں سے نفرت فرمائیں۔ اور ان کی دعائیں درجہ قبولیت پائیں۔ ایسے برگزیدہ انسان کے مومن و موحد ہونے میں کون شک رہ جاتا ہے؟ جناب عبدالمطلب کے بارے میں مسئلہ زیر بحث کے مخالفین کچھ روایات نقل کرتے ہیں۔ جو ان کے ایمان و توحید کے منافی نظر آتی ہیں۔ ہم انشاء اللہ آئندہ اوراق میں ان روایات کو لفظ بلفظ نقل کریں گے۔ اور پھر ان پر سیر حاصل بحث کریں گے یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے۔ کہ جناب عبدالمطلب کے فضائل و مناقب جو حوالہ بالا میں مذکور ہوئے۔ اگر انہیں بنظر انصاف دیکھا جائے۔ تو اس سے ان تمام روایات کا جواب سمجھنے میں کوئی دقت نہ رہے گی۔ جو مخالفین پیش کرتے ہیں۔ بہر حال جناب عبدالمطلب کا مومن و موحد ہونا ان حوالہ جات سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا۔ شرک سے اجتناب اور ایمان و توحید سے لگاؤ مندرجہ ذیل اشعار

سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تاریخ خمیس:

۱۔ یَارَبِّ لَا اَرْجُو لَهُمْ سِوَاکَا ‏ ‏ یَارَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاکَا

۲۔ إِنَّ عَدُوَّ الْبَیْتِ مَنْ عَادَاکَا ‏ ‏ فَامْنَعْهُمْ اَنْ یُخْرِبُوْا قُرَاکَا

(۱۔ تاریخ خمیس جلد اول ص ۰۹ مطبوعہ بیروت)

(۲۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۲۱)

ترجمہ(۱): اے اللہ! تیرے بغیر ان ظالموں کو دور کرنے کے لیے میری کوئی امید نہیں۔ اے میرے پروردگار! اپنے گھر کی بربادی ان سے روک لے اور اس کی تو ہی حفاظت فرما۔

(۲) بے شک خانہ کعبہ کا دشمن وہی ہے جو تیرا دشمن ہے۔ تو اپنے اور اپنے گھر کے دشمنوں کو اپنے گھر کی بربادی پا کرنے سے روک لے

قارئین کرام! مذکورہ بالا اشعار سے جناب عبدالمطلب کے عقیدۂ توحید کی پختگی اور اس پر یقین کامل کی انمٹ تصویر نظر آتی ہے۔ ان اشعار کے علاوہ سیرت ابن ہشام اور دلائل النبوۃ ابونعیم میں ایک شعر اسی مضمون پر اور بھی صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے۔

لَاهُمَّ اِنَّ الْعَبْدَ یَمْنَعُهُ

رَحْلَهُ فَامْنَعْ رِحَالَکَ

اے اللہ! جب ہر شخص اپنے اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو تو بھی اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے بچا۔

علاوہ ازیں جناب عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول اللہ ہونے پر کئی ایک واقعات ومشاہدات دیکھے۔ اور انہیں

صحیح تسلیم بھی کیا۔ ان حالات میں ان کے ایمان و اسلام میں کون شک کر سکتا ہے؟ ایک غیر متعصب شخص جب ان واقعات کو محض سرسری نظر سے ہی دیکھے گا۔ تو اُسے ان میں کفر و شرک کی کوئی آمیزش نظر نہ آئے گی۔

ایمان عبد المطلب پر دلالت کرنے والی چند روایات

روایت ۱: شاہ یمن نے جب انہیں پیشگوئی کی۔ کہ تمہاری پشت سے بت شکن نبی آخر زمان آئیں گے۔ تو آپ سجدہ میں گر گئے۔

دلائل النبوۃ:

عن ابن عباس قال لما ظھر سیف بن ذی یزن علی الیمن و ظفر بالحبشۃ و نفاھم عنھا۔ و ذالک بعد مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بسنتین اتتہ وفود العرب و اشرافھا و شعرائھا تھنیہ و تمدحیہ فاتاہ وفد قریش و فیھم عبد المطلب بن

هاشم بن عبد المناف بن قصی و امیہ بن عبد الشمس
و عبد اللہ بن جدعان و خویلد بن اسد
بن عبد العزی و و ہیب بن عبد مناف بن زہرہ
فِی نَاسٍ مِنْ وُجُوْہِ قُرَیْشٍ فَقَدِمُوْا عَلَیْہِ بِصَنْعَاءَ
وَ ھُوَ فِیْ رَأْسِ قَصْرٍ لَہٗ یُقَالُ لَہٗ غُمْدَانُ قَالَ
فَاسْتَاذَنُوْا عَلَیْہِ فَاَذِنَ لَھُمْ فَاِذَا الْمَلِکُ مُتَضَمِّخٌ
بِالْعَبِیْرِ یَنْطِفُ وَبِیْصُ الْمِسْکِ مِنْ مَفْرِقِ رَأْسِہٖ
وَعَنْ یَمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ الْمُلُوْکُ وَ اَبْنَاءُ الْمُلُوْکِ
وَ الْمَقَاوِلُ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْہِ دَنَا مِنْہُ عبد المطلب
فَاسْتَاذَنَہٗ فِی الْکَلَامِ فَقَالَ لَہٗ سیف بن ذی
یزن اِنْ کُنْتَ مِمَّنْ یَتَکَلَّمُ بَیْنَ یَدَیِ الْمُلُوْکِ
اِذَنْ لَکَ فَقَالَ عَبْدُ المطلب اَیُّھَا الْمَلِکُ اِنَّ اللہ عزوجل
قَدْ اَحَلَّکَ مَحَلًّا رَفِیْعًا شَامِخًا مَنِیْعًا وَ اَنْبَتَکَ
مَنْبَتًا طَابَتْ اَرُوْمَتُہٗ وَعَذُبَ جُرْثُوْمَتُہٗ
وَ ثَبَتَ اَصْلُہٗ وَ بَسَقَ فَرْعُہٗ فِیْ اَطْیَبِ مَوْطِنٍ
وَ اَکْرَمِ مَعْدِنٍ وَاَنْتَ اَبَیْتَ اللَّعْنَ رَأْسُ العرب
وَ رَبِیْعُھَا الَّذِیْ تَخْصَبُ بِہٖ وَ اَنْتَ اَیُّھَا الْمَلِکُ
رَأْسُ الْعَرَبِ الَّذِیْ لَہٗ تَنْقَادُ وَعَمُوْدُ الَّذِیْ
عَلَیْہِ الْعِمَادُ وَ مَعْقِلُھَا الَّذِیْ تَلْجَاُ اِلَیْہِ الْعِبَادُ
سَلَفُکَ لَنَا خَیْرُ سَلَفٍ وَ اَنْتَ اَیُّھَا الْمَلِکُ
رَأْسُ الْعَرَبِ الَّذِیْ لَہٗ تَنْقَادُ وَ لَمْ یَخْمُلْ

ذِكْرُ مَنْ اَنْتَ سَلَفُهُ نَحْنُ اَيُّهَا الْمَلِكُ اَهْلُ حَرَمِ
اللّٰهِ وَسَدَنَتِهِ بَيْتِهِ اَشْخَصَنَا اِلَيْكَ الَّذِيْ
اَبْهَجَنَا لِكَشْفِ الْكَرْبِ الَّذِيْ فَدَحَنَا فَنَحْنُ وَفْدُ
التَّهْنِيَةِ لَا وَفْدُ الْمَرْزِيَهْ فَقَالَ سيف بن ذی
یزن وَ اَيُّهُمْ اَنْتَ اَيُّهَا الْمُتَكَلِّمُ؟ قَالَ اَنَا
عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف قَالَ
اِبْنُ اُخْتِنَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَدْنَاهُ ثُمَّ اَقْبَلَ
عَلَيْهِ وَعَلَى الْقَوْمِ فَقَالَ مَرْحَبًا وَاَهْلًا وَ نَاقَةً
وَرَحْلًا وَمُسْتَنَاخًا سَهْلًا وَ مَلِكًا رَبَحْلًا يُعْطِيْ
جَزْلًا وَ قَدْ سَمِعَ الْمَلِكُ مَقَالَتَكُمْ وَعَرَفَ
قَرَابَتَكُمْ وَ قَبِلَ وَسِيْلَتَكُمْ فَاَنْتُمْ اَهْلُ اللَّيْلِ
وَالنَّهَارِ وَ لَكُمُ الْكَرَامَةُ مَا اَقَمْتُمْ وَ الْحِبَاءُ
اذا ظعنتم انهضوا الى دار الضيافة و الوفود
وَ اَمَرَ لَهُمْ بِالْاِنْزَالِ فَاَقَامُوْا شَهْرًا لا يصلون
اِلَيْهِ وَلَا يَاْمُرُهُمْ بِالْاِنْصِرَافِ ثُمَّ انتبه لَهُمْ
انتباهه فَاَرْسَلَ اِلٰى عبد المطلب دُوْنَهُمْ
فَلَمَّا دَخَلَ عَبْدُ المطلب اَدْنَاهُ وَ قَرَّبَ
مَجْلِسَهُ وَاسْتَحْيَاهُ ثُمَّ قَالَ يَا عَبْدَ المطلب
اِنِّيْ مُفَوِّضٌ اِلَيْكَ مِنْ سِرِّ عِلْمِيْ مَا لَوْ غَيْرُكَ
يَكُوْنُ لَمْ اَبُحْ بِهِ وَلٰكِنِّيْ وَجَدْتُكَ مَعْدِنَهُ
فَاَطْلَعْتُكَ طَلْعَهُ فَلْيَكُنْ عِنْدَكَ مَطْوِيًّا

حَتّٰى يَأْذَنَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ
اِنِّيْ اَجِدُ فِي الْكِتَابِ الْمَكْنُوْنِ وَالْعِلْمِ الْمَخْزُوْنِ
الَّذِيْ اخْتَرْنَاهُ لِاَنْفُسِنَا وَاحْتَجَبْنَاهُ دُوْنَ
غَيْرِنَا خَبَرًا عَظِيْمًا وَخَطَرًا جَسِيْمًا فِيْهِ شَرَفُ
الْحَيَاةِ وَالْعِلْمِ الْمَخْزُوْنِ الَّذِيْ وَلِرَهْطِكَ عَامَّةً
وَلَكَ خَاصَّةً قَالَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ مِثْلُكَ اَيُّهَا
الْمَلِكُ سَرَّ وَبَرَّ فَمَا هُوَ؟ فِدَاكَ اَهْلُ الْوَبَرِ
زُمَرًا بَعْدَ زُمَرٍ قَالَ اِذَا وُلِدَ بِتِهَامَةَ غُلَامٌ
بِهٖ عَلَامَةٌ بَيْنَ كَتِفَيْهِ شَامَةٌ كَانَتْ لَهُ الْاِمَامَةُ
وَلَكُمْ بِهِ الزَّعَامَةُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَقَالَ
عَبْدُ الْمُطَّلِبِ اَبَيْتَ اللَّعْنَ لَقَدْ اُبْتُ بِخَبَرٍ
مَا اٰبَ بِهٖ وَافِدُ قَوْمٍ وَلَوْلَا هَيْبَةُ الْمَلِكِ
وَاِعْظَامُهٗ وَاِجْلَالُهٗ لَسَاَلْتُهٗ مِنْ بِشَارَتِهٖ
اِيَّايَ مَا ازْدَادُ بِهٖ سُرُوْرًا قَالَ سَيْفُ بْنُ ذِيْ
يَزَنَ هٰذَا حِيْنُهُ الَّذِيْ يُوْلَدُ فِيْهِ اَوْ قَدْ
وُلِدَ اِسْمُهٗ مُحَمَّدٌ بَيْنَ كَتِفَيْهِ شَامَةٌ
يَمُوْتُ اَبُوْهُ وَاُمُّهٗ وَيَكْفُلُهٗ جَدُّهٗ وَعَمُّهٗ
وَقَدْ وَجَدْنَاهُ مِرَارًا وَاللّٰهُ بَاعِثُهٗ جِهَارًا
وَجَاعِلٌ لَهٗ مِنَّا اَنْصَارًا يُعِزُّ بِهِمْ اَوْلِيَاءَهٗ
وَيُذِلُّ بِهِمْ اَعْدَاءَهٗ وَيَضْرِبُ بِهِمُ النَّاسَ
عَنْ عُرْضٍ وَيَسْتَبِيْحُ بِهِمْ كَرَائِمَ الْاَرْضِ

وَ يَعْبُدُ الرَّحْمٰنِ وَ يَدْحَرُ الشَّيْطَانِ وَ يَخْمُدُ النِّيْرَانِ وَ يَكْسِرُ الْاَوْثَانِ قَوْلُهُ فَصْلٌ وَ كَلِمَةُ عَدْلٌ يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَفْعَلُهُ يَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُبْطِلُهُ قَالَ عبد المطلب اَيُّهَا الْمَلِكُ عَزَّ جَارُكَ وَ سَعَدَ جَدُّكَ وَ عَلَا كَعْبُكَ وَ نَمَا اَمْرُكَ وَ طَالَ عُمْرُكَ وَ دَامَ مُلْكُكَ فَهَلْ الْمَلِكُ السَّارِی بِاِفْصَاحٍ فَقَدْ اَوْضَحَ بَعْضَ الْاِيْضَاحِ فَقَالَ سيف بن ذی يزن وَ الْبَيْتُ ذِی الْحُجُبِ وَ الْعَلَامَاتُ عَلَى النُّصُبِ اِنَّكَ يَا عبد المطلب لَجَدُّهٗ غَيْرُ كَذِبٍ قَالَ فَخَرَّ عَبْدُ المطلب سَاجِدًا فَقَالَ اِرْفَعْ رَاْسَكَ فَقَدْ ثَلَجَ صَدْرُكَ وَ عَلَا اَمْرُكَ فَهَلْ اَحْسَسْتَ شَيْئًا مِمَّا ذَكَرْتُ لَكَ؟ قَالَ عبد المطلب نَعَمْ اَيُّهَا الملک اِنَّهُ كَانَ لِیْ اِبْنٌ وَ كُنْتُ بِهٖ مُعْجَبًا وَ عَلَيْهِ رَفِيْقًا فَزَوَّجْتُ كَرِيْمَةً مِنْ كَرَائِمِ قَوْمِیْ امنه بنت وهب بن عبد مناف بن زهره فجاءت بغلام سَمَّيْتُهُ مُحَمَّدًا مَاتَ اَبُوْهُ وَ اُمُّهُ وَ كَفَلْتُهُ اَنَا وَ عَمُّهُ۔ بَيْنَ كَتِفَيْهِ شَامَةٌ وَ فِيْهِ كُلُّ مَا ذَكَرْتُ مِنْ عَلَامَه۔ قَالَ سيف بن ذی يزن اِنَّ الَّذِیْ ذَكَرْتُ لَكَ كَمَا ذَكَرْتُ لَكَ فَاحْتَفِظْ بِابْنِكَ وَ احْذَرْ عَلَيْهِ الْيَهُوْدَ فَاِنَّهُمْ لَهٗ اَعْدَاءٌ

ولن يجعل الله لهم عليهم سبيلا واطو
ما ذكرت لك دون هؤلاء الرهط الذين
معك فإني لست آمن أن تدخلهم النفاسة
من أن تكون له الرياسة فيبغون له الغوائل
وينصبون له الحبائل وهم فاعلون أو
أبناءهم ولولا أني أعلم أن الموت مجتاحي قبل
مبعثه لسرت بخيلي ورجلي حتى أصير
يثرب دار ملكه فإني أجد في الكتاب الناطق
والعلم السابق أن بيثرب استحكام أمره وموضع
قبره وأهل نصرته ولولا أني أقيه من الآفات
وأحذر عليه العاهات لأوطأت أسنان العرب
كعبه ولأعليت على حداثته من سنه
ذكره ولكني صارف ذلك إليك من غير
تقصير بمن معك ثم أمر لكل واحد منهم
بمائة من الإبل وعشرة أعبد وعشرة
أرطال من فضة وخمسة أرطال ذهبا وكرش
مملوءة عنبرا وأمر لعبد المطلب بعشرة
أضعاف ذلك وقال له إذا كان رأس الحول
فأتني بخبره وما يكون من أمره
فهلك ابن ذي يزن قبل رأس الحول
وكان عبد المطلب يقول لا يغبطني

بِمَا يَبْنِى لَهُ شَرَفَهُ وَذِكْرَهُ وَبَعْضَ مِنْ
بَعْدِى وَكَانَ إِذَا قِيلَ لَهُ مَا ذَاكَ؟ قَالَ سَيَعْلَمُ
وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ۔

(دلائل النبوۃ لعبدالحق محدث دہلوی ص ۱۱۴ تا ۱۱۹)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جب سیف بن ابی یزن کا یمن پر قبضہ ہوا۔ اور اس نے وہاں سے اہل حبشہ کو مار بھگایا۔ یہ واقعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو سال بعد کا ہے۔ تو عرب کے سرداران و شعرا و وفد در وفد اسے مبارک باد دینے پہنچے۔ قریش کا وفد بھی گیا۔ جن میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بھی تھے۔ ان کے علاوہ امیہ بن عبد شمس، عبداللہ بن جدعان خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ اور وہب بن عبد مناف بن زہرہ اور دیگر سرداران قریش تھے۔

یہ لوگ یمن کے پایۂ تخت صنعا پہنچے۔ سلطان اس وقت اپنے محل کی چھت پر تھا۔ جسے غمدان کہتے تھے۔ وفد نے اذن دخول مانگا۔ اور سلطان کے روبرو پیش ہو گئے۔ اس وقت اس نے بدن پر عنبر خوشبو لگا رکھی تھی۔ اور سر سے خوشبو کی مہک اٹھ رہی تھی۔ دائیں بائیں سلاطین و تحت شہزادے اور امراء بیٹھے تھے۔ عبدالمطلب نے اذن کلام چاہا۔ سلطان سیف نے کہا کہ اگر تم کرنے کا سلیقہ رکھتے ہو تو تمہیں اجازت دی جاتی ہے۔ عبدالمطلب گویا ہوئے۔ اے بادشاہ! اللہ نے آپ کو نہایت بلند و بالا مقام عطا کیا ہے۔ اور آپ کا نسب نجیب ہے

بہتر بنایا۔ جس کا اصل مضبوط ہے اور شاخ نہایت بلند۔ آپ کی کبھی
برائی نہ ہو۔ آپ عرب کا افتخار اور اس کی بہار ہیں۔ جو ہر طرف
خیر لاتی ہے۔ آپ عرب کا وہ سر ہیں جو جھکنے سے نا آشنا ہے۔
عرب کا ایسا ستون ہیں۔ جس پر تمام کا دارومدار ہے۔ آپ وہ
پناہ گاہ ہیں۔ جہاں لوگوں کو اطمینان ملتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد
ہمارے بہترین سلف تھے۔ اور آپ ہمارے لیے اُن کی طرف
سے بہترین نشانی ہیں۔ وہ خاندان کبھی مٹ نہیں سکتا۔ جس میں
آپ کی طرح کے لوگ خلیفہ ہوں۔ اور اس خاندان کا ذکر کبھی پرانا
نہیں ہو سکتا۔ جس کے آپ سلف ہوں۔

اے بادشاہ یمن! ہم حرم الٰہی کے مالک ہیں۔ خدام حرم ہیں۔ ہمیں
ایک مسرت یہاں لے آئی۔ کیونکہ آپ نے ہماری ایک مستقل پریشانی
ختم کر دی ہے۔ (حبشی اقتدار کا خاتمہ کر دیا ہے) ہم آپ کو مبارک
دینے آئے ہیں۔ کچھ مانگنے نہیں آئے۔ سیف بادشاہ بولا۔ اے
گفتگو کرنے والے! اہل حرم میں سے تم کون ہو۔؟ آپ نے کہا۔ میں
عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہوں۔ وہ کہنے لگا اچھا ہماری
بہن کے بیٹے ہو؟ کہا ہاں۔ چنانچہ شاہ نے آپ کو قریب کر لیا اور
وفد کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ بہت بہت خوش آمدید ہم آپ
لوگوں کی بہتر سے بہتر میزبانی کریں گے۔ اچھا نوازیں گے۔ شاہ
یمن نے تمہاری گفتگو سن لی ہے۔ اب آپ لوگ ہمارے
دن رات کے مالک ہیں۔ جب تک آپ ٹھہریں گے۔ عزت افزائی
ہوگی۔ اور واپسی پر ہماری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔

اب آپ لوگ سرکاری مہمان خانے میں تشریف لے چلیں۔ ساتھ ہی اس نے مہمانوں کے لیے یہ حکم دے دیا۔ کہ ایک مہینے تک انہیں ٹھہراؤ۔ شاہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اور عبدالمطلب کو اپنے قریب کر لیا۔ اور خوش آمدید کہا۔ پھر بولا۔ اے عبدالمطلب! میں تمہیں ایک راز منتقل کرنے لگا ہوں۔ کوئی اور ہوتا تو اسے ہرگز نہ بتلاتا۔ مگر میں نے تمہیں اس کا امین پایا ہے۔ تو یہ راز تمہارے پاس محفوظ رہنا چاہیے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ ظاہر کر دے۔ کیونکہ وہ اپنے امر پر غالب ہے۔ میں نے اس خفیہ کتاب اور مخزون علم میں پڑھا ہے۔ جو صرف ہمارے خاندان کے لیے مخصوص ہے۔ کوئی اسے ہرگز نہیں پا سکتا۔ وہ یہ کہ ایک عظیم بھلائی ظاہر ہونے والی ہے۔ جو بعض لوگوں کے لیے بڑا خطرہ ہو گی۔ اس میں حیات انسانی کے لیے شرافت، وفضیلت کا خزانہ ہو گا۔ تمہارے وفد کے لیے عموماً اور تمہارے لیے خصوصاً۔ عبدالمطلب کہنے لگے۔ آپ جیسا بادشاہ ہمیشہ صاحب مسرت و خیر رہے۔ وہ بھلائی کیا ہے آپ پر ہم جیسے بادیہ نشین گروہ در گروہ قربان ہوں؟

بادشاہ کہنے لگا۔ جب مکہ میں وہ بچہ پیدا ہو گا۔ جس کے دونوں کندھوں کے درمیان علامت (مہر نبوت) ہو گی۔ اس کے لیے امامت ہو گی۔ اور اس کی برکت سے تمہاری کرامت قیامت تک ہو گی۔ عبدالمطلب کہنے لگے۔ آپ برائی سے دور رہیں۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ ہمارا وفد نہایت خوش بخت ہے۔ اور ہم وہ کچھ لے کر لوٹیں گے۔ جو ایک کامیاب وفد کا حصہ ہوتا ہے

اگر جلالت سلطان مانع نہ ہو۔ تو میں اس کی کچھ وضاحت چاہوں گا تاکہ میری مسرت میں مزید اضافہ ہو۔ شاہ نے کہا۔ وہ بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ یا ہو چکا ہے۔ اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اس کے کندھوں کے درمیان علامت ہے۔ اس کے والدین فوت ہو جائیں گے۔ دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے۔ ہم نے پیش گوئی بارہا پڑھی ہے۔ اللہ اسے روز روشن کی طرح ظاہر کرے اور ہمیں اس کا خادم اور ناصر کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے اولیاء کو معزز اور دشمنوں کو ذلیل کرے گا۔ دشمن اپنی عزت کھو بیٹھیں گے۔ اور ان کی عالی نسب عورتیں مباح کر لی جائیں گی۔ رحمان کی عبادت ہو گی۔ شیطان ذلیل ہو گا۔ آگ بجھ جائے گی اور بت ٹوٹ جائیں گے۔ اس کا فیصلہ تقدیر الٰہی اور اس کا حکم سراپا عدل ہو گا۔ نیکی کا حکم دے گا۔ اور اسے خود کرے گا۔ برائی سے روکے گا۔ اور اس سے خود باز رہے گا۔

عبدالمطلب کہنے لگے۔ اے شاہ یمن! آپ کے پڑوسی معزز رہیں آپ کی کوشش کامیاب اور شان بلند رہے۔ عمر لمبی ہو۔ اور ملک ہمیشہ قائم رہے۔ کہا۔ بادشاہ آپ مزید وضاحت کر سکتے ہیں؟ سیف نے کہا۔ غلاف والے کعبہ کی قسم جس کی شہرت دور دور تک ہے اے عبدالمطلب اس بچے کے دادا تو تم ہو۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ عبدالمطلب یہ سن کر سجدے میں گر گئے۔ شاہ نے کہا سر اٹھائیں۔ تمہارا سینہ ٹھنڈا رہے کیا میری ذکر کردہ علامات تم میں موجود ہیں؟ عبدالمطلب کہنے لگے۔ ہاں اے بادشاہ۔ میرا ایک

بیٹا تھا جس کے ساتھ مجھے بے حد پیار تھا۔ میں نے اسے اپنی قوم کی ایک عالی نسب عورت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ سے بیاہ دیا۔ اس سے لڑکا پیدا ہوا۔ میں نے اس کا نام محمد رکھا۔ اس کے ماں باپ مر گئے۔ میں نے اور اس کے چچا نے اس کی پرورش کی اس کے کندھوں کے درمیان ایک نشانی ہے۔ اور وہ آپ کی ذکر کردہ تمام علامات کا حامل ہے۔ سیف نے کہا۔ اپنے بیٹے کی حفاظت کرو۔ اسے یہود سے بچاؤ۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ یہود کو اس تک نہیں پہنچنے دے گا۔ میرا یہ راز اپنے ساتھی وفد سمیت کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ ممکن ہے ان کے دلوں میں حسد آجائے۔ کہ ریاست انہیں حاصل ہونے والی ہے۔ پھر یہ لوگ اس کے لیے مصائب کھڑے دیں گے۔ اس کے خلاف سازش کریں گے۔ اگر موت مجھے ہلاک کرنے والی نہ ہوتی۔ تو میں اپنے سارے سوار لے کر چلتا۔ اور یثرب کو پایۂ تخت بنا لیتا۔ کیونکہ میں نے اس بولتی کتاب میں پڑھا ہے۔ کہ اس نبی کا قرار بھی یثرب میں ہوگا۔ اور مزار بھی یثرب میں ہوگا۔ اگر میرا مقصد یہ نہ ہوتا کہ اسے آفات زمانہ سے محفوظ رکھا جائے۔ تو میں عرب کے چپے چپے پر اس کا چرچہ کرتا۔ اور نوعمری میں ہی اس کا ذکر بلند ہو جاتا۔ مگر میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں۔

بعد ازاں شاہ یمن نے وفد کے ہر فرد کو سو سو اونٹ، دس دس غلام، دس دس لونڈیاں۔ دس دس رطل چاندی اور سونا اور عنبر سے بھرا ہوا ایک ایک برتن دیا۔ جبکہ عبدالمطلب کے لیے اس سے دس گنا زیادہ کیا۔ اور چلتے ہوئے

عبدالمطلب سے کہنے لگا۔ یہ سال ختم ہونے پر مجھے اس بچے کی خبر لا دینا۔ مگر سال ختم ہونے سے پہلے ہی سیف بادشاہ داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ عبدالمطلب قریش سے کہا کرتے تھے۔ اے قریش تم میں سے کوئی شخص مجھ پر اس لیے رشک نہ کرے۔ کہ شاہ یمن نے مجھے بہت نوازا تھا۔ یہ مال تو ختم ہونے والی چیز ہے۔ بلکہ مجھے اس شرافت کی مبارک باد دو۔ جو ہمیشہ باقی رہے گی۔ اور جب پوچھا جاتا۔ وہ شرافت کیا ہے؟ تو آپ جواب دیتے کہ وہ ضرور ظاہر ہو کر رہے گی۔ خواہ اسے کچھ وقت لگے۔

روایت ۲: ایک یہودی عالم کی پیشگوئی کہ اے عبدالمطلب تیرے ایک ہاتھ میں بادشاہی اور دوسرے میں نبوت ہو گی

دلائل النبوۃ:

حدثنا سلیمان بن احمد قال حدثنا احمد بن عمر الخلال قال حدثنا محمد بن منصور الجوز قال حدثنا یعقوب بن محمد بن عیسیٰ بن عبد الملک بن حمید بن عبد الرحمن الزہری قال حدثنا عبد العزیز بن قال حدثنا عبد اللہ بن

جعفر المخرمی عن ابی عون مولی المسور بن مخرمہ عن المسور عن ابن عباس عن ابیہ العباس بن عبد المطلب قال قال عبد المطلب قَدِمْتُ الْيَمَنَ فِي رِحْلَةِ الشِّتَاءِ فَنَزَلْتُ عَلَى حِبْرٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الزَّبُورِ يَعْنِي أَهْلَ الْكِتَابِ مِمَّنِ الرَّجُلُ قُلْتُ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَ مِمَّنْ الَيْهِمْ قُلْتُ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ قَالَ يَاعَبْدَ الْمُطَّلِبِ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَنْظُرَ إِلَى بَعْضِكَ قَالَ نَعَمْ مَا لَمْ يَكُنْ عَوْرَةً قَالَ فَفَتَحَ أَحَدَ مَنْخَرِي ثُمَّ فَتَحَ الْآخَرَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ فِي إِحْدَى يَدَيْكَ مُلْكًا وَفِي الْأُخْرَى نُبُوَّةً وَأَنَا نَجِدُ ذَالِكَ فِي بَنِي زُهْرَةَ فَكَيْفَ ذَالِكَ قُلْتُ لَا أَدْرِي قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ شَاعَةٍ قُلْتُ وَمَا الشَّاعَةُ قَالَ الزَّوْجَةُ قُلْتُ أَمَّا الْيَوْمَ فَلَا قَالَ فَإِذَا رَجَعْتَ فَتَزَوَّجْ فِيهِمْ فَرَجَعَ عبد المطلب إِلَى مَكَّةَ فَتَزَوَّجَ ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ فَوَلَدَتْ لَہٗ حمزہ وصفیہ وتزوج عبد اللہ بن عبد المطلب آمنہ بنت وہیب فَوَلَدَتْ لَہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۱۔ دلائل النبوۃ ابونعیم، جلد اول صفحہ نمبر ۱۶)

(۲۔ دلائل النبوۃ بیہقی جلد ۱ ص ۱۰۶)

ترجمہ: ابن عباس بن عبدالمطلب سے بیان کرتے ہیں۔ کہ جناب عبدالمطلب
نے مجھ سے بیان کیا۔ میں ایک مرتبہ سردیوں میں یمن گیا۔ تو وہاں ایک
یہودی عالم سے ملاقات ہوئی۔ ایک زبور کو ماننے والے شخص نے
مجھ سے پوچھا کس خاندان سے ہو۔ میں نے کہا قریش سے پوچھا۔ ان
کی کونسی شاخ میں سے؟ میں نے کہا۔ بنی ہاشم سے۔ پھر وہ کہنے لگا:
اے ابوعبدالمطلب! اجازت ہو تو میں تمہارا کچھ جسم دیکھ سکتا ہوں؟
میں نے کہا شرمگاہ کے علاوہ دکھا سکتا ہوں۔ اس نے میری
ناک کا دایاں نتھنا پھر بایاں دیکھا۔ تو کہنے لگا۔ میں گواہی دیتا ہوں
کہ تمہارے ایک ہاتھ میں حکومت اور دوسرے میں نبوت ہے
ہم تو اس کا حقدار بنی زہرہ کو جانتے تھے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ میں
نے کہا مجھے کیا خبر۔ کہنے لگا۔ تمہاری بیوی ہے۔ میں نے کہا ابھی
تو نہیں۔ پھر عبدالمطلب بیان کرنے لگے۔ کہ میں جب واپس مکہ
آیا۔ تو اس نے کہا۔ کہ بنی زہرہ میں سے شادی کرنا۔ چنانچہ میں نے
ہالہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ سے شادی کی۔ اس
سے میرے ہاں حمزہ اور صفیہ پیدا ہوئے۔ اور پھر جناب
عبداللہ نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی۔ تو ان سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

☆

روایت ۳ :

ایک یہودی عالم کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نبی آخر الزمان ہونے کی پیش گوئی کرنا اور عبد المطلب کا اپنے بیٹوں کو حفاظت کا حکم دینا

دلائل النبوۃ :

كَانَ يَوْمًا جَلَسَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ فِي الْحَجَرِ وَعِنْدَهُ اسقف نجران - وَكَانَ صَدِيقًا لَهُ وَهُوَ يُحَادِثُهُ وَيَقُوْلُ إِنَّا نَجِدُ صِفَةَ نَبِيٍّ بَقِيَ مِنْ وَلَدِ اسماعيل هٰذَا الْبَلَدَ مَوْلِدُهُ مِنْ صِفَتِهِ كَذَا وَكَذَا فَأَتَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى بَقِيَّةِ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَنَظَرَ إِلَيْهِ الاسقف وَإِلَى عَيْنَيْهِ وَإِلَى ظَهْرِهِ وَإِلَى قَدَمَيْهِ فَقَالَ هُوَ هٰذَا مَا هٰذَا مِنْكَ قَالَ ابْنِي قَالَ الاسقف مَا نَجِدُ أَبَاهُ حَيًّا قَالَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ هُوَ ابْنُ ابْنِي وَقَدْ مَاتَ أَبُوْهُ وَأُمُّهُ حُبْلَى بِهِ قَالَ صَدَقْتَ

قَالَ عَبْدُ المطلب لِبَنِيهِ تحفظوا بابن اخيكم الا تسمعون ما يقال فيه۔

(دلائل النبوۃ جلد اوّل ص ۲۰۷ تا ۲۰۸)

ترجمہ: جناب عبدالمطلب ایک دن حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کے پاس ایک نجران کا آسف نامی عالم بھی بیٹھا تھا۔ یہ ان کا بڑا دوست تھا۔ گفتگو ہو رہی تھی۔ تو کہنے لگا۔ ہم اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک پیغمبر کی خوش خبری پاتے ہیں۔ کہ جن کی جائے پیدائش یہی مکہ ہو گی۔ ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہوئی تھی۔ کہ اتنے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے۔ آسف نے آپ کو آپ کی آنکھوں اور قدموں کو دیکھا۔ اور پوچھا۔ یہ بچہ تمہارا کیا لگتا ہے؟ میں نے کہا میرا بیٹا ہے۔ آسف کہنے لگا۔ ہمیں تو یہ پتہ ہے۔ کہ اس کا باپ زندہ نہ ہو گا۔ تو عبدالمطلب کہنے لگے۔ میں نے کہا۔ کہ میں اس کا دادا ہوں۔ اس کا باپ اس کی پیدائش سے قبل ہی انتقال کر گیا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ یہ سچ ہے۔ پھر جناب عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ اپنے چچازاد بھائی کی خوب حفاظت کرنا۔ کیا تم اس کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے۔ وہ سنتے نہیں۔

☆

روایت ۴

جناب عبد المطلب نے اپنے پوتے کا نام محمدؐ اس لیے رکھا۔ تاکہ زمین و آسمان میں ان کی تعریف ہوا کرے۔

دلائل النبوۃ:

فَقَالَ احْفَظْنَهُ فَاِنِّیْ اَرْجُوْ اَنْ یُّصِیْبَ خَیْرًا فَلَمَّا کَانَ الْیَوْمُ السَّابِعُ ذُبِحَ عَنْهُ وَدَعَا لَهُ قُرَیْشًا فَلَمَّا اَکَلُوْا قَالُوْا یَا عَبْدَ الْمُطَّلِبِ اَرَأَیْتَ ابْنَکَ هٰذَا الَّذِیْ اَکْرَمْتَنَا عَلٰی وَجْهِهٖ مَا سَمَّیْتَهٗ قَالَ سَمَّیْتُهٗ مُحَمَّدًا فَلَمْ رَغِبْتَ بِهٖ عَنْ اَسْمَاءِ اَهْلِ بَیْتِهٖ قَالَ اَرَدْتُ اَنْ یَّحْمَدَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی السَّمَاءِ وَخَلْقُهٗ فِی الْاَرْضِ۔ (دلائل النبوۃ بیہقی جلد اوّل ص ۱۱۳)

ترجمہ: جناب عبد المطلب نے عورتوں کو کہا۔ کہ اس نومولود کی بہت حفاظت کرنا کیونکہ میں امید کرتا ہوں۔ کہ یہ خیر کثیر کو پہنچے گا۔ پھر جب ساتواں دن آیا۔ تو ان کی طرف سے ذبح کیا گیا۔ اور قریش کو کھانے کی دعوت دی جب سب کھا چکے۔ تو پوچھا۔ اسے عبد المطلب! یہ نومولود جس کی تو نے ہمیں دعوت کھلائی اس کا کیا نام رکھا ہے؟ کہا

میں نے محمد نام رکھا ہے۔ کہنے لگے۔ خاندانی ناموں کو چھوڑ کر یہ نیا نام رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ کہا۔ میں نے ارادہ کیا۔ کہ اللہ تعالےٰ آسمانوں میں اور اس کی مخلوق زمین پر اس کی تعریفیں کرے اس لیے میں نے یہ نام رکھا ہے۔

روایت نمبر ۵:

جناب عبد المطلب نے اپنے بیٹے کا نام عبد اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر رکھا۔

سیرت حلبیہ :-

قِیْلَ خَرَجَ عَبْدُ المطلب وَمَعَهٗ وَلَدُهٗ عَبْدُ اللّٰهِ۔ وَكَانَ اَحْسَنَ رَجُلٍ فِیْ قُرَيْشٍ خُلُقًا وَخَلْقًا وَكَانَ نُوْرُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيِّنًا فِیْ وَجْهِهٖ ..... وفی روایۃ اِنَّهٗ كَانَ اَكْمَلَ بنی اَبِيْهِ وَاَحْسَنَهُمْ وَاَعَفَّهُمْ وَاَحَبَّهُمْ اِلٰى قُرَيْشٍ وَقَدْ هَدَى اللّٰهُ تعالیٰ وَالِدَهٗ فَسَمَّاهُ بِاَحَبِّ الْاَسْمَاءِ اِلَى اللّٰهِ تعالیٰ فَفِی الحدیث اَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَى اللّٰهِ تعالیٰ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرحمٰن

(سیرت حلبیہ جلد اوّل ص ۱۱ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: بیان کیا گیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ جناب عبدالمطلب گھر سے نکلے تو ان کے ساتھ ان کے بیٹے جناب عبداللہ بھی تھے۔ خاندان قریش میں سب سے زیادہ حسین اور اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک ان کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے جناب عبداللہ کامل ترین۔ خوبصورت ترین، اور محبوب ترین شخص تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو ان کا نام رکھنے کی مخصوص راہنمائی فرمائی۔ کیونکہ ان کا نام وہ نام ہے۔ جو از روئے احادیث اللہ تعالیٰ کو تمام ناموں سے زیادہ محبوب ہے۔ یعنی عبداللہ اور عبدالرحمٰن۔

لمحہ فکریہ:

جناب عبدالمطلب نے لوگوں کے سوال کے جواب میں جو فرمایا۔ کہ میں نے اپنے پوتے کا نام "محمد" اس لیے رکھا۔ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق اس کی تعریف کرے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کا اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان تھا۔ اور آسمانوں کا خالق و مالک اسی کو سمجھتے تھے۔ یہی توحید ہے۔ اور حبیب اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کی طرف خیال جاتا ہے۔ جو اس نے عبدالمطلب کو اپنے بیٹے کے نام رکھنے میں عطا کی۔ تو اس سے اور بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ انہیں شرک سے کتنی نفرت تھی۔ اور خدا کی بندگی کا کس قدر اعتقاد تھا۔ حالانکہ اس دور کے مردوں کے نام عام طور پر بتوں کے ناموں پر رکھے جاتے تھے۔ لہٰذا جناب عبدالمطلب کا مومن اور موحد ہونا اس طرح روشن ہے۔ جس طرح دن کے وقت سورج۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

روایت نمبر۶:

طبقات ابن سعد:

قَالَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عمر من الاسلمی
قال حدثنی علی بن یزید بن عبد الله
بن وهب بن زمعه عن ابیه عَنْ عَمَّتِه
قَالَتْ لَمَّا وَلَدَتْ اٰمنه بنت وهب رَسُوْلَ اللّٰہِ
صلی الله علیه و سلم اَرْسَلَتْ اِلٰی عَبْدِ الله
فَجَاءَهُ الْبَشِیْرُ وَ هُوَ جَالِسٌ فِی الْحِجْرِ مَعَهٗ
وَلَدُهٗ وَ رِجَالٌ مِنْ قَوْمِهٖ فَاَخْبَرَهٗ اِنَّ اٰمنه
وَلَدَتْ غُلَامًا فَسَرَّ ذَالِکَ عَبْدُ المطلب
وَ قَامَ هُوَ وَ مَنْ کَانَ مَعَهٗ فَدَخَلَ
عَلَیْهَا فَاَخْبَرَتْهُ بِکُلِّ مَا رَأَتْ وَ مَا
قِیْلَ لَهَا وَ مَا اُمِرَتْ بِهٖ قَالَ فَاَخَذَهٗ
عَبْدُ المطلب فَادْخَلَهُ الْکَعْبَةَ وَقَامَ

عِنْدَهَا يَدْعُوا اللهَ وَيَشْكُرُ مَا اَعْطَاهُ۔ قَالَ اَخْبَرَنَا محمد بن عمر الاسلمی قال ولخبرق اِنَّ عَبْدَ المطلب قَالَ يَوْمَئِذٍ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعْطَانِیْ

هٰذَا الْغُلَامَ الطَّيِّبَ الْاَرْدَانِ

قَدْ سَادَ فِی الْمَهْدِ عَلَى الْغِلْمَانِ

اُعِيْذُهٗ بِاللّٰهِ ذِی الْاَرْكَانِ

حَتّٰى اَرَاهُ بَالِغَ الْبُنْيَانِ ٭ اُعِيْذُهٗ مِنْ شَرِّ ذِیْ شَنَآنٍ

مِنْ حَاسِدٍ مُضْطَرِبِ الْجَنَانِ

(طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ نمبر ۱۰۳)

ترجمہ: عبدالمطلب بن وہب اپنے باپ کے ذریعہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جب سیدہ آمنہ بنت وہب کے ہاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو انہوں نے جناب عبدالمطلب کی طرف ایک خوش خبری دینے والے کو بھیجا۔ جب وہ آپ کے پاس آیا۔ تو آپ اس وقت حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے اردگرد آپ کے بیٹے اور قوم کے کچھ اور مرد بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ تو آنے والے نے خوشخبری دی۔ کہ آمنہ کے گھر ایک بچہ کی ولادت ہوئی ہے۔ یہ سن کر عبدالمطلب بہت خوش ہوئے۔ اٹھے اور جو ان کے ساتھ وہاں لوگ تھے سبھی اکٹھے حضرت آمنہ کے گھر آئے۔ تو حضرت آمنہ نے جو کچھ (خرق عادت کے طور پر) دیکھا، جو ان سے کہا گیا

اور جن باتوں کا انہیں حکم دیا۔ وہ سب عبدالمطلب سے کہہ دیں۔ عبدالمطلب اسے لے کر کعبہ میں آئے وہاں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کی عطا پر شکر گزار ہوئے۔ ایک اور روایت کے مطابق جناب عبدالمطلب نے کچھ اشعار کہے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔

۱۔ تمام تعریفیں اس اللہ پاک کی جس نے ہمیں یہ نہایت ستھری بچہ عطا فرمایا۔

۲۔ پنگھوڑے میں ہی اس نے تمام بچوں کی سیادت حاصل کر لی۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں جو ہر ارکان کا مالک ہے۔

۳۔ میں اس کو مضبوطی اور بلوغ تک پہنچے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس وقت تک ہر حاسد کے حسد سے میں اسے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ صاحب البدایہ والنہایہ نے یہ شعر بھی ذکر کیے ہیں۔

۱۔ ذِیْ هِمَّةٍ لَیْسَ لَهٗ عَیْنَانِ
حَتّٰی اَرَاهُ رَافِعَ اللِّسَانِ

۲۔ اَنْتَ الَّذِیْ سُمِّیْتَ فِی الْقُرْاٰنِ ؏ فِیْ کُتُبٍ ثَابِتَۃِ الْمَثَانِیْ
اَحْمَدُ مَکْتُوْبٌ عَلَی اللِّسَانِ

(البدایہ والنہایہ جلد دوم صفحہ نمبر ۲۶۵)

ترجمہ: صاحب ہمت ہیں۔ ان کا کوئی سردار نہیں۔ میں انہیں کا چرچا لوگوں کی زبان پر سنوں۔

تم وہ ہو کہ جن کا کتب سابقہ میں یوں تذکرہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن میں ان کا نام احمد عام و خاص کی زبان پر جاری ہوگا۔

روایت ۷۱:

حلیمہ کو دینے کے لیے جناب

عبدالمطلب کو غائبانہ

آواز آئی

زرقانی:

(فَنَادٰی لِسَانُ الْقُدْرَۃِ) وَالْمُرَادُ اَنَّ قُدْرَتَہٗ تَعَلَّقَتْ بِاِعْلَامِہِمْ بِذٰلِکَ (اَنَّ نَبِیَّہُ الْکَرِیْمَ یَکُوْنُ رَضِیْعًا لِحَلِیْمَۃِ السَّعْدِیَۃِ) مِنَ الْحِلْمِ وَقَدْ ذَکَرَ الْخَرْقُ اَنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ سَمِعَ وَقْتَ دُخُوْلِ حَلِیْمَۃَ هَاتِفًا یَقُوْلُ۔

۱۔ اِنَّ ابْنَ اٰمِنَۃَ الْاَمِیْنَ مُحَمَّدًا ❁ خَیْرُ الْاَنَامِ وَخِیْرَۃُ الْاَخْیَارِ

۲۔ مَالَہٗ غَیْرُ الْحَلِیْمَۃِ مُرْضِعٌ ❁ نِعْمَ الْاَمِیْنَۃُ هِیَ عَلَی الْاَبْرَارِ

۳۔ مَاْمُوْنَۃٌ عَنْ کُلِّ عَیْبٍ فَاحِشٍ
وَنَقِیَّۃُ الْاَثْوَابِ وَالْاَدْرَارِ

❁

۴۔ لَاتَسْلِمَنَّہٗ اِلٰی سِوَاهَا اِنَّہٗ
اَمْرٌ وَحُکْمٌ جَاءَ مِنَ الْجَبَّارِ

(زرقانی جلد اول ص ۱۴۱)

ترجمہ: (زرقانی میں ان اشعار سے کچھ قبل اس بات کا تذکرہ ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو ایک فرشتے نے آسمان پر ندا دی۔ کہ اس درِ یتیم کو کون دودھ پلانے کی سعادت حاصل کرے گا۔ تمام پرندوں نے کہا۔ کہ اس کی کفالت ہمارے ذمہ پر چھوڑی جائے۔ ہم اس کی خدمت عظیم کو اپنے لیے غنیمت سمجھیں گے اسی طرح جنگلی جانوروں نے بھی خواہش کا اظہار کیا) (اور پھر قدرت کی زبان سے ندا آئی مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت قدیمہ کے تحت یہ فیصلہ کر دیا تھا۔ کہ اس نومولود کی رضاعت کی سعادت حلیمہ کو حاصل ہوگی۔ علامہ زرقانی نے ذکر کیا۔ کہ جب حلیمہ سعدیہ کا شانۂ رسالت میں داخل ہوئیں۔ تو جناب عبدالمطلب کو ہاتف سے یہ آواز آئی۔

۱۔ بے شک سیدہ آمنہ کا نورِ نظر جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم امین اور تمام لوگوں سے بہتر اور اچھوں سے اچھا ہے۔

۲۔ سعدیہ حلیمہ کے علاوہ ان کی کوئی دودھ پلانے والی نہیں۔ جو صاف کپڑوں والی اور صاف چادر والی ہے۔ ہاں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی نیکی کی مالکہ ہیں۔ حلیمہ ہر عیب اور برائی سے پاک ہیں۔ اور شرم و حیا کی پیکر ہیں۔

۳۔ ان کے سوا کسی اور کے سپرد نہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جو غالب اور قدرت والا ہے۔

لمحہ فکریہ:

فرشتے کی آواز جس طرح پرندوں اور حیوانات نے سنی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہاتف کے ذریعہ جناب عبدالمطلب نے بھی سنا۔ اور خدائی پیغام بذریعہ

اُن سُننا کتنی بڑی سعادت ہے۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ جناب عبدالمطلب اللہ تعالیٰ کے مقبول و مقرب بندے تھے۔ اور کفر و شرک سے اُن کا دُور کا بھی واسطہ نہ تھا

روایت ۸

جنابؑ عبدالمطلب کے موحد اور مومن

ہونے پر صراحۃً آپ کے اشعار دلالت کرتے ہیں

البدایۃ والنہایۃ:۔

قام عبد المطلب یدعو اللہ وذکر یونس بن بکیر عن محمد بن اسحاق ان عبد المطلب یقول۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ الْمَحْمُوْدُ

۱۔ رَبِّیْ اَنْتَ الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ

۲۔ اِنْ شِئْتَ اَلْهَمْتَ كَمَا تُرِیْدُ ؛ لِمَوْضِعِ الْحِلْیَةِ وَالْحَدِیْد

۳۔ فَبَیِّنِ الْیَوْمَ كَمَا تُرِیْدُ ؛ اِنِّیْ نَذَرْتُ الْعَاهِدَ الْمَعْهُوْدَ

اِجْعَلْهُ رَبِّ لِیْ فَلَا اَعُوْدُ

(البدایۃ والنہایۃ جلد دوم ص ۲۴۶)

ترجمہ:۔ زمزم کا کنواں جناب عبدالمطلب سے پہلے بند ہو چکا تھا۔ بذریعہ الہام انہیں کھودنے کا حکم ملا لیکن یہ جگہ چونکہ اساف اور نائلہ بت کے درمیان واقع تھی۔ اس لیے اِن بتوں کے نقصان کے پیش نظر

قریش نے ان کی مخالفت کی۔) اس پر جناب عبدالمطلب دعا کے لیے اللہ کے حضور کھڑے ہو گئے۔ اور یہ اشعار بطور دعا پڑھے۔

۱۔ اے اللہ! تو بادشاہ اور قابل تعریف ہے۔ میرے پروردگار تو ہی ابتدا میں سب کو پیدا کرنے والا اور پھر دوبارہ اُن کا اعادہ کرنے والا ہے۔

۲۔ تو چاہے تو جیسے بھی مجھے الہام سے نواز دے۔ اور اس جگہ اگرچہ بُت اور سونا روکاوٹ کیوں نہ ہوں۔

۳۔ اور آج کے دن تو اپنے ارادہ کو واضح کر دے۔ میں نے تو پختہ نذر مانی ہوئی ہے۔ اور مجھے اس سے پھر جانے کی ہمت نہ عطا کرنا۔

لمحہ فکریہ:

اللہ تعالیٰ کے بارے میں جناب عبدالمطلب نے کہا۔ وہ مالک ہے۔ وہ محمود ہے۔ وہ میرا پروردگار ہے۔ وہ تمام کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے۔ پھر وہی اعادہ کرنے والا ہے۔ اس کا حکم اٹل ہے۔ وہ میری طرف الہام کرتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار اُن کے پختہ مسلمان ہونے کی صراحت کرتا ہے۔ کفر و شرک سے بیزاری ظاہر ہوتی ہے۔ تین سو ساٹھ بتوں میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کیا کسی مشرک یا کافر سے متوقع ہے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ جناب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پکے مسلمان، کفر و شرک سے بالکل مبرا کامل موحد اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے تھے۔ کسی نے ان خیالات کا اظہار اُن سے زبردستی نہیں کروایا۔ بلکہ دل کی گہرائیوں سے یہ باتیں کہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

ایک ضمنی بحث

جناب عبدالمطلب کے مسلمان ہونے پر دو اعتراضات

اعتراض اوّل

نبی علیہ السلام نے فرمایا عبدالمطلب جنت کا منہ نہ دیکھے گا۔

البدایۃ والنہایۃ:۔

و قال الامام احمد حدثنا ابو عبد الرحمٰن
حدثنا سعید ھو ابن ابی ایوب حدثنا ربیعہ
بن سیف المعافری عن ابی عبد الرحمٰن الحبلی
عن عبد اللہ بن عمرو قال بَیْنَمَا نَمْشِی
مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و سلم اِذْ بَصُرَ
بِامْرَاَۃٍ لَا یُظَنُّ اَنَّہٗ عَرَفَھَا فَلَمَّا تَوَسَّطَ
الطَّرِیْقَ وَقَفَ حَتّٰی اِنْتَھَتْ اِلَیْہِ فَاِذَا
فَاطِمَۃُ بِنْتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
و سلم فقال مَا اَخْرَجَکِ مِنْ بَیْتِکِ یَا فَاطِمَۃُ؟
فَقَالَتْ اَتَیْتُ اَھْلَ ھٰذَا الْبَیْتِ فَتَرَحَّمْتُ
اِلَیْھِمْ مَیِّتَھُمْ وَعَزَّیْتُھُمْ قَالَ لَعَلَّکِ بَلَغْتِ
مَعَھُمُ الْکُدٰی قَالَتْ مَعَاذَ اللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ
بَلَغْتُہَا مَعَھُمْ وَقَدْ سَمِعْتُکَ تَذْکُرُ فِی

ذَالِكَ مَا تَذْكُرُ قَالَ لَوْ بَلَغْتِهَا مَعَهُمْ مَا رَأَيْتِ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَرَاهَا جَدُّ اَبِيْكِ۔

(البداية والنهاية جلد دوم ص ۲۸۰ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے۔ کہ ہم چند آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جا رہے تھے۔ کہ آپ نے اچانک ایک عورت دیکھی۔ جس کے بارے میں گمان تھا۔ کہ آپ نے اُسے پہچانا نہیں۔ جب راستے کے درمیان آگئی۔ آپ کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ عورت آپ کے پاس آپہنچی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ نے پوچھا۔ گھر سے نکلنے کی کیا وجہ ہوئی۔؟ کہنے لگیں۔ اس گھر والوں کے ہاں آئی تھیں۔ تاکہ ان کی میت کے لیے تعزیت اور بخشش کروں۔ آپ نے پوچھا۔ گھر سے اُن کے ساتھ قبرستان تک بھی گئی ہو گی؟ کہا۔ معاذ اللہ۔ میں ان کی میت کے لیے وہاں کیسے جا سکتی تھی۔ حالانکہ میں نے آپ سے اس بارے میں سن رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تو ان کے ساتھ قبرستان جاتی۔ تو کبھی بھی جنت کا منہ نہ دیکھ سکتی۔ یہاں تک کہ تیرے باپ کا دادا جنت کو دیکھتا۔

توضیح:

روایت کے آخری الفاظ یعنی "تو اس وقت تک جنت کو نہ دیکھتی جب تک تیرے باپ کا دادا جنت کو نہ دیکھتا،، ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب جنت میں نہیں جا

گے۔ لہذا اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ مسلمان موحد نہ تھے۔ بلکہ کفر و شرک پر ان کا خاتمہ ہوا۔

جواب اوّل:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہا کو مذکورہ ارشاد فرمانا اس وقت کی بات ہے۔ جب عورتوں کے لیے قبرستان جانے سے ممانعت موجود تھی۔ جس کی بعد میں اجازت دے دی گئی تھی۔ اب حضرت خاتون جنت اگر بفرض محال قبرستان میں چلی جاتیں۔ تو اس جانے سے وہ ایمان سے خارج تو نہیں ہو سکتی تھیں۔ یہ احتمال بھی اس وقت ذہن میں آسکتا ہے۔ جب قبرستان میں جانے کو گناہ کبیرہ سے شمار کیا جائے۔ اور پھر بھی ان لوگوں کے نزدیک جو کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں۔ لیکن یہاں سرے سے نہ یہ کبائر کی فہرست میں اور نہ اس کے ارتکاب سے کفر لازم۔ تو اب ماننا پڑے گا۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سیدہ کو بطور تہدید فرمائی۔ اور اگر تہدید پر محمول نہ کریں اور نہ ہی اس سے کفر لازم آتا ہے۔ تو پھر ظاہری مفہوم کے اعتبار سے مطلب یہ ہو گا۔ کہ اگر تو قبرستان جانے کا گناہ کر بیٹھتی تو پھر کل قیامت کو تجھے اس کی کچھ نہ کچھ سزا ملتی۔ سزا ملے بغیر سیدھی جنت میں نہ جاتی۔ یہ معنی اس حدیث پاک کے ضمن میں آجائے گا۔ جس میں آپ نے فرمایا۔ من قال لا الٰہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ۔ یعنی مسلمان گناہوں میں ڈوبا ہوا اگر اللہ تعالیٰ اُسے اس کے گناہوں کی سزا دینا چاہے گا۔ تو وہ سزا کاٹنے کے بعد بالآخر وہ جنت میں آجائے گا۔ اب اس ظاہری مطلب اور مفہوم کے پیش نظر آپ کے اس ارشاد پر غور کریں۔ کہ وہ جب تک تیرے باپ کا دادا جنت نہ دیکھے گا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عبد المطلب کچھ سزا کاٹ کر جنت میں آئیں گے۔ سیدھے جنت میں

نہیں جائیں گے۔ اس مفہوم کی تائید اس نظریئے سے بھی ہوتی ہے۔ جو اہل فترت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ بحوالہ حدیث اہل فترت کا بھی امتحان ہوگا اور بقول علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا بھی امتحان ہوگا۔ لیکن وہ کامیاب رہیں گے۔ اور دوزخ میں گئے بغیر سیدھے جنت میں چلے جائیں گے۔ اس احتمال قریب کو چھوڑ کر معترض نے دُور کا احتمال لیا۔ اس لیے جب قریب کا احتمال موجود ہے۔ تو پھر مذکورہ حوالہ سے جناب عبدالمطلب کا دوزخی ہونا یا مسلمان نہ ہونا ثابت کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور استدلال کمزور پڑجاتا ہے۔

جواب دوم:

روایت مذکورہ میں سند کے ضعف کی وجہ سے ثبوت کفر یا استدلال درست نہیں ہے۔ یہ روایت امام بیہقی نے بھی ذکر کی ہے۔ اس کے رجال میں ایک راوی ربیعہ بن سیف معافری بھی ہے۔ بلکہ یہ مرکزی راوی ہے۔ عون المعبود میں علامہ المنذری نے اسے لکھا ہے۔ کہ اس میں قیل وقال ہے اور الفتح الربانی میں اس کے بارے میں یہ جرح مذکور ہے۔

الفتح الربانی:

وفی اسنادہ ربیعة بن سیف وثقه العجلی وضعفه النسائی وقال البخاری روی احادیث لا یتابع علیها وعندہ مناکیر واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

(الفتح الربانی شرح مسند امام حنبل جلد ۹ ص ۲۲)

ترجمہ: ربیعہ بن سیف کو العجلی نے ثقہ کہا۔ اور امام نسائی نے اسے

ضعیف کہا۔ اور امام بخاری کا کہنا ہے۔ کہ اس کی احادیث (مرویات) کی اتباع نہیں کی جاتی۔ اور ان کے نزدیک اس کی احادیث منکر ہیں۔

تہذیب التہذیب:

ذکرہ ابن حبان فی الثقات و قال یخطی کثیرا وقال ابن یونس فی حدیثہ مناکیر توفی قریبا من سنتہ عشرین و مائۃ روی لہ ابو داؤد و النسائی حدیثا من روایتہ عن الحبلی عن عبد اللہ بن عمرو من مع النساء عن زیارۃ الکبری والترمذی آخر من روایتہ عن عبد اللہ بن عمرو فی الموت یوم الجمعۃ و قال غریب و لیس اسنادہ بمتصل ربیعہ انما یروی عن الحبلی عن عبد اللہ بن عمرو ولا نعرف ربیعہ سماعا من ابن عمرو قلت و قال العجلی ثقہ قال البخاری فی الاوسط روی احادیث لا یتابع علیہا و قال النسائی فی سنن ضعیف۔

(تہذیب التہذیب جلد سوم ص ۲۵۶)

ترجمہ: ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں ذکر کیا۔ اور کہا کہ بکثرت خطاء کر جاتا ہے۔ ابن یونس نے کہا۔ کہ اس کی احادیث میں منکر حدیثیں بھی ہیں۔ ایک سو بیس ہجری کے لگ بھگ انتقال کیا۔ اس کی ایک حدیث امام ابو داؤد اور نسائی نے

العجلی عن عبداللہ بن عمرو سے ذکر کی۔ جس میں عورتوں کو قبرستان جانے کی ممانعت کا ذکر ہے۔ امام ترمذی نے ایک اور روایت ذکر کی۔ وہ جمعہ کے دن مرنے کے بارے میں ہے۔ اور کہا کہ یہ غریب ہے اس کی اسناد متصل نہیں ہیں۔ ربیعہ، العجلی عن عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتا ہے۔ اور ہمیں نہیں معلوم کہ ربیعہ نے ابن عمرو سے سماع کیا ہو۔ میں کہتا ہوں۔ العجلی نے اسے ثقہ کہا۔ اور امام بخاری نے اوسط میں کہا۔ کہ اس کی مرویات کی متابعت نہیں کی جاتی۔ نسائی نے سنن میں اسے ضعیف کہا ہے۔

میزان الاعتدال:

وَقَالَ لَا نَعْرِفُ لِرَبِيْعَةِ سِمَاعًا مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ وَ ضَعَّفَهُ الحافظ عبد الحق الازدی عِنْدَ مَا رَوٰى لَهُ حَدِيْثَ يَا فَاطِمَةُ اَبَلَغْتِ مَعَهُمُ الكُدٰى قَالَتْ لَا قَالَ لَوْ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الكُدٰى مَا دَخَلْتِ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَدْخُلَهَا جَدُّ اَبِيْكِ فقال هو ضعيف الحديث عنده مناكير و قال ابن حبان لا يتابع ربيعة على هذا في حديثه في مناكير۔

(میزان الاعتدال جلد اول ص ۳۳۵)

ترجمہ: امام نسائی نے کہا۔ کہ ہم ربیعہ کا عبداللہ سے سماع نہیں جانتے حافظ عبدالحق ازدی نے ربیعہ کی تضعیف کی۔ اور وہ بھی خاص کر اس حدیث کی روایت کے وقت "اے فاطمہ! کیا تو ان کے

ساتھ قبرستان تک گئی تھی؟ سیدہ نے عرض کیا۔ نہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تو ان کے ساتھ قبرستان جاتی تو اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوتی جب تک تیرے باپ کا دادا داخل نہ ہوتا۔ تو کہا کہ ربیعہ ضعیف الحدیث ہے۔ اور اس کی روایات منکر بھی ہیں۔ ابن حبان نے کہا۔ کہ ربیعہ کی اس روایت میں متابعت نہیں ہوتی۔ (یعنی کوئی دوسرا راوی چونکہ اس کی تائید نہیں کرتا اس لیے اکیلے کی روایت قابل حجت نہیں) اس کی مرویات میں منکر بھی موجود ہیں۔

لمحہ فکریہ:

یاد رہے۔ کہ ابن کثیر نے مذکورہ روایت کو البدایۃ والنہایہ میں جس بات کے ضمن میں پیش کیا۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد حضرت آدم سے تا جناب عبد اللہ مسلمان نہ تھے۔ اور ان کا مومن و موحد ثابت کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان کے کفر و شرک اور جہنمی ہونے کی روایات موجود ہیں۔ ان روایات میں سے ایک یہ روایت بھی ذکر کی۔ یہ ابن کثیر کی دراصل اپنے مسلک کے جد اعلیٰ ابن تیمیہ کی اندھی تقلید ہے۔ اندھی ہم اس لیے کہہ رہے ہیں۔ کہ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد اس کے ماتحت میں خود ابن کثیر لکھتا ہے۔

قَالَ الْبُخَارِیُّ عِنْدَہٗ مَنَاکِیْرُ وَذَکَرَہُ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ وَقَالَ کَانَ یُخْطِیُٔ کَثِیْرًا وَقَالَ ابن یونس فی تاریخ مصر فی حدیثہ مناکیر۔

ترجمہ:۔ امام بخاری نے اس روایت کے راوی ربیعہ کی بہت سی احادیث مناکیر ہیں۔ ابن حبان نے اسے ثقہ رواۃ میں شمار کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ بکثرت خطا کیا کرتا تھا۔ ابن یونس نے تاریخ مصر میں اس کے متعلق لکھا۔ کہ اس کی احادیث میں مناکیر موجود ہیں۔

ابن کثیر کی اس جرح سے ملتی جلتی جرح میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب سے آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ قارئین کرام! ایک ایسی روایت جس کا راوی مناکیر بکثرت ذکر کرتا ہو۔ جس کی روایت حدیث میں خطا بھی بکثرت ہو۔ تو اس راوی کی ایسی روایت سے کہ جس کا سماع بھی اپنے شیخ سے ثابت نہ ہو۔ جناب عبدالمطلب کا کفر ثابت کرنا اندھی تقلید نہیں تو اور کیا کہلائے گا۔ اور پھر طرہ یہ کہ اس روایت کی کسی اور لے تائید بھی نہ کی حدیث منقولہ سے مختلف اور ضعیف راوی کے ہوتے ہوئے کسی کا کفر ثابت کرنا کونسی علمی دیانت ہے۔ اور اسی حدیث کے متعلق حضرات کتب اسماء الرجال نے یہاں تک لکھ دیا کہ کسی نے ربیعہ کی اس میں اتباع نہیں کی۔ اس سے بڑھ کر اس حدیث کا ناقابل حجت ہونا اور کیا ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض دوم

ابوطالب نے آخری لمحات میں کہا کہ میں ملت عبدالمطلب پر مر رہا ہوں

حدیث میں آتا ہے۔ کہ ابوطالب نے آخری لمحات زندگی میں یہ کہا۔ کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر مر رہا ہوں۔ اور اس نے کلمہ پڑھنے کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی جواب دیا لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ ملت عبدالمطلب اور ایمان پر خاتمہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جب ابوطالب آخری ان الفاظ کی بنا پر کفر پر مرا۔ تو پھر عبدالمطلب کا مومن اور موحد

…ا کس طرح ہوگا؟ اصل حدیث درج ذیل ہے۔

تفسیر طبری:

قَالَ اَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ بن المسیب عَنْ اَبِیْہِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ اَبَا طالب الوَفَاۃُ جَاءَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ و سلم فَوَجَدَ عِنْدَہٗ اَبَا جہل بن ہشام و عبد اللہ بن ابی امیۃ بن المغیرۃ فقال رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ و سلم یَا عَمِّ قُلْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کَلِمَۃً اَشْہَدُ لَکَ بِہَا عِنْدَ اللّٰہ قَالَ اَبُوْ جَہْلٍ وَعَبْدُ اللّٰہ بن ابی امیۃ یَا اَبَا طَالِبَ اَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّۃِ عبد المطلب فَلَمْ یَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ و سلم یَعْرِضُہَا عَلَیْہِ وَیُعِیْدُ وَ نَ تِلْکَ المقالۃ حَتّٰی قَالَ اَبُوْ طَالِبٍ آخِرَ مَا کَلَّمَہُمْ ہُوَ علی مِلَّۃِ عبد المطلب وَاَبٰی اَنْ یَّقُوْلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ و سلم وَاللّٰہ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَا لَمْ اُنْہَ فَاَنْزَلَ اللّٰہ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ الخ۔

(تفسیر قرطبی جلد ۷ ص ۳۰۳)

ترجمہ:

سعید بن المسیب اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں۔ کہ جب ابو طالب کے مرنے کا وقت آن پہنچا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی وہاں موجود

تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے چچا لا الہ الا اللہ کلمہ پڑھ لو میں اس کے پڑھنے کی اللہ کے ہاں تمہارے حق میں گواہی دوں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگا۔ اے ابوطالب! کیا تو اپنے باپ عبدالمطلب کی ملت سے منہ پھیرے گا؟ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ابوطالب کو کلمہ پڑھنے کا کہتے رہے۔ اور ابوجہل و عبداللہ اسے وہی بات دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ ابوطالب نے آخری بات یہ کہی۔ کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں۔ اور کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ میں تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ جب تک مجھے اس سے روک نہ دیا جائے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری (نبی اور مومنوں کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ کسی مشرک کے لیے استغفار کریں اگرچہ وہ ان قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔

جواب:

روایتِ مذکورہ سے عبدالمطلب کا عدم ایمان یا کافر ہونا مستدل کی نظر میں یوں ثابت ہوتا ہے۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ پڑھنے کی کوشش کے جواب میں ابوطالب نے ملت عبدالمطلب کو اختیار کیا۔ اور اسی آخری بات پر اس کا انتقال ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُسے آیت کریمہ میں مشرک کہا۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ ملت عبدالمطلب دراصل شرک کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے عبدالمطلب بھی موحد ثابت نہ ہوا۔

لیکن معترض یہاں یہ بات بھول جاتا ہے کہ ابوطالب کو جو کلمہ کی پیش کش کی گئی۔ اس سے کیا مراد تھی۔ اور جو اس نے ملت عبدالمطلب کا دامن تھامے رکھا۔ اس

وہ جہنمی کیوں ہو گیا؟ بات دراصل یہ ہے۔ کہ جس شخص کو کسی پیغمبر کا زمانہ دیکھنا نصیب ہو اس کے ایمان دار ہونے کے لیے توحید باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اس پیغمبر کی نبوت پر ایمان اور دیگر ایمانیات پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اب وہ صرف اللہ تعالیٰ کو ایک مان کر مومن نہیں کہلا سکتا ہے۔ بلکہ اُسے تفصیلی ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور جس شخص کو زمانۂ نبوت نہ ملے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ پر وحدہ لاشریک ہونے کا ایمان لانا ضروری ہوتا ہے۔ کسی نبی کی نبوت کی تصدیق، قضاو قدر پر ایمان، کتب سماویہ اور یوم آخرت وغیرہ پر اعتقاد ضروری نہیں ہوتا۔ اب اس حقیقت کو مد نظر رکھ کر ایمان ابی طالب اور ایمان عبد المطلب کا موازنہ کیا جائے۔ تو نظر یہ آئے گا۔ کہ ابو طالب کے لیے ایمان تفصیلی ضروری تھا۔ کیونکہ جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود ہیں۔ اور وہ ایمان تفصیلی کی تبلیغ و دعوت بھی دے رہے ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو طالب کو کلمہ پڑھنے کا کہنا دراصل توحید کے ساتھ ساتھ اپنی رسالت اور جملہ معتقدات پر ایمان کی دعوت دینا تھا۔ اس سے مراد صرف "لا الٰہ الا اللہ" کے الفاظ کہنے نہیں۔ کیونکہ یہ متفق علیہ عقیدہ ہے۔ کہ اگر ایک شخص "لا الٰہ الا اللہ" کے مضمون پر یقین رکھتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانتا۔ تو سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے تا قیامت صرف اتنی بات کی تصدیق کرنے والا مومن نہیں کہلائے گا۔ بلکہ اُسے آپ کی رسالت، قضاو قدر، یوم آخرت وغیرہ پر یقین بھی کرنا ہو گا۔ تب جا کر وہ مومن کہلائے گا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی من قال لا الٰہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ کا مفہوم بھی یہی ہے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایمان تفصیلی کے جواب میں ابو طالب ہاں نہیں کرتا۔ لہٰذا ابو طالب کے اس انکار سے اس کا کفر و شرک ثابت ہوا۔ لیکن دوسری طرف عبد المطلب کا دور وہ دور ہے۔

کہ اس میں کوئی رسول و نبی تشریف فرما نہیں۔ جو ایمان تفصیلی کی لوگوں کو دعوت دے۔
وہ زمانہ فترت ہے۔ اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا ہی مطلوب
تھا۔ ایمان تفصیل کا دور نہیں۔ لہٰذا ابو طالب کا ایمان تفصیلی کے جواب میں "وقت عبد المطلب"
پر قائم رہنے کے جواب سے مقصد یہ تھا۔ کہ میں صرف عقیدہ توحید تو مانتا ہوں لیکن
آپ کی رسالت تسلیم نہیں کرتا۔ اس ادھورے اور مجمل ایمان کی چونکہ اب ضرورت
نہ تھی تفصیلی اور کامل ایمان کا دور تھا۔ اس لیے ابو طالب کا ملت عبد المطلب پر
قیام مفید نہ ہو سکا۔ تو واضح ہوا۔ کہ ابو طالب کا جہنمی ہونا اس بنا پر نہیں کہ اس نے
ملت عبد المطلب کو کیوں اختیار کیا۔ بلکہ اس بنا پر ہے کہ اس نے صرف توحید کو
قبول کرنے اور باقی ایمانیات کو نہ ماننے کا اعلان کیا۔ اور "ملت عبد المطلب"
چونکہ عقیدۂ توحید کا نام تھا۔ اس لیے جناب عبد المطلب کے دور میں صرف موحد ہونا
کافی تھا۔ اس بنا پر جناب عبد المطلب اپنے دور کے اجمالی ایمان لانے پر مومن
اور موحد تھے۔ لیکن ابو طالب ایمان تفصیل کے انکار کی وجہ سے جہنمی ہوا۔ باقی رہا یہ
معاملہ کہ ملت عبد المطلب کا مطلب موحد ہونا ہے۔ تو اس بارے میں ہم متعدد
حوالہ جات نقل کر چکے ہیں۔ کہ جس میں جناب عبد المطلب کی بت پرستی سے بیزاری
اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو تسلیم کرنا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں
ان کے خیالات و وصیت ان تمام باتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ جناب عبد المطلب
مومن موحد تھے۔ لہٰذا مذکورہ روایات سے عبد المطلب کا کفر و شرک ثابت کرنا جہالت
کا آئینہ دار ہے۔ اور اس میں ایذائے رسول کریم کا پہلو نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح
نظر و فکر عطا کرے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

ایک ضمنی اعتراض

ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر بُت پرست تھے

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ ایمان کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ مذکور ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (الانعام پ۷)

ترجمہ: جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا۔ کیا تم بُتوں کو خدا مانتے ہو۔ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ آذر بُت پرست تھے۔ اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے یہ بھی ہیں۔ اس لیے آپ کے تمام آباؤ اجداد کا مسلمان ہونا ماننا قرآن مجید کے خلاف عقیدہ ہے۔ جو قابل قبول نہیں ہے۔

جواب:

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ مذکورہ میں لفظ "اب" کی نسبت اپنی طرف کرنا یا آذر کو اپنا باپ کہنا مجازاً ہے۔ اور چچا و دادا وغیرہ کو

"اب" کہنا مجازاً محاورہ عرب میں مستعمل ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث پاک میں جنگ حنین کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس پر شاہد ہے۔ کفار کی طرف پیش قدمی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ رجز پڑھتے آگے بڑھ رہے تھے:۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(بخاری شریف)

ترجمہ:۔ میں نبی ہوں۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

جناب عبدالمطلب رشتہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اور آپ ان کے پوتے ہیں۔ تو جس طرح یہاں دو طرح سے مجاز استعمال ہوا۔ یعنی خود اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹا (ابن) کہا۔ حالانکہ آپ بیٹے حقیقی نہیں بلکہ بیٹے کے بیٹے ہیں۔ اور اسی طرح جناب عبدالمطلب کو آپ نے اپنا باپ کہا۔ حالانکہ وہ باپ کے باپ تھے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ دادا کو بھی باپ کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح لفظ "اب" سے مراد مجازاً چچا کا ثبوت یہ ہے۔ کہ قریش نے ایک مرتبہ جب ابو طالب سے کہا۔ کہ اگر تمہیں کسی کو بیٹا بنانا پسند ہے تو ولید کے بیٹے عمارہ کو تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ تم اسے اپنا فرزند بنا لو لیکن اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دو۔ تاکہ ہم انہیں قتل کر دیں۔ اس پر ابو طالب کا جواب ملاحظہ ہو۔

تاریخ طبری:

وَاللّٰہِ لَبِئْسَ مَا تَسُوْمُوْنَنِیْ اَتُعْطُوْنَنِیْ اِبْنَکُمْ اَغْذُوْہُ لَکُمْ وَاُعْطِیْکُمْ اِبْنِیْ تَقْتُلُوْنَہٗ هٰذَا وَاللّٰہِ مَا لَا یَکُوْنُ اَبَدًا

(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ نمبر ۲۲۱)

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد دوم ص ۲۳)

ترجمہ: خدا کی قسم! تم مجھ سے بہت گھٹیا سودا کرنا چاہتے ہو۔ کیا تم اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے تمہارے لیے خوب کھلاؤں پلاؤں۔ اور میں اپنے ہاتھوں تمہیں اپنا بیٹا دوں تاکہ تم اسے قتل کردو۔ خدا کی قسم! ایسا کبھی نہ ہوگا۔ اس روایت میں ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بیٹا کہا اور خود کو ان کا باپ ظاہر کیا۔ لیکن نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے حقیقی فرزند تھے۔ اور نہ ہی ابو طالب آپ کا حقیقی باپ تھا۔ یہاں بھی باپ بیٹے کے لیے مجازاً استعمال ہوا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ چچا بھی مجازاً باپ کہلا سکتا ہے۔

قرآن کریم میں بھی لفظ "اب" مجازاً دادا اور چچا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا گیا۔

اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا۔ (پ البقرہ ع ۱۶)

ترجمہ: جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ کہنے لگے ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباؤ یعنی ابراہیم واسماعیل اور اسحاق (علیہم السلام) کے معبود کی عبادت کریں گے۔ جو ایک ہی معبود ہے۔

اس میں جناب ابراہیم و اسماعیل کو بھی "اب" کہا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں حقیقی باپ نہیں۔ بلکہ جناب یعقوب علیہ السلام کے حقیقی باپ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ اور اسماعیل علیہ السلام ان کے چچا اور ابراہیم علیہ السلام دادا ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ لفظ "اب" مجازاً چچا اور دادا پر بولا جاتا ہے۔ ان احادیث و قرآنی آیت کے

کے پیشِ نظر لفظ "اب" سے مراد خواہ مخواہ "والد" ہی لینا زبردستی ہے۔ ہاں اگر کوئی قرینہ لفظی یا عقلی اس کے حقیقی استعمال پر دلالت کرتا ہو۔ تو پھر بطریقہ حقیقت "والد" ہی مراد ہوگا۔ لیکن جہاں اس قسم کی کوئی دلیل نہ ہو۔ تو پھر اس احتمال و استعمال کو یکسر نظر انداز کر دینا قطعاً درست نہیں ہوگا۔

یہاں (یعنی مذکورہ آیت میں) لفظ "اب" سے مراد حقیقی والد نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی والد کا نام آذر نہیں بلکہ مفسرین کرام نے "تارخ" لکھا ہے۔ اس کا ثبوت کتب سابقہ (توراۃ، انجیل) اور موجودہ کتب تاریخ میں واضح طور پر ملتا ہے۔ البدایۃ والنہایۃ جلد اول ص ۱۳۹ پر ہے۔

ابراھیم خلیل الرحمٰن ھو ابراھیم بن تارخ

ص ۱۴۰ پر لکھا ہے۔ ولما کان عمر تارخ خمس وسبعین سنۃ ولد لہ ابراھیم علیہ السلام۔

ترجمہ: ابراہیم علیہ السلام تارخ کے فرزند ہیں۔ جب تارخ کی عمر پچھتر برس کی ہوئی تو ان کے ہاں ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

اسی طرح علامہ سیوطی نے مسالک الحنفاء میں لکھا ہے۔ کہ ابن المنذر نے صحیح سند کے ساتھ ابن جریج سے واذ قال ابراھیم لابیہ آزر کے بارے میں لکھا۔ کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کا باپ "والد" نہ تھا۔ بلکہ والد کا نام تارخ تھا۔ اور یہ چچا لگتا تھا۔

خلاصہ کلام:

سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے دو یعنی عبد المطلب اور آذر پر معترض کا اعتراض تھا کہ دونوں مومن و موحد نہیں ان کے علاوہ دوسرے تمام کے بارے میں خصم کو بھی تسلیم کہ ان کا ایمان و اسلام اور ثابت ہے۔ ہم نے ان دونوں کے متعلق تفصیل سے ثابت کر دیا۔ کہ جناب

عبد المطلب کے عدم ایمان والی روایت کا کیا مقام ہے۔ اور کیا اس میں اتنی
مضبوطی ہے۔ کہ اس سے کسی کا کفر و شرک ثابت کیا جاسکے۔ اور دوسرا آذر دوسرے
سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی آباؤ اجداد میں داخل ہی نہیں۔ لہٰذا اس کے بت
پرست ہونے سے آپ کے نسب عالی پر کوئی حرف نہیں آتا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد کے مومن ہونے اور بلکہ اعلیٰ درجہ کے مومن ہونے پر ایک واضح حدیث

مجمع الزوائد:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان
اللہ تعالیٰ قسم الخلق قسمین فجعلنی فی
خیرہما قسما فذالک قولہ (اصحاب الیمین)
(واصحاب الشمال) فانا من اصحاب الیمین وانا
من خیر اصحاب الیمین ثم جعل القسمین اثلاثا فجعلنی
فی خیرہا ثلثا فذالک قولہ (اصحاب

الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ وَأَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ) فَأَنَا مِنْ خَيْرِ السَّابِقِيْنَ ثُمَّ جَعَلَ أَثْلَاثَ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهَا قَبِيْلَةً فَذَالِكَ قَوْلُهُ (شُعُوْبًا وَقَبَائِلَ) فَأَنَا أَتْقَى وُلْدِ آدَمَ وَأَكْرَمُهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا فَخْرَ ثُمَّ فَجَعَلَ الْقَبَائِلَ بُيُوْتًا فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهَا بَيْتًا فَذَالِكَ قَوْلُهُ (شعوبا و قبائل) فانا اتقی ولد آدم واکرمهم (إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا) رواه الطبرانی و فیه یحیی بن عبد الحمید الحمانی وعنان ابن ربعی وکلاھما ضعیف)

(۱۔ مجمع الزوائد جلد چہارم ص ۲۱۴ تا ۲۱۵ مطبوعہ بیروت جدید)

(۲۔ البدایۃ و النہایہ جلد دوم ص ۲۵۷)

(۳۔ سیرت حلبیہ جلد اوّل ص ۴۴)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی دو قسمیں بنائیں۔ ان میں بہترین قسم میں مجھے رکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔ (اصحاب الیمین و اصحاب الشمال۔ اور میں اصحاب الیمین میں سے ہوں۔ اور میں اصحاب الیمین میں سے بھی بہترین لوگوں

میں ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دو قسموں کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔ تو مجھے ان تینوں میں سے بہترین حصہ میں رکھا۔ اس کا شاہد اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ الخ۔ تو میں ان تینوں میں سے بہترین السابقون میں سے ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تین قبیلے بنائے۔ تو مجھے ان میں سے سب سے اچھے قبیلہ میں رکھا۔ اس کا تذکرہ "شعوبا و قبائل" آیت میں ہے۔ اور میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ متقی ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ صاحب کرم ہوں۔ اس پر مجھے قطعاً فخر نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قبیلوں کو گھروں میں تقسیم فرمایا۔ اور مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا۔ اس کی تائید، اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے۔ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ الخ۔ یہ روایت طبرانی نے کی۔ اور اس کی سند میں دو آدمی یحییٰ بن عبد الحمید الحمانی اور غسان ابن ربیع ضعیف ہیں۔

توضیح:

مذکورہ حدیث پاک کی رُو سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً اصحاب الیمین میں تھے۔ پھر اصحاب الیمین میں سے السابقون میں اور السابقون سے اتقی و اکرام قبیلہ میں پھر اس قبیلہ کے گھروں میں سے اس گھر میں جس کی طہارت و پاکیزگی نص صریحہ سے ثابت ہے۔ ان حضرات میں سے آپ منتقل ہوتے رہے۔ اور بیت عبد اللہ و آمنہ میں ظہور فرمایا۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اصحاب الیمین اور السابقون، کون لوگ ہیں۔ ان الفاظ قرآنیہ کی تفسیر خود قرآن کریم سے ملاحظہ ہو۔

السورۃ الواقعۃ:

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَ
اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝
وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝
فِیْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ
مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِئِيْنَ
عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۝ وَكَاْسٍ مِّنْ
مَّعِيْنٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝
وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا
يَشْتَهُوْنَ ۝ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۝ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ
الْمَكْنُوْنِ ۝ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ
فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝
وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ فِیْ سِدْرٍ
مَّخْضُوْدٍ ۝ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝
وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝ لَّا مَقْطُوْعَةٍ
وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝

(السورۃ الواقعہ پ)

ترجمہ: تو داہنی طرف والے کیسے داہنی طرف والے۔ اور بائیں طرف والے کیسے
بائیں طرف والے۔ اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت لے گئے ہیں
وہ بھی مقرب بارگاہ ہیں۔ چین کے باغوں میں۔ اگلوں میں ایک گروہ

اور پھلوں میں سے تھوڑے۔ جڑاؤ تختوں پر ہوں گے۔ ان پر تکیہ لگائے ہوں گے۔ آمنے سامنے۔ ان کے اِرد گرد لیے پھریں گے ہمیشہ رہنے والے لڑکے کوزے اور آفتابے اور جام۔ اور آنکھوں کے سامنے بہتی شراب۔ اس سے نہ انہیں دردِ سر ہوگا۔ نہ ہوش میں فرق آئے گا اور میوے جو پسند کریں۔ اور پرندوں کا گوشت جو چاہیں۔ اور بڑی آنکھ والی حوریں جیسے چھپا رکھے ہوں موتی صلہ ان کے اعمال کا۔ اس میں نہ سنیں گے نہ کوئی بیکار بات نہ گناہ گاری۔ ہاں یہ کہنا ہوگا۔ سلام سلام۔ اور داہنی طرف والے کیسے داہنی طرف والے۔ بے کانٹوں کی بیریوں میں اور کیلے کے گچھوں میں اور ہمیشہ کے سائے میں اور ہمیشہ جاری پانی میں اور بہت سے میووں میں جو نہ ختم ہوں گے اور نہ روکے جائیں اور بلند بچھونوں میں۔

خلاصہ:۔

اصحاب الیمین۔ (یعنی دائیں طرف والے) کی صفات اور قیامت میں ان کا مقام جو آیات کریمہ میں مذکور ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو یقیناً جنتی ہیں۔ دائیں طرف والے اس لیے کہلائے۔ کہ نامۂ اعمال ان کو دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ السابقون سے مراد وہ لوگ جو نیکی اور درجات میں سبقت لے گئے۔ یہ حضرات بھی یقیناً اعلیٰ درجہ کے کامل مومن ہیں۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ سے مراد آدم علیہ السلام کی امت سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک کے انبیاء کرام کی امتیں۔ اور قَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت ہے۔ یاد رہے۔ کہ قلیل سے مراد تعداد میں تھوڑا ہونا نہیں بلکہ ایک حصہ ہے۔ تفاسیر میں ان دونوں سے مراد اسی طرح بیان ہوئی۔

تفسیر مظہری:

وَقَالَ اَکْثَرُ الْمُفَسِّرِیْنَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ یَعْنِیْ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِیَةِ مِنْ اٰدَمَ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ یَعْنِیْ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (تفسیر مظہری جلد ۹ ص ۱۶۷)

ترجمہ:- اکثر مفسرین نے "ثلۃ من الاولین" سے مراد گزشتہ امتیں از آدم تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم لی ہیں۔ اور "وقلیل من الاخرین" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے افراد مراد ہیں۔

آیات مذکورہ نے جو اصحاب الیمین، السابقون اور ثلۃ من الاولین الخ۔ کی وضاحت فرمائی۔ ان میں سے ہر ایک کا مصداق بہر حال وہ لوگ ہیں۔ جو مومن بلکہ مومن کامل ہیں۔ ان کی خاطر مدارت بروز قیامت دخول جنت کے بعد جو ہوگی۔ اس کی قرآن کریم نے پہلے سے خبر دے دی ہے۔ لہذا کامل الایمان حضرات اور جنت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کے حاملین ہیں۔ وہ حضرات کہ جن میں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منتقل ہوتے ہوئے حضرت سیدہ آمنہ کے بطن اقدس میں جلوہ فرما ہوئے۔ اور پھر اس کائنات ہست و بود کو اپنے نور سے منور فرمایا۔ آپ کے ارشاد پاک سے روز روشن کی طرح عیاں و ظاہر و باہر ہوا۔ کہ آپ کے آباؤ اجداد آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ اور سیدہ آمنہ تک کم از کم اصحاب الیمین ضرور ہیں اور اصحاب الیمین کا جنتی ہونا خود قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد کامل الایمان اور بالیقین جنتی ہیں۔ اور جنت میں

اعلیٰ درجہ میں ہوں گے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

ایک شبہ کہ حدیث مذکور منکر اور ضعیف ہے، لہذا قابل استدلال نہیں۔

البدایۃ والنہایۃ میں اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد یوں لکھا ہے۔ هٰذَا الْحَدِيْثُ فِيْهِ غَرَابَةٌ وَنَكَارَةٌ۔ اس حدیث میں غرابت اور نکارت ہے۔ یعنی یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ اور مجمع الزوائد میں اسے لکھنے کے بعد اس کے دو راویوں کے متعلق کہا گیا۔ فیہ یحییٰ بن عبد الحمید الحمانی وغسان بن ربیع کلاهما ضعیف۔ اس روایت میں یحییٰ بن عبد الحمید اور غسان بن ربیع ضعیف راوی ہیں۔ لہذا ثابت ہوا۔ کہ حدیث ضعیف بھی ہے۔

جواب:

سب سے پہلے ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ کسی حدیث کا ضعیف ہونا فضائل میں غیر معتبر نہیں شمار کیا گیا۔ اور یہ بات تمام محدثین کرام کے ہاں متفقہ ہے۔ لہذا اس سے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کی فضیلت ہی ثابت کی ہے۔ اس لیے اس قدر ثابت کرنے میں تمام محدثین جب متفق علیہ ہیں۔ تو حدیث پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔

دوسری بات یہ کہ کسی حدیث کے ضعیف ثابت ہونے سے اس کا من گھڑت ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔ علاوہ ازیں جن دو راویوں کا صاحب مجمع الزوائد نے ضعف ثابت کیا۔ وہ تمام ناقدین حدیث کے ہاں بالاتفاق نہیں ہے۔ بلکہ مختلف فیہ ہے۔ اس کی تھوڑی سی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

یحیٰے ابن عبد الحمید راوی کا حال :-

تھذیب التھذیب :

وقال عثمان الدارمی سمعت ابن معین یقول ابن الحمانی صدوق مشهور بالکوفة مثل الحمانی ما یقال فیه من حسد.........

وقال عبد الخالق بن منصور سئل یحیی بن معین عن الحمانی فقال صدوق ثقة .... وسمعت محمد بن ابراهیم البوشنجی یقول وقد سئل عن الحمانی فقال ثقة قال یحیی بن معین وابن نمیر هو ثقة.......... وسمعت سهل بن المتوکل یقول سئل احمد بن حنبل عن الحمانی فقال قد سمع الحدیث وجالس الناس وقوم یقولون فیه ما ادری ما یقولون وما یدعون وقال مرفا کثیرا الناس

فیہ و ما ادری ذالک الا من سلامۃ صدرہ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۴۷ تا ۲۴۹)

ترجمہ:۔ عثمان دارمی نے کہا۔ میں نے یحییٰ بن معین کو ابن الحمانی کے بارے کہتے سنا۔ کہ وہ کوفہ میں صدوق مشہور ہے۔ جو کچھ اس کے بارے میں کہا گیا وہ حسد کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ عبدالخالق بن منصور بیان کرتے ہیں۔ کہ یحییٰ بن معین سے ابن الحمانی کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا۔ وہ صدوق اور ثقہ ہے۔ میں نے محمد بن ابراہیم بوشنجی سے سنا۔ جب انہیں ابن الحمانی کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا وہ ثقہ ہے۔ یحییٰ بن معین اور ابن نمیر نے بھی انہیں ثقہ کہا۔ سہل بن متوکل بیان کرتے ہیں۔ کہ امام احمد بن حنبل سے الحمانی کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ اس نے حدیث سنی اور لوگوں میں بیٹھا۔ کچھ لوگ اس کے بارے میں کہتے پھرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اور کیا دعوے کرتے ہیں۔ یہی مُرہ نے کہا۔ کہ اکثر لوگ ان پر طعن کرتے ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ کہ وہ اس سے سالم تھے

غسان ابن ربیع کا حال

صاحب مجمع الزوائد نے دوسرے راوی کا نام غسان بن ربعی لکھا ہے اور البدایہ میں اس کا نام علیذ بن ربیع ہے۔ ان دونوں ناموں میں سے علیذ بن ربیع کا حال کتب اسماء الرجال میں نہیں ملتا۔ البتہ غسان بن ربیع کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے۔

لسان المیزان:

قال الدارقطنی ضعیف وقال مرہ صالح......

وذکرہ ابن حبان فی الثقات قال کان نبیلا

فاضلا ورعا۔ (لسان المیزان جلد اول ص ۲۷۸ حرف العین)

ترجمہ: دارقطنی نے اسے ضعیف کہا۔ اور مرہ نے صالح کہا۔ ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں ذکر کیا۔ اور کہا کہ یہ شخص بہت قابل، فاضل اور پرہیزگار تھا۔

لمعہ فکریہ:

مذکورہ حدیث پر اعتراض دو راویوں کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک راوی یحیٰی بن عبدالحمید ہیں۔ جن کے بارے میں اگرچہ کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں لیکن ان کا اعتراض بقول ابن معین حسد کی بنا پر ہے۔ لہذا ایسا اعتراض و طعن محدثین کے نزدیک قبول نہیں ہوتا۔ جس میں جرح کرنے والا غیر جانب دار نہ رہے۔ اس لیے اس راوی پر جرح نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور اس ناقابل اعتبار جرح کے ساتھ جب اس کی ثقاہت بھی صراحۃً منقول ہے۔ تو پھر بات مزید واضح ہو جاتی ہے دوسرے راوی جن کے نام میں غلطی ہے۔ اگر ان کا نام غسان بن ربیع ہے۔ تو ان کو بھی بعض نے ضعیف کہا۔ بالاتفاق وہ ضعیف نہیں۔ کیونکہ بعض دوسروں نے انہیں ثقہ بھی کہا ہے۔ لہذا ان دونوں راویوں کو اگر ضعیف بھی تسلیم کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ ان کی روایت ضعیف قرار پائے گی۔ اور محدثین کے ہاں ضعیف احادیث بالاتفاق فضائل میں حجت ہیں۔ اس لیے ثابت ہوا۔ کہ مذکورہ حدیث کو اگر ضعیف تسلیم بھی کر لیا جائے۔ تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے اعلیٰ درجہ مومن و موحد ہونے کی مؤید ہے۔ اگرچہ اس کا ضعف خود محل نظر ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

دلیل ۱:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کے بارے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اصحاب فترت کہلاتے ہیں یعنی انہوں نے کسی نبی کا زمانہ نہ پایا۔ ان کے بارے میں جو لوگ کفر و شرک کا فتوٰے دیتے ہیں۔ ان کے پاس ایک حدیث بطور دلیل ہے۔ وہ یہ کہ آپ نے ایک اعرابی کے سوال کے جواب میں فرمایا۔ میرا اور تیرا باپ دوزخ کی آگ میں ہیں۔ اور یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں لکھی۔ لیکن اس حدیث کے بارے میں محدثین کرام کی جرح موجود ہے۔ جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ یہ حدیث صحیح ہوتے ہوئے قطعی الثبوت اگرچہ ہے لیکن قطعی الدلالۃ نہیں ہے کیونکہ اس میں مذکور لفظ "اب" سے مراد جہاں والد لیا گیا۔ وہاں چچا کا فی الحال ثابت ہونا مراد اور اس دوسرے معنی کے اعتبار سے آپ کے والد گرامی

کی بجائے آپ کے چچا کا فی النار ثابت ہونا مراد ہوا۔ اور اگر اس سے مراد آپ کے والد گرامی ہی لیے جائیں۔ تو پھر اس حدیث کا تعارض آیت قرآنیہ سے ہوگا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ہم رسول کے بھیجے بغیر کسی کو عذاب دینے والے نہیں۔ تو جب آپ کے والد ماجد نے کسی نبی کا زمانہ نہ پایا۔ تو پھر انہیں دوزخی ثابت کرنا اس نص قرآنی کے خلاف ہے۔

دلیل ۲: قرآن کریم میں ہے۔ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ۔ (پ۲۲ الفاطر آیت ۳۷)

اللہ تعالیٰ دوزخیوں سے خطاب فرمائے گا۔ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر دی۔ کہ جس میں سمجھنے والا سمجھ جاتا اور آیا تمہارے پاس نذیر۔

اس آیت کریمہ کے مفہوم سے معلوم ہوا۔ کہ دوزخ کا عذاب اس شخص کو دیا جائے گا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اتنی عمر دی ہوگی۔ جس میں وہ نصیحت قبول کرنا چاہتا تو کر لیتا۔ اس دی گئی عمر سے کتنی عمر مراد ہے۔ مختصر یہ کہ قابل اعتماد بات بیس سال ہے۔ اگرچہ اس سے کم کا بھی قول کیا گیا لیکن صحیح قول یہی ہے۔ اب اس آیت کے پیش نظر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کی عمر دیکھتے ہیں۔ تو وہ اٹھارہ تا پچیس سال پاتے ہیں۔ لہذا ان کی عمر بھی اتنی نہ دی گئی۔ کہ اس کی وجہ سے وہ کوئی عذر نہ کر سکتے۔ اور نہ ہی کوئی نبی و رسول ان کی زندگی میں آیا۔ یہی دو وجوہات تھیں۔ جن پر کسی دوزخی ہونے کا دارومدار تھا۔ جب یہ دونوں باتیں جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ میں نہیں پائی گئیں۔ تو پھر انہیں دوزخی کہنا دراصل ان آیات کے مفہوم کا انکار کرنا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف اور گستاخی ہے۔ لہذا اس آیت کریمہ سے بھی ثابت ہوا۔ کہ آپ کے والد گرامی

دوزخی نہیں ہیں

دلیل ۷: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعاء کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ۔ ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنا خاص مطیع بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی اپنا مطیع پیدا کر۔ اس کی تفسیر میں تمام مفسرین کرام نے لکھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل و ذبیح کی یہ دعاء قبول فرمائی۔ اور اسی کی قبولیت کا نتیجہ تھا۔ کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک آپ کے تمام آباؤ اجداد یقیناً مومن موحد تھے۔ ان میں سب سے آخری شخصیت حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی ہے اس دعائیہ آیت کی تفصیل گذشتہ اوراق میں ہم کر چکے ہیں۔

دلیل ۸: وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ ۲۵ الزخرف آیت ۲۸

اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اپنے خلیل کی ایک اور دُعا کا ذکر فرمایا۔ وہ یہ کہ انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ! تو کلمہ توحید کو میری اولاد میں باقی رکھنا اس آیت کے تحت بھی مفسرین کرام نے لکھا کہ کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک جناب خلیل کی اولاد میں جاری وساری رہا۔ اور اس کلمہ پر خود قائم رہنے اور دوسروں کو دعوت تبلیغ دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد بطریقہ اولیٰ تھے۔ اور یہی کلمہ جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں بھی آیا۔ اس آیت کی تفصیلی تفسیر بھی گزر چکی ہے۔

دلیل ۹: ان مذکورہ دلائل سے جہاں آپ کے تمام آباؤ اجداد کا مومن وموحد ہونا ثابت ہوا۔ ان میں آپ کے والد گرامی بھی ہیں۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ

بھی شامل لیکن ان دونوں کو ایمان کا درجہ عالیہ کاملہ عطا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ان دونوں کو وصال فرما جانے کے بعد کچھ دیر کے لیے پھر زندہ کیا۔ اور انہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا نصیب فرمایا۔ یوں ان دونوں بزرگواروں کو اللہ تعالیٰ نے امتیازی شان سے نوازا۔

نوٹ:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا دوبارہ زندہ ہونا اور کلمہ توحید مکمل پڑھنا جس حدیث سے ثابت ہے۔ وہ اگرچہ ضعیف ہے۔ لیکن بارہا لکھ چکے ہیں۔ کہ ضعیف حدیث محدثین کرام کے نزدیک بالاتفاق فضائل میں معتبر شمار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جب اس کی تائید دوسرے نصوص سے بھی ہوتی ہو تو ضعف اور بھی ضعیف ہو جائے گا۔ لہٰذا والدین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مومن کامل اور موحد خالص ہونے میں شک نہیں ہونا چاہیے۔

دلیل نمبر ۱۳ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے مومن و موحد ہونے پر واقعہ بھی دلالت کرتا ہے۔ جو ان سے پہلے حضرات کے ایمان پر دلالت کرتا تھا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد ماجد کی پیشانی میں نور نبوی کو کس طرح ظاہر و باہر کر دیا تھا۔ کہ دیکھنے والے دیکھا کرتے تھے۔ اسی نور نبوت کی چمک دمک کو دیکھ کر جناب عبداللہ کو نوفل کی بیٹی نے عقد نکاح کا پیغام بھیجا۔ یہ واقعہ اہل سنت کی معتبر کتب میں موجود ہے۔ جو آپ کے والد ماجد کے صاحب ایمان ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

زرقانی:

(رقیۃ بنت نوفل) وکانت تسمع

مِنْ اَخِيْهَا اَنَّهٗ كَائِنٌ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ نَبِيٌّ
(فَقَالَتْ لَهٗ حِيْنَ نَظَرَتْ اِلٰى وَجْهِهٖ) وَ فِيْهِ
نُوْرُ الْمُصْطَفٰى وَ ظَنَّتْ اَنَّ النَّبِيَّ الْكَائِنَ فِيْ
هٰذِهِ الْاُمَّةِ مِنْهُ وَ كَانَ اَحْسَنَ رَجُلٍ رُئِيَ فِيْ
قُرَيْشٍ اَدْ فَعُ لَكَ مِثْلَ الْاِبِلِ الَّتِيْ نُحِرَتْ عَنْكَ
وَ قِعْ عَلَيَّ الْاٰنَ اَيْ جَامِعْنِيْ وَلَعَلَّهٗ كَانَ مِنْ
شَرْعِهِمْ اَنَّ الْمَرْاَةَ تَزَوَّجُ نَفْسَهَا بِلَا وَلِيٍّ
وَ شُهُوْدٍ لِاَنَّهَا لَمْ تَكُنْ زَانِيَةً وَلَا مُرِيْدَةً
لَهٗ بَلْ كَانَتْ عَفِيْفَةً فَالَتْ ذَالِكَ لِمَا
رَاَتْ فِيْ وَجْهِهٖ مِنْ نُوْرِ النُّبُوَّةِ وَ رَجَتْ
اَنْ تَحْمِلَ بِهٰذَا الْكَرِيْمِ صلى الله عليه وسلم
فَاَبَى اللّٰهُ اَنْ يَجْعَلَهٗ اِلَّا حَيْثُ شَاءَ فَقَالَ لَهَا
اَنَا مَعَ اَبِيْ وَلَا اَسْتَطِيْعُ خِلَافَهٗ وَ فِرَاقَهٗ
وَقِيْلَ اَجَابَهَا بِقَوْلِهٖ اَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ
دُوْنَهٗ وَ مَعْرِفَتِهٖ كَالْحَلَالِ مِمَّا بَقِيَ عِنْدَ
هُمْ مِنَ الشَّرَائِعِ اِبْرَاهِيْمَ كَغُسْلِ جَنَابَةِ
وَالْحَجِّ فَلَا يَرِدُ اَنَّهُمْ كَانُوْا فِي الْجَاهِلِيَّةِ
لَا يَعْرِفُوْنَ حَلَالًا وَلَا حَرَامًا وَ الْحَلُّ
مَوْجُوْدٌ لِعَدَمِ تَزَوُّجِيْ بِكِ فَاسْتَبِيْنَهُ
بِحِمَى الْكَرِيْمِ عَنْ ضَهٖ وَ دِيْنَهٗ ـ

(زرقانی جلد اول ص ۱۰۱ تا ۱۰۲)

ترجمہ: رقیہ بنت نوفل اپنے بھائی سے سنا کرتی تھی۔ کہ اس امت میں ایک پیغمبر تشریف لانے والے ہیں۔ تو اس نے جب جناب عبداللہ کے چہرہ کو دیکھا۔ جس میں جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور جھلک رہا تھا۔ اور اس نے گمان کیا۔ کہ آنے والا پیغمبر اسی شخص سے ہوگا کیونکہ جناب عبداللہ قریش میں سے خوبصورت ترین شخص تھے۔ دیکھ کر کہنے لگی۔ کہ میں اتنے اونٹ تجھے دونگی جتنے تیری خاطر ذبح کئے گئے تھے لیکن اس شرط پر تو مجھ سے ابھی جماع کرے۔ شائد اس طرح کا نکاح جو گواہوں اور ولی کے بغیر ہو۔ وہ ان کی شریعت میں جائز تھا کیونکہ یہ عورت نہ تو زانیہ تھی اور نہ ہی زنا کرنے کا ارادہ کرنے والی تھی بلکہ باحیا اور پاک دامن عورت تھی۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ میں اُسے نور نبوت نظر آیا۔ تو اس نے یہ کہا۔ کیونکہ وہ یہ امید لگائے بیٹھی تھی۔ کہ میں اس نبی آخرالزمان سے حاملہ ہو جاؤں لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہ چاہا۔ وہ جس کے مقدر میں تھا۔ اُسے ہی ملنا تھا۔ اس پیش کش کے جواب میں جناب عبداللہ نے کہا۔ دیکھو میرے ساتھ میرے والد ہیں۔ میں ان کے خلاف بھی نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی ان کی جُدائی برداشت کر سکتا ہوں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ جناب عبداللہ نے یہ جواب دیا۔ کہ حرام سے تو موت بہتر ہے اور حضرت عبداللہ کا اس حرام کو جاننا اسی طرح تھا۔ جس طرح وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی کچھ حلال باتیں جانتے تھے۔ جیسا کہ جنابت کا غسل اور حج وغیرہ۔ لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آپ دورِ جاہلیت میں تھے۔ اور حلال و حرام کو نہیں پہچانتے

تھے۔ کیونکہ میرا تیرا نکاح نہیں ہوا۔ اس لیے تیری پیش کش پوری کرنا، حلال نہیں۔ لہذا ایک کریم شخص اپنی عزت اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے۔ اور میں بھی اسی زمرے کا آدمی ہوں۔

طبقات ابن سعد:

قَالَتْ اِنِّیْ وَاللّٰہِ لَسْتُ بِصَاحِبَۃِ رِیْبَۃٍ وَلٰکِنِّیْ رَاَیْتُ نُوْرَ النُّبُوَّۃِ فِیْ وَجْہِکَ فَاَرَدْتُ اَنْ یَکُوْنَ ذَالِکَ فِیَّ وَاَبَی اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یَجْعَلَہٗ حَیْثُ جَعَلَہٗ وَبَلَغَ شَبَابَ قُرَیْشٍ مَا عَرَضَتْ عَلٰی عَبْدِ اللّٰہِ بن عبد المطلب رَتَابِیْہِ عَلَیْھَا فَذَکَرُوْا ذَالِکَ لَھَا فَاَنْشَاَتْ تَقُوْلُ۔

انی رایت مخیلۃ عرضت فتلألأت بحنساتم القطر

فلما ئہا نور یضئ لہ ماحولہ کاصنارۃ الفجر

رائیتہ شرفا ابوءبہ

ماکل کادح زندہ یودی

للہ ما زھریۃ سلبت ثوبیک ما استلبت وما تدری

قَالَتْ فَلَا حَاجَۃَ لِیْ فِیْکَ اِنَّکَ مَرَرْتَ وَبَیْنَ عَیْنَیْکَ نُوْرٌ سَاطِعٌ اِلَی السَّمَاءِ فَلَمَّا وَقَعْتَ عَلَیْھَا ذَھَبَ فَاَخْبِرْھَا اَنَّھَا قَدْ حَمَلَتْ خَیْرَ اَھْلِ الْاَرْضِ۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۹۶،۹۵)

ترجمہ: رقیقہ بنت نوفل کہنے لگی۔ خدا کی قسم! میں بدکار عورت نہیں ہوں۔

لیکن میں نے تمہارے چہرہ میں نور نبوت دیکھا تھا۔ تو میں نے ارادہ کیا۔ کہ وہ میرے اندر منتقل ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالٰی کو منظور نہ ہوا۔ اس نے جہاں منتقل کرنا تھا کر دیا۔ جب قریش کے نوجوانوں کو خبر ملی۔ کہ فلاں عورت نے اپنے آپ کو عبداللہ بن عبدالمطلب پر پیش کیا۔ اور انہوں نے انکار کر دیا۔ تو انہوں نے اس عورت سے اس کا تذکرہ کیا۔ تو اس نے جواباً چند اشعار پڑھے۔

۱۔ میں نے ایک بجلی کی طرح کا نور دیکھا تھا جس نے کالے بادلوں کو بھی جگمگا دیا تھا۔

۲۔ اس بجلی میں ایسا نور تھا۔ جو کامل چاند کی طرح اپنے ماحول کو منور کر رہا تھا۔

۳۔ میں نے چاہا کہ اسے حاصل کروں تاکہ میرے لیے باعث افتخار بن جائے۔ لیکن ہر پتھر جس کو رگڑا جائے اس سے آگ نہیں نکلتی

۴۔ مگر اس زہری عورت (سیدہ آمنہ) کی عظمت اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ جس نے اسے عبداللہ تمہارے دونوں کپڑے (نبوت حکومت) اسے لیے۔ اس نے کیا لے لیا وہ کیا جانے۔

جب حضرت آمنہ کے ساتھ ہمبستری کرنے کے بعد پھر اسی عورت کو جب پیغام بھیجا کہ اب میں تمہارے ساتھ شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تو وہ کہنے لگی اب مجھے تمہارے اندر کوئی بات نظر نہیں آتی۔ لہٰذا میں انکاری ہوں۔ کیونکہ پہلی مرتبہ جب تمہارا گزر میرے سامنے سے ہوا تھا۔ تو میں نے تمہاری

دونوں آنکھوں کے درمیان سے آسمانوں کی طرف اٹھتا ایک نور دیکھا تھا اب جبکہ تم نے اس (آمنہ) سے وطی کرلی ہے۔ تو وہ نور تمہاری پیشانی میں نہیں رہا۔ جب جناب عبداللہ نے سیدہ آمنہ سے پوچھا۔ تو وہ کہنے لگیں۔ میں امید سے ہو گئی ہوں تو جناب عبداللہ نے کہا۔ کہ تو ایسے بچے کی ماں بننے والی ہے جو روئے زمین میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

لمحہ فکریہ:

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بیان سے ثابت ہوا۔ کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مومن اور موحد تھے۔ کیونکہ

۱۔ ایک پاک دامن عورت نے انہیں اپنی شریعت کے مطابق حقوق زوجیت ادا کرنے کی دعوت دی تھی۔

۲۔ اس عورت کو آپ کی پیشانی میں نور نبوت نظر آیا تھا۔

۳۔ آپ دین ابراہیمی کے حلال و حرام کے کچھ مسائل جانتے ہوئے ان پر عمل پیرا تھے۔ اس لیے آپ نے ایسے نکاح کو ناجائز کہہ کر انکار کر دیا۔

۴۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں ایسا ناجائز کام کر کے اپنی عزت و دین کو برباد نہیں کر سکتا۔

۵۔ پھر وہی نور سیدہ آمنہ کے بطن اقدس میں منتقل ہو گیا۔

۶۔ اسی نور کو پاکیزہ رحم میں منتقل کرنے کی وصیت آدم سے چلی آ رہی تھی۔

یہ تمام باتیں اس امر کی شاہد ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ موحد اور مومن تھے۔ اور یہ کہ آپ بعض احکام و مسائل دین ابراہیمی پر کاربند بھی تھے۔ اور انہیں اپنی پیشانی میں چمکتے نور کا علم تھا۔ کہ یہ خود نبوت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ان شواہد کے پیش نظر جناب عبداللہ کے کفر و شرک کا اعتقاد رکھنا کسی طرح بھی قابل یقین نہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

دلیل ۷ سیرت کی مختلف کتابوں (مثلاً سیرت حلبیہ، سیرت ابن ہشام، زرقانی طبقات ابن سعد) میں ایک واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ وہ یہ کہ آب زمزم پانچ سو سال سے بند چلا آرہا تھا۔ اتنے طویل عرصے کے گزرنے پر جناب عبدالمطلب نے اسے کھولنے کا ارادہ کیا۔ اس کنوئیں کا محل وقوع دو بتوں نائلہ اور اساف کے درمیان پڑتا تھا۔ کھودائی کرتے وقت ان کا صرف ایک بیٹا تھا جو ان کے ساتھ تھا۔ آپ نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا کرے اور تمام جوان ہوں تو میں ایک بیٹے کی قربانی پیش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے دس بیٹے عطا کر دیئے۔ جب سبھی جوان ہو گئے۔ پھر آواز آئی کہ اپنی نذر پوری کرو۔ چونکہ انہیں نذر بھول چکی تھی۔ تو ایک بکرا ذبح کر دیا۔ پھر آواز آئی کہ نذر پوری کرو۔ اس مرتبہ انہوں نے اپنے والد سے پوچھا۔ اونٹ سے بڑی قربانی کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ اپنے بیٹوں میں سے ایک کی قربانی۔ اس پر جناب عبدالمطلب نے تمام بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی نذر کا واقعہ یاد آنے پر سنایا۔ لہذا طے ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے۔ جس بیٹے کے نام نکلے گا۔ وہ قربان کیا جائے گا۔ قرعہ جناب عبداللہ کے نام

نکلا جب آپ انہیں ذبح کرنے لگے۔ تو آپ کی ہمشیرگان اپنے بھائی کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کہ اونٹوں اور ہمارے بھائی عبداللہ کے درمیان قرعہ اندازی کرو۔ جس کا نام نکلا۔ پھر دس اور بڑھا جائیں۔ اسی طرح ہر بار کرعہ کر دینا۔ اول دس اونٹ مقابلہ میں رکھے گئے۔ قرعہ ڈالا تو جناب عبداللہ کے نام نکلا۔ پھر دس اور بڑھائے اسی طرح ہر بار قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلتا تھا۔ لیکن سو اونٹ ہونے پر قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ یہ دیکھ کر تمام قبیلہ خوش ہو گیا۔ آپ نے مزید اطمینان کی خاطر تین دفعہ قرعہ اندازی کی۔ تینوں مرتبہ اونٹوں کے نام نکلی بس پھر انہیں یقین ہو گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے عبداللہ کی بجائے سو اونٹوں کی قربانی پسند فرمائی ہے۔ یہ واقعہ مندرجہ ذیل کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۱۔ سیرت حلبیہ جلد اول ص ۵۷۔ ۵۹ ۔ ۲۔ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۸۸۔ ۸۹)
(۳۔ زرقانی جلد اول ص ۹۳ تا ۹۷)

بہر حال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فخریہ اپنے آپ کو ذبیحین کا بیٹا کہا ان دونوں ذبیح سے مراد سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور سیدنا حضرت عبداللہ والد ماجد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

نوٹ:

مذکورہ واقعہ میں چند باتیں بطور خاص قابل غور ہیں۔ ہم انہیں ذیل میں لکھ رہے ہیں۔

۱۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کے قربان کیے جانے کے اس واقعہ سے قبل دیت صرف دس اونٹ تھی۔ اور اسی کے مطابق سب سے پہلے دس اونٹوں اور جناب عبداللہ کے درمیان قرعہ اندازی کی گئی لیکن جب سو اونٹوں پر جا کر بات ختم ہوئی تو گویا یہ اشارہ تھا۔ کہ ایک انسان کا اگر بدل ہو

سکتے ہیں۔ تو سو اونٹ۔ اسی بنا پر دیت دس کی بجائے سو اونٹ مقرر ہوئی اور یہی دیت اس وقت سے تا قیامت جاری و ساری ہوئی۔

طبقات ابن سعد:

عن عکرمہ عن ابن عباس قَالَ الدِّيَةُ يَوْمَئِذٍ عَشْرًا مِنَ الْإِبِلِ وَعَبْدُ الْمُطَّلِبِ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ دِيَةَ النَّفْسِ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ فَجَرَتْ فِي قُرَيْشٍ وَالْعَرَبِ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ وَأَقَرَّهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ

(طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۸۹)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جناب عکرمہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ان دنوں دیت دس اونٹ تھی۔ اور سب سے پہلے شخص جناب عبدالمطلب ہیں۔ کہ جنہوں نے ایک شخص کی دیت سو اونٹ مقرر کی۔ تو ان کی یہ سنت قریش اور عرب میں جاری ہو گئی۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ دیت کو اسی پر جاری رکھا۔ جیسا کہ شروع ہو چکی تھی۔ (یعنی سو اونٹ دیت)

۲۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو "ابن ذبیحین" کہلانا بہت پسند تھا۔ اور آپ اسے اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔ چنانچہ قحط سالی کے دوران ایک اعرابی نے جب آپ سے ان الفاظ کے ساتھ سوال کیا۔ اے ابن ذبیحین! اس چیز سے ہمیں بھی کچھ عطا کیا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ ان الفاظ کے سنتے ہی آپ خوش ہوئے اور تبسم فرمایا۔

سیرت حلبیہ:

وَ فِی الْکَشَّافِ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ: اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ۔ اے عبداللہ و اسماعیل وَعَنْ بَعْضِھِمْ قَالَ کُنَّا عِنْدَ مُعَاوِیَۃَ رضی اللہ عنہ فَتَذَاکَرَ الْقَوْمُ الذَّبِیْحَ ھَلْ ھُوَ اسماعیل اَوْ اِسْحَاقُ فَقَالَ مُعَاوِیَۃُ عَلَی الْخَبِیْرِ سَقَطْتُمْ کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَتَاہُ اَعْرَابِیٌّ اَتٰی یَشْکُوْ جَدْبَ اَرْضِہٖ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ خَلَفْتُ الْبِلَادَ یَابِسَۃً ھَلَکَ الْمَالُ وَضَاعَ الْعِیَالُ فَعُدْ عَلَیَّ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ الذَّبِیْحَیْنِ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَمْ یُنْکِرْ عَلَیْہِ فَقَالَ الْقَوْمُ مَنِ الذَّبِیْحَانِ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ وَاِسْمَاعِیْلُ

(سیرت حلبیہ جلد اوّل ص ۵۵ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: تفسیر کشاف میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ذبیحین کا بیٹا ہوں۔ یعنی عبداللہ اور اسماعیل بعض سے روایت ہے۔ کہ ہم ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تھے کہ لوگوں میں یہ ذکر چل نکلا۔ کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل تھے۔ یا حضرت اسحاق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم نے ایک ایسے شخص کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا ہے۔ جو حقیقت حال سے

باخبر ہے۔ ہم ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ کہ ایک اعرابی آیا۔ اور شکایت کی۔ کہ زمین خشک ہوگئی ہے۔ اور کہنے لگا یارسول اللہ میں شہروں کو خشک چھوڑ آیا ہوں۔ مال ہلاک ہوگئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو عطا کیا۔ اس میں سے مجھے بھی کچھ دیجئے۔ اے ابن ذبیحین۔ یہ لفظ سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔ اور انکار نہ فرمایا۔ لوگوں نے امیر معاویہ سے پوچھا۔ پھر وہ دو ذبیح کون کون ہیں۔ فرمایا۔ حضرت عبداللہ اور دوسرے حضرت اسماعیل علیہ السلام۔

۳۔ ایک ذبیح اللہ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد گرامی جناب ابراہیم خلیل اللہ کے انتہائی پیارے اور لاڈلے فرزند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور دوسرے ذبیح حضرت عبداللہ بھی اپنے باپ کی نظروں اپنے دوسرے نو بھائیوں سے زیادہ محبوب تھے۔ اور ایفائے نذر کا قرعہ بھی ان کے نام نکلا۔ تو جس طرح حضرت خلیل نے ارادہ ذبح میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اسی طرح حضرت عبدالمطلب نے قرعہ اندازی میں ایک نہیں تین بار قرعہ ڈال کر یقین کر لیا۔

دلائل النبوۃ للبیہقی:

وَقَامَ عَبْدُ المطلب يَدْعُو اللهَ تَعَالٰى فَخَرَجَ السهم عَلَى الْإِبِلِ فَقَالَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ حَضَرَهُ قَدِ انْتَهٰى رِضَا رَبِّكَ وَخَلَصَ لَكَ ابْنُكَ فَقَالَ عَبْدُ المطلب لَا وَاللهِ حَتّٰى اَضْرِبُ عَلَيْهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَضَرَبُوْا فَخَرَجَ

عَلَى الْإِبِلِ فِي الْمَرَّاتِ الثَّلَاثِ فَنُحِرَتْ

(دلائل النبوۃ جلد اول ص ۱۰۰-۱۰۱)

ترجمہ: جناب عبدالمطلب، اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لیے کھڑے ہوئے اور قرعہ اندازی کی۔ اس دفعہ قرعہ اونٹوں پر پڑا۔ تو قریش اور حاضرین نے کہا، اللہ تعالیٰ اب اس پر راضی ہے۔ اور اس نے تمہارے بیٹے کی جان بخشی کر دی ہے۔ جناب عبدالمطلب نے کہا۔ نہیں۔ خدا کی قسم! میں جب تک تین مرتبہ قرعہ نہ ڈال لوں۔ اس وقت تک یقین نہ آئے گا۔ لہٰذا انہوں نے تین مرتبہ قرعہ ڈالا۔ اور ہر مرتبہ قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ جس پر اونٹ ذبح کر دیئے گئے۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جناب عبدالمطلب نے اپنے اپنے صاحبزادوں سے ذبح ہونے کے بارے میں پوچھا۔ تو دونوں نے کوئی انکار نہ کیا۔ یہ ایک امتحان تھا۔ جب دونوں اپنے اپنے امتحان میں سرخرو ہوئے تو حضرت اسماعیل کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک دنبہ کی قربانی قبول فرمائی۔ اور عبداللہ کی جگہ سو اونٹ منظور ہوئے۔ دونوں کو خود قربان ہونے سے بچانے میں حکمت یہ تھی۔ کہ دونوں کی پیشانی میں نور محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) جلوہ گر تھا۔

سیرت حلبیہ:

قَالَ بَعْضُهُمْ لَمَّا أَحَبَّ إِبْرَاهِيمُ وَلَدَهُ إِسْمَاعِيلَ بِطَبْعِ الْبَشَرِيَّةِ أَيْ ذَبْحَهُ ثُمَّ وَهُوَ يَكْرَهُ وَ حَبِيبٌ دَاذَاكَ وَقَدْ أَجْرَى تَعَالَى الْعَادَةَ الْبَشَرِيَّةَ بِكُرْهِ الْأَوْلَادِ

اَحَبُّ اِلَی الْوَالِدِاَیْ وَخُصُوْصًا اِذَا كَانَ لَا وَلَدَ لَهٗ غَیْرُہٗ اَمَرَاللّٰهُ بِذَبْحِهٖ لِیَخْلُصَ سِرُّہٗ لَهٗ وَرَجَعَ عَلٰی عَادَۃِ الطَّبْعِ فِدَاہٗ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ لِاَنَّ مَقَامَ الْخُلَّۃِ یَقْتَضِیْ تَوْحِیْدَ الْمَحْبُوْبِ بِالْمَحَبَّۃِ فَلَمَّا خَلَصَتِ الْخُلَّۃُ مِنْ شَوَائِبِ الْمُشَارَكَۃِ لَمْ یَبْقَ فِی الذِّبْحِ مَصْلِحَۃٌ فَنُسِخَ الْاَمْرُ وَفُدِیَ هٰذَا۔

(سیرت حلبیہ جلد اول ص ۵۹ تا ۶۰)

ترجمہ: بعض نے کہا ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تقاضائے بشریت اپنے بیٹے (اسماعیل) سے محبت زیادہ دکھائی خاص کر اس لیے بھی کہ وہ اُن کا اکلوتا اور پہلا بیٹا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ فطری بات رکھی ہے۔ کہ اس کی سب سے پہلی اولاد زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اور پھر خاص کر اس وقت جب اس کے سوا اور کوئی اولاد (نرینہ) نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو اپنے پیارے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ محبت میں اُن کا راز صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہو جائے۔ اور اس خلوص کے لیے سبب بھی ایسا کہ جس سے قوی سبب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یعنی بچے کو ذبح کر دینا۔ پھر جب خلیل اللہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کر دیا۔ اور اپنا دل صرف اسی کی محبت میں خالص کر دکھایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس ذبح کے بدلے ایک عظیم ذبح عطاء کر دی۔

کیونکہ مقام خلت و محبت کا تقاضا ہی یہ ہے۔ کہ محبت میں محبوب کی یکتائی ہی رہے تو جب خلت میں مشارکت کی ہر بات ختم ہو گئی تھی۔ اب لڑکے کے ذبح کرنے میں کوئی مصلحت نہ رہی تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ اور اس کے بدلے دُنبہ کی قربانی کا حکم دے دیا۔

لمحہ فکریہ:

مذکورہ حوالہ جات اور ان سے ثابت شدہ امور مذکورہ سے ثابت ہوا۔ کہ حضرت عبد المطلب اور ان کے صاحبزادے جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہما مومن اور موحد تھے۔ اگر انہیں خدا سے پیار نہ ہوتا۔ تو نہ عبد المطلب بیٹے کی قربانی خدا کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ اسی طرح جناب عبد اللہ کی قربانی بھی اللہ تعالیٰ کے اشارے کی تمثیل تھی۔ اور دونوں خدا کی رضا کی خاطر تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو دو ذبح ہونے والوں کا فرزند کہنے میں خوشی کا اظہار نہ فرماتے۔ اور نہ ہی اپنے آپ کو "ابن الذبیحین" کا لقب دیتے۔ اُدھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب اللہ کی طرف سے تھا جس کی انہوں نے تعمیل کی۔ تو اسماعیل ذبیح اللہ کہلائے۔ اِدھر جناب عبد المطلب کی نذر درست تھی۔ اور اس کی تعمیل پر ان کے صاحبزادے ذبیح اللہ کہلائے اگر جناب عبد المطلب کی نذر غلط ہوتی۔ اور ان کی قربانی دینا شرعاً محمود و ممدوح نہ ہوتا۔ تو ایسے غلط کام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی فخر نہ کرتے اور نہ ہی تبسم فرماتے۔

منقول ہے۔ کہ جناب عبد المطلب نے سو اونٹ قربان کیے جو اُن کی ذاتی ملکیت تھے۔ تو اُن میں سے گھر والوں نے ایک لقمہ بھی نہ لیا۔ علاوہ ازیں

اگر جناب عبدالمطلب کی یہ قربانی غلط ہوتی۔ تو پھر اس کو بطور دیت جاری و ساری رکھنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ مختصر یہ کہ جس طرح تا قیامت ہر صاحب توفیق شخص عید قربانی کے دنوں میں قربانی دے کر سنت ابراہیمی پر عمل پیرا ہوتا ہے اور ان تمام قربانیوں کا ثواب بغیر اس کے کرنے والا کا کم ہو۔ جناب خلیل اللہ کے نامۂ اعمال میں درج ہو رہا ہے۔ اسی طرح جب تک دیت کے طور پر سو اونٹ دیئے جاتے رہیں گے۔ اس سنت کا اجر و ثواب جناب عبدالمطلب کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ جسے چاہے عطا کر دے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور دادا دونوں پکے مومن اور موحد تھے۔ اور بت پرستی اُن سے کبھی وقوع پذیر نہیں ہوئی

فاعتبروا یا اولی الابصار

❖
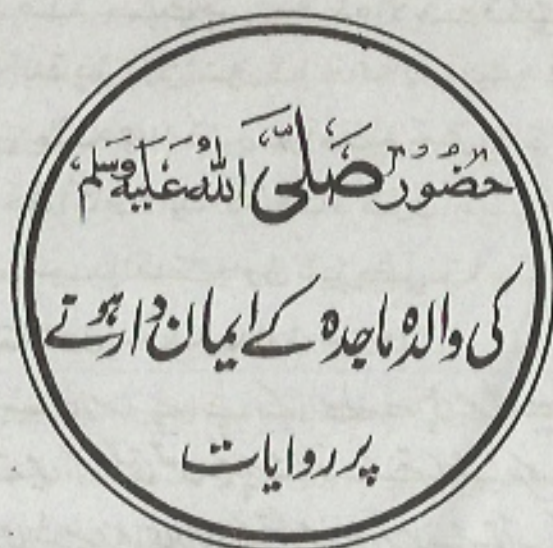
روایت نمبر۱: طبقات ابن سعد:

قال اخبرنا محمد بن عمر بن واقد الاسلمی قال حدثنی علی بن یزید بن عبد اللہ بن وھب بن زمعة عن ابیه عن عَمّتِهٖ قالت کنا نسمع ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لمّا حَمَلَتْ بہٖ امنہ بنت وھب كَانَتْ تَقُوْلُ مَا شَعَرْتُ اَنِّیْ حَمَلْتُ بِهٖ وَلَا وَجَدْتُ لَهٗ ثِقْلَةً كَمَا تَجِدُ النِّسَاءُ اِلَّا اَنِّیْ قَدْ اَنْكَرْتُ رَفْعَ حَيْضَتِيْ وَرُبَّمَا كَانَتْ تَرْفَعُنِيْ وَتَعُوْدُ وَاَتَانِیْ اٰتٍ وَاَنَا بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ فَقَالَ شَعَرْتِ اِنَّكِ حَمَلْتِ؟ فَكَاَنِّیْ اَقُوْلُ مَا اَدْرِیْ فَقَالَ

إِنَّكِ قَدْ حَمَلْتِ بِسَيِّدِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَنَبِيِّهَا وَذَالِكَ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ قَالَتْ فَكَانَ ذَالِكَ مِمَّا يَقِنَ عِنْدِي الْحَمْلَ ثُمَّ أَمْهَلَنِي حَتّٰى إِذَا دَنَا وِلَادَتِي أَتَانِي ذَالِكَ الْآتِي فَقَالَ قُوْلِي أُعِيْذُهُ بِالْوَاحِدِ الصَّمَدِ مِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۹۸)

ترجمہ: وہب بن زمعہ اپنے باپ کے واسطے سے اپنی پھوپھی سے بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ کہتی تھیں۔ ہم یہ سُنا کرتے تھے۔ کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کے شکم میں جلوہ گر ہوئے۔ تو آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب کہا کرتی تھیں۔ مجھے اس حمل کا کوئی پتہ نہ چلتا تھا۔ اور نہ ہی مجھے کوئی بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ اور گاہ بگاہ وہ حمل اوپر یا نیچے ہوتا۔ پھر ایک آنے والا آیا۔ اور میں اونگھ کی کیفیت میں تھی۔ وہ کہنے لگا۔ کیا تجھے پتہ ہے کہ تو امید سے ہو گئی ہے؟ گویا میں کہہ رہی ہوں۔ کہ مجھے کوئی علم نہیں۔ تو اس نے کہا۔ کہ تمہارے شکم میں اس امت کا سردار اور پیغمبر جلوہ فرما ہے۔ یہ سوموار کی بات تھی۔ سیدہ آمنہ کہتی ہیں۔ کہ اس واقعہ سے مجھے یقین ہو گیا۔ کہ میں امید سے ہوں۔ پھر وقت گزرتا گیا۔ اور جب ولادت کا وقت قریب آیا۔ تو پھر وہی آنے والا آیا۔ اور کہنے لگا۔ آمنہ کہو۔ "میں اللہ بے نیاز کی پناہ چاہتی ہوں ہر حسد کرنے والے کے شر سے"

توضیح:

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ

کو اس کا یقینی علم تھا۔ کہ ان کے پیٹ میں سید الانبیاء جلوہ فرما ہیں۔ اور پھر اللہ کی طرف سے کسی نے غائبانہ انہیں ایسے کلمات کہنے کو بتائے تھے جو سراسر توحید پر مبنی ہیں۔ سیدہ آمنہ نے انہی الفاظ سے استفادہ کیا۔ اس سے ان کے ایمان و توحید کا علم ہوتا ہے۔

روایت نمبر ۲: طبقات ابن سعد:

قال اخبرنا محمد بن عمر قال وَ ذَکَرَ بَعْضُ النَّاسِ اَنَّ حَلِیْمَةَ لَمَّا خَرَجَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و سلم اِلٰی بِلَادِھَا قَالَتْ آمنہ بنت وھب اُعِیْذُہٗ بِاللّٰہِ الْجَلَالِ مِنْ شَرِّ مَا مَرَّ عَلَی الْجِبَالِ حَتّٰی اراہ حَامِلَ الْحَلَالِ وَیَفْعَلُ الْعُرْفَ اِلَی السَّوَالِ وَغَیْرُ ھُمْ من حشوۃ الرِّجَالِ۔

(طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۱۱)

ترجمہ: کچھ لوگ بیان کرتے ہیں۔ کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ سے باہر اپنے علاقہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے انہیں فرمایا۔ میں اللہ صاحب جلال کی پناہ میں اس بچے کو دیتی ہوں۔ اس کی پناہ ہر شر سے جو پہاڑوں پر گزرتا ہے۔ یہ پناہ اس وقت تک مانگتی ہوں کہ وہ ہتھیار اٹھانے والا ہو جائے۔ اور غلاموں اور کمزوروں کے ساتھ بھلائی کرے۔

توضیح:

اس روایت میں بھی سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا رب ذوالجلال کی پناہ میں

دنیا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ آپ شرک و کفر سے کوسوں دور تھیں۔ اور ان کا عقیدہ تھا۔ کہ ہر شر سے پناہ دینے والا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے۔ اور انہی الفاظ میں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ حلال و حرام کا بھی علم رکھتی تھیں۔ تبھی فرمایا۔ کہ میرا یہ بیٹا حلال کا طرفدار ہوگا۔ ان باتوں سے بھی سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا مومنہ اور موحدہ ہونا واضح ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی باتیں کسی کافرہ یا مشرکہ سے نکلنا ناممکن ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

روایت نمبر ۳: طبقات ابن سعد:

فَقَالَتْ آمنہ یَا حَلِیْمَہ اِعْلَمِیْ اِنَّكِ قَدْ اَخَذْتِ مَوْلُوْدًا لَّہٗ شَاْنٌ وَاللّٰہِ لَحَمَلْتُہٗ فَمَا كُنْتُ اَجِدُ مَا تَجِدُ النِّسَاءُ مِنَ الْحَمْلِ وَلَقَدْ اُتِيْتُ فَقِيْلَ لِيْ اِنَّكِ سَتَلِدِيْنَ غُلَامًا فَسَمِّيْہِ اَحْمَدَ وَھُوَ سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۵۱)

ترجمہ: سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ اے حلیمہ! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تم ایک ایسے بچے کو لیے جا رہی ہو۔ جو عجیب شان والا ہے خدا کی قسم! میں جب حمل میں تھی۔ تو مجھے کوئی ایسی بات پیش نہ آئی۔ جو دورانِ حمل عام عورتوں کو پیش آتی ہے۔ میرے پاس ایک آنے والا آیا۔ اور کہا گیا۔ کہ تم عنقریب ایک بچہ کو جنم دے رہی ہو۔ اس کا نام احمد رکھنا۔ اور وہ تمام رسولوں کے سردار ہوں گے۔

توضیح:

روایت مذکورہ سے واضح ہوا کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت باسعادت سے قبل ہی بتا دیا گیا تھا۔ کہ مولود، سیدالمرسلین ہیں اور ان کا نام احمد رکھنا۔ اسی بنا پر آپ نے حلیمہ سعدیہ کو فرمایا۔ کہ اس بچے کی شان ہی نرالی ہے اور پھر خدا کی قسم اٹھا کر ان کے دوران حمل کے واقعات بیان کیے۔ ان باتوں سے بھی صاف عیاں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا مومنہ اور موحدہ تھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی عقیدت صرف اپنا فرزند ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ کا رسول ہونے کی بنا پر تھی۔ اس لیئے اس بات کو وہ بڑی احتیاط سے اور فخر سے حلیمہ سعدیہ کے سامنے بیان کر رہی ہیں۔

روایت نمبر ۴: دلائل النبوۃ:

وَكَانَتْ اٰمِنَةُ بِنْتُ وَهْبٍ اُمُّ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم تُحَدِّثُ اَنَّهَا اُتِيَتْ حِيْنَ حَمَلَتْ بِمُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم فَقِيْلَ لَهَا اِنَّكِ قَدْ حَمَلْتِ بِسَيِّدِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ فَاِذَا وَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ فَقُوْلِيْ اُعِيْذُهٗ بِالْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ وَذَكَرَ سَائِرَ الْاَبْيَاتِ كَمَا مَضٰى وَقَالَ فَاِنَّ اٰيَةَ ذٰلِكَ اَنْ يَّخْرُجَ مَعَهٗ نُوْرٌ يَمْلَأُ قُصُوْرَ بُصْرٰى مِنْ اَرْضِ الشَّامِ فَاِذَا وَقَعَ فَسَمِّيْهِ مُحَمَّدًا فَاِنَّ اِسْمَهٗ فِي الْقُرْاٰنِ مُحَمَّدٌ فَسَمَّتْهُ ذٰلِكَ۔

(دلائل النبوۃ جلد اول ص ۱۱۱)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بیان کیا کرتی تھیں۔ کہ دوران حمل میرے پاس کوئی آنے والا آیا۔ اور

اس نے کہا۔ کہ تو اس امت کے سردار کو اپنے شکم میں لیے ہوئے ہے۔ جب ان کی زمین پر تشریف آوری ہو۔ تو یہ کہنا۔ میں اللہ واحد کی پناہ میں اسے ہر حسد کرنے والے کے حسد سے دیتی ہوں اس کے بعد وہ تمام ابیات ذکر کیے جن کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور اس کہنے والے نے کہا۔ کہ اس نومولود کی پیدائش کی علامت یہ ہو گی۔ کہ ایک روشنی کا اس کے ساتھ ظہور ہو گا۔ جو ارض شام میں واقع بصریٰ کے محلات کو چمکا دے گی۔ جب وہ اس کائنات میں جلوہ فرما ہو جائیں۔ تو ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھنا۔ ان کا تورات و انجیل میں نام احمد ہے۔ ان کی تمام آسمانوں اور زمینوں والے تعریف کریں گے اور ان کا قرآن میں نام محمد ہے۔ اس پر سیدہ آمنہ نے آپ کا نام محمد رکھا۔

توضیح:

گزشتہ روایات کی طرح اس روایت میں بھی یہی مذکور ہے۔ کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اللہ وحدہٗ لاشریک کی معتقد تھیں۔ اور ہر شر سے اسی پناہ کی قائل تھیں۔ اور یہ بھی جانتی تھی۔ کہ نومولود کا تذکرہ تورات و انجیل میں ہے۔ اور وہ سید المرسلین ہیں۔ اور یہ بھی جانتی تھیں۔ کہ ان پر اترنے والی کتاب کا نام قرآن ہو گا۔ اور تمام کائنات ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو گی۔ اس قدر معلومات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا اللہ وحدہ لاشریک کے ہاں کیا درجہ و مقام تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کن کن فضائل و مناقب سے نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کی عظمت کا معتقد رکھے۔ آمین۔

روایت نمبر ۵: زرقانی:

(روی) دُعَتْ اَتَانَا اُمُّ النَّبِی صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ رَکِبَتْ اَتَانِی) حِمَارِی الاُنْثٰی وَیُقَالُ اَتَانَۃ بالھاء عَلٰی قِلَّۃٍ (وَاَخَذَتْ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم بَیْنَ یَدَیْ قَالَتْ فَنَظَرْتُ اِلَی الاَتَانِ وَقَدْ سَجَدَتْ) خَفَضَتْ رَأْسَہَا اَوْ وَضَعَتْ وَجْہَہَا عَلَی الْاَرْضِ وَھُوَ الظَّاہِرُ فَلَا مَانِعَ (نحو) ای جِہَۃِ (الْکَعْبَۃِ ثَلَاثَ سَجَدَاتٍ وَرَفَعَتْ رَأْسَہَا اِلَی السَّمَاءِ اَلْہَمَہَا اللہُ تَعَالٰی فِعْلَ ذٰلِکَ شُکْرًا لِلّٰہِ اَنْ خَصَّہَا بِکَوْنِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی ظَہْرِہَا قَالَتْ حَلِیمَۃُ (فَکُنْتُ اَسْمَعُ اَتَانِی تَنْطِقُ وَتَقُوْلُ وَاللہِ اِنَّ لِیْ لَشَاْنًا ثُمَّ لَشَاْنًا) وَکَاَنَّہٗ قِیْلَ مَاذَا الشَّاْنُ فَقَالَتْ (بَعَثَنِی اللہُ بَعْدَ مَوْتِیْ) اَعْطَانِیْ قُوَّۃً قَدَرْتُ بِہَا اِلٰی سُرْعَۃِ السَّیْرِ بَعْدَ مَا کُنْتُ کَالْمَیْتَۃِ مِنَ الضُّعْفِ (وَرَدَّ لِیْ سِمَنِیْ بَعْدَ ھُزَالِیْ ...... یَا نِسَاءَ بَنِیْ سَعْدٍ اِنَّکُنَّ لَفِیْ غَفْلَۃٍ وَھَلْ تَدْرِیْنَ مَنِ الَّذِیْ عَلٰی ظَہْرِیْ) وَقَوْلُہٗ عَلٰی ظَہْرِیْ خَبَرُہٗ مُبْتَدَاءٌ (خَیْرُ النَّبِیِّیْنَ وَسَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَیْرُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَحَبِیْبُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

(زرقانی جلد اوّل ص ۱۴۴-۱۴۵)

ترجمہ: اور میں (حلیمہ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو الوداع کیا۔ پھر میں اپنی دراز گوش پر سوار ہو گئی۔ اور میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے بٹھایا۔ فرماتی ہیں۔ میں نے دراز گوش کی طرف دیکھا کہ وہ اپنا سر جھکائے ہوئے ہے۔ یا اس نے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی ہے۔ کیونکہ سجدہ کا معنی یہ دوسرا ظاہراً بہتر ہے۔ اور اس سے کوئی مانع بھی نہیں ہے۔ بہر حال دراز گوش نے جانب کعبہ منہ کر کے تین سجدے کیے۔ اور آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے ایسا کرنا سکھا دیا تھا۔ کہ وہ اس طرح کرکے اس بات کا شکریہ ادا کرے کہ آج اس کی پشت پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔

حلیمہ فرماتی ہیں۔ کہ میں اپنی دراز گوش سے یہ باتیں سُن رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ خدا کی قسم! میری شان بڑی عظیم ہے۔ اس پر ایک سوال اُبھرا کہ کیوں شان بڑی ہے۔ تو اس نے اس مقدر سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پھر دوبارہ زندہ کیا ہے مجھے ایسی قوت عطا کی ہے۔ کہ میں اب تیز چل سکتی ہوں۔ حالانکہ اس سے قبل میں کمزوری کے باعث مُردوں میں شمار ہونے کے برابر تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے میری کمزوری کو میری قوت میں تبدیل فرما دیا ہے.....

قبیلۂ بنی سعد کی عورتو! تم غفلت میں تھیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ میری پشت پر کون ہے۔ وہ ہے جو تمام مرسلین کا سردار اولین و آخرین میں سے بہتر اور کائنات کے رب کا حبیب ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

توضیح:

اس روایت میں بظاہر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے ایمان وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں۔ لیکن ہم نے اسے اس موضوع کے ضمن میں اس لیے ذکر کیا۔ تاکہ یہ بتایا جا سکے۔ کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اگر دراز گوش پر سواری فرماتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اسے الہام کے ذریعہ یہ بتا دیتا ہے۔ کہ اس کی پشت پر سیدالمرسلین جلوہ فرما ہیں۔ اور وہ حیوان ہوتے ہوئے اپنی قسمت کی یاوری پر سجدۂ شکر بجا لاتا ہے۔ حالانکہ وہ حیوان ہے۔ اور اس پر کچھ دیر کے لیے آپ نے قیام فرمایا تو اس سے خوش قسمت والدہ کا حال معلوم کریں۔ کہ جن کے بطن اطہر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کئی مہینے جلوہ گر رہے۔ اور دورانِ حمل کئی عجائبات قدرت ملاحظہ فرمائے۔ ان کے ایمان واسلام میں لوگوں کو اعتراض ہے۔ لہٰذا دراز گوش کا یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کفر و شرک سے بالکل بیزار اور ایمان و توحید کی اقرار کرنے والی تھیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

روایت نمبر ۶: البدایہ والنہایہ:

عن العباس بن عبد المطلب قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ دَعَانِيْ الى الدُّخُوْلِ فِيْ دِيْنِكَ اَمَارَةٌ لِنُبُوَّتِكَ رَاَيْتُكَ فِي الْمَهْدِ تناغى القمرَ وَتُشِيْرُ اِلَيْهِ بِاِصْبَعِكَ فَحَيْثُ اَشَرْتَ اِلَيْهِ مَالَ۔

(البدایہ والنہایہ جلد دوم ص ۲۶۶)

ترجمہ: حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ مجھے آپ کے دین میں داخل

ہونے کے لیے آپ کی نبوت کی ایک علامت نے دعوت دی۔ وہ یہ کہ میں نے آپ کو بچپن میں انگھوڑے میں دیکھا، کہ آپ چاند کو اپنے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ اور وہ آپ کے اشارے پر اُدھر ہی جھک جاتا تھا۔ جدھر اشارہ ہوتا۔

لمحہ فکریہ:

حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ کو صرف ایک علامتِ نبوت ایمان کی طرف کھینچ لائی۔ اور جس شخصیت نے متعدد علامات دیکھی ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں غائبانہ طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات سے آشکارا بھی کر دیا ہو۔ اُن کے ایمان میں تردد کرنا کب کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے۔ لہذا یہ واقعہ بھی ایمانِ آمنہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

ولادتِ باسعادت کے وقت سیدہ آمنہ کا

علاماتِ نبوت کے دیکھنے کا اجمالی تذکرہ

روایت نمبر ۷: انوارِ محمدیہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَتْ اٰمِنَه تُحَدِّثُ وَ تَقُوْلُ اَتَانِيْ اٰتٍ حِيْنَ مَرَّ مِنْ حَمْلِيْ سِتَّةُ اَشْهُرٍ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ لِيْ يَا اٰمِنَه اِنَّكِ حَمَلْتِ بِخَيْرِ الْعَالَمِيْنَ فَاِذَا وَلَدْتِيْهِ فَسَمِّيْهِ مُحَمَّدًا وَ اكْتُمِيْ

شانك قالت ثم لما اخذ فی ما یاخذ النساء ولم
یعلم بی احد لا ذکر ولا انثی وانی لوحیدة
فی المنزل وعبد المطلب فی طوافه فسمعت و
جبة عظیمة وامرا عظیما هالنی ثم
رأیت کان جناح طیرا بیض قد مسح علی
فؤادی فذهب عنی الرعب وکل وجع
احده ثم التفت فاذا انا بشربة بیضاء
فتناولتها فاصابنی نور عال ثم رأیت
نسوة کالنخل طوالا کانهن من بنات
عبد مناف یحففن بی فبینا انا أتعجب واقول
واغوثاه من این علمن بی فقلن بی نحن
آسیه امراة فرعون ومریم ابنة عمران و
هؤلاء من حور العین واشتد بی الامر
وانا اسمع الوجبة فی کل ساعة اعظم
واهول مما تقدم فبینما انا کذالك اذا
بدیباج ابیض قد مد بین السماء والأرض
واذا بقائل یقول خذوه عن اعین الناس
قالت رأیت رجالا قد وقفن فی الهواء
باید یهم اباریق من فضة ثم نظرت
فاذا انا بقطعة من الطیر قد غطت حجرتی
مناقیرها من الزمرد واجنحتها من الیاقوت

فکشف اللہ عن بصری فرایت مشارق
الارض و مغاربها و رایت ثلاثة اعلام
مضروبات علما بالمشرق و علما بالمغرب
و علما على ظهر الكعبة فاخذ فی المخاض
فوضعت محمدا صلی اللہ علیہ و سلم
فنظرت الیہ فاذا ہو ساجد قد رفع
اصبعیہ الی السماء کالمتضرع المبتهل ثم
رایت سحابة بیضاء قد اقبلت من السماء
حتی غشیتہ فغیبتہ عنی فسمعت منادیا
ینادی طوفوا بہ مشارق الارض و مغاربها
و ادخلوہ البحار لیعرفوہ باسمہ و نعتہ
و صورتہ ثم تجلت عنہ فی اسرع الوقت
.........رأيت سحابة عظيمة لها اسمع فيها
جميل الخيل و خفقان الاجنحة و كلام
الرجال حتی غشیتہ و غیب عنی و اذا قائل
یقول بخ بخ قبض محمد صلی اللہ علیہ وسلم
علی الدنیا کلها لم یبق خلق من اهلها
الا دخل فی قبضتہ ..... خرج معہ نور اضاء لہ
ما بین المشرق و المغرب ۔

(انوار محمدیہ ص ۲۲ تا ۲۳)

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

بیان کیا کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں۔ کہ جب میرا حمل چھ ماہ کا ہوا تو خواب میں کوئی آیا۔ اس نے مجھے کہا۔ اے آمنہ! تو خیر العالمین کو اپنے شکم میں لیے ہوئے ہے۔ جب اس کی ولادت ہو۔ تو اس کا نام مُحَمَّد رکھنا۔ اور اپنی شان چھپائے رکھنا۔ بیان فرماتی ہیں۔ پھر مجھے عورتوں والی وہ کیفیت ہوئی۔ جو بوقتِ ولادت ہوا کرتی ہے۔ میرا کسی مرد و زن کو کوئی علم نہ تھا۔ اور میں گھر میں اکیلی تھی۔ اور عبدالمطلب طواف میں مصروف تھے۔ میں نے ایک زوردار آواز سنی۔ اور ایک عظیم معاملہ دیکھا۔ جس سے میں ڈر گئی۔ پھر میں نے سپید پرندوں کے پَر سے دیکھے کہ جو میرے سینہ پر مسح کر رہے ہیں اس سے میرا تمام ڈر ختم ہو گیا۔ اور تمام تکلیف کافور ہو گئی پھر میں نے مڑ کر دیکھا۔ تو مجھے شربت سپید نظر آیا۔ میں نے اُسے نوش کر لیا مجھے ایک بلند ہوتا ہوا نور محسوس ہوا۔ پھر میں نے کھجوروں کے درختوں کی طرح دراز قد عورتیں دیکھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ عبد مناف کے خاندان کی عورتیں ہیں۔ وہ میری طرف بغور دیکھ رہی تھیں۔ میں بڑی متعجب تھی۔ اور ہائے فریاد کہہ اٹھی۔ اور ان سے پوچھا۔ کہ تمہیں میرے بارے میں کہاں سے پتہ چلا؟ انہوں نے کہا۔ ہم میں ایک کا نام آسیہ زوجہ فرعون دوسری مریم بنت عمران اور بقیہ جنتی حور عین ہیں۔ معاملہ کچھ مجھے سخت سا لگا۔ اور میں ہر لحظہ ایک زوردار آواز سُن رہی تھی۔ جس میں رعب و ہول بڑھتا جا رہا تھا اسی دوران ایک سپید ریشم نظر آیا۔ جو آسمان و زمین کے درمیان تانا گیا تھا۔ اور اسی کے ساتھ ایک کہنے والا کہہ رہا تھا۔ اس بچے کو لوگوں

کی نظروں سے پوشیدہ کر دو۔ سیدہ آمنہ مزید بیان کرتی ہیں۔ کہ میں نے ہوا میں کھڑے کچھ مرد دیکھے اُن کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے تھے۔ پھر میں نے ایک پرندوں کا غول دیکھا۔ جنہوں نے میرے حجرہ کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ان کی چونچیں زمردیں اور پر یاقوت کے تھے۔ اللہ نے میری آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے۔ تو میں نے زمین کا مشرق و مغرب دیکھا۔ اور مجھے تین جھنڈے نظر آئے۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبہ کی چھت پر نصب تھا پھر مجھے دردِ زہ نے آلیا۔ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہو گئی۔ میں نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ سجدہ ریز تھے۔ اور انہوں نے اپنی انگلیاں آسمان کی طرف ایسے شخص کی طرح اٹھائیں۔ جو نہایت گڑگڑانے والے اور عاجزی کرنے والا ہو۔ پھر میں نے ایک سپید بادل دیکھا۔ جو آسمان سے آیا اور اس نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا۔ اور مجھ سے اوجھل کر دیا۔ پھر میں نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ کہ اسے زمین کے مشارق اور مغارب میں پھراؤ۔ اور سمندروں دریاؤں کی سیر کراؤ۔ تاکہ سبھی ان کے نام کو پہچان لیں۔ ان کی نعت و صورت کو جان لیں پھر وہ بادل بہت جلد آپ سے چھٹ گیا...... میں نے ایک بڑا بادل دیکھا۔ جس میں روشنی تھی۔ اور خوبصورت گھوڑے تھے۔ جو ہنہنا رہے تھے۔ اور حسین و جمیل پرندے چہچہا رہے تھے۔ اور کچھ لوگوں کی گفتگو سنائی دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس بادل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا۔ اور مجھ سے اوجھل

کر دیا۔ اور اس وقت ایک کہنے والا کہہ رہا تھا۔ واہ، واہ۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو زیر قبضہ کر لیا۔ (کہ) ان میں سے کوئی مخلوق ایسی نہ بچی۔ جو آپ کے قبضہ میں نہ آگئی ہو۔..... بوقتِ ولادت آپ کے ساتھ ایک نور نمودار ہوا۔ جس سے مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو گئی۔

روایت نمبر ۸: خصائص کبریٰ:

عن ابن عباس ان امنة كانت تحدث عن يوم ولادته وما رأت من العجائب قالت بينما انا اعجب اذا انا بثلاثة نفر ظننت ان الشمس تطلع من خلال وجوههم بيد احدهم ابريق فضة وفي ذالك الابريق ريح كريح المسك وبيد الثاني طست من زمردة خضراء عليها اربعة نواحي على كل ناحية من نواحيها لؤلؤة بيضاء واذا قائل يقول هذه الدنيا شرقها وغربها وبرها وبحرها فاقبض ياحبيب الله على اي ناحية شئت منها قالت قدرت لانظر اين قبض من الطست فاذا هو قد قبض على وسطها فسمعت القائل يقول قبض محمد على الكعبة ورب الكعبة اما ان الله قد جعلها له قبلة ومسكنا مباركا ورايت بيد ثالث حريرة بيضاء مطوية طيا

شدیدۃ فخشرھا فاذا فیہا خاتم تحار ابصار
الناظرین دونہ ثم جاء الی فتناول منہ
الطست فغسل بذالک الابریق سبع مرات
ثم ختم بین کتفیہ بالخاتم ختما واحداو لفہ فی الحریر مربوط
علیہ بخیط من المسک الاذفر ثم حملہ فادخلہ بین
اجنحتہ ساعۃ۔ قال ابن عباس خان ذالک
رضوان خازن الجنان و قال فی اذنہ کلاما
لم افھمہ و قال ابشر یا محمد صلی اللہ علیہ
وسلم فما بقی لنبی علم الا و قد اعطیتہ
فانت اکثرھم علما و اشجعھم قلبا معک
مفاتیح النصرۃ قد البست الخوف والرعب
لا یسمع احد بذکرک الا وجل فوادہ وخاف
قلبہ وان لم یرک یا خلیفۃ اللہ۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۹۰)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ سیدہ آمنہ
رضی اللہ عنہا ولادت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بیان
کرتے ہوئے فرمایا کرتی تھیں۔ اور ان عجائبات کا تذکرہ کیا کرتی
تھیں۔ جو انہوں نے اس وقت، دیکھے تھے۔ فرماتی ہیں۔ میں
تعجب میں پڑی تھی۔ کہ تین آدمی نظر آئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا
کہ ان کے چہروں میں سے سورج طلوع ہو رہا ہے۔ ان میں
سے ایک کے ہاتھ میں آفتابہ تھا۔ جو چاندی کا بنا ہوا تھا۔
اور اس میں مشک کی سی خوشبو تھی۔ اور دوسرے کے ہاتھ میں

سبز زمرد کا ایک تھال تھا۔ اس کے چار کونے تھے۔ ہر کونے پر ایک سپید بڑا موتی تھا۔ اتنے میں ایک کہنے والا کہہ رہا تھا۔ یہ ہے دنیا اور اس کا مشرق و مغرب اور تروخشک۔ اے اللہ کے حبیب! اس کے جس کنارے پر چاہے قبضہ جمالے۔ سیدہ آمنہ کہتی ہیں کہ میں نے نظر پھیر کر دیکھا۔ کہ تھال کس کونے پر آپ قبضہ کرتے ہیں۔ تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ نے اس کے درمیان پر قبضہ کیا۔ اس پر ایک آواز آئی۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ پر قبضہ کر لیا۔ اور کعبہ کے رب نے اسے ان کا قبلہ کر دیا۔ اور ان کی مبارک رہائش گاہ بنا دیا۔ پھر میں نے تیسرے کے ہاتھوں میں سپید ریشم دیکھا۔ جو شدید طور پر لپیٹا گیا تھا۔ اُسے پھیلایا اور اس میں سے ایسی انگوٹھی نکلی۔ جسے دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ جائیں۔ پھر وہ میری طرف آنے لگا۔ تو تھال والے نے اُسے پکڑ لیا۔ آفتابے سے اُسے (انگوٹھی کو) سات مرتبہ دھویا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک ہی مرتبہ مہر لگا دی گئی۔ اور اسے ریشم میں لپیٹ کر خالص مشک کے دھاگے کی اس پر گانٹھ لگا دی گئی۔ پھر اسے اٹھا کر چند لمحوں کے لیے اپنے بازوؤں میں رکھا۔ ابن عباس کہتے ہیں۔ وہ شخص جنت کا خازن رضوان نامی تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان شریف میں کوئی بات کی۔ جو میں نہ سمجھ سکی اور کہا اے محمد! خوشخبری ہو کسی نبی سے جو علم بچ گیا تھا۔ وہ آپ کو عطا کر دیا گیا۔ اس لیے آپ علم کے اعتبار سے تمام نبیوں سے بڑھ کر ہیں۔ اور آپ دل کے اعتبار سے سب سے بڑے بہادر ہیں آپ کو کامیابی کی چابیاں عطا ہوئیں۔ آپ کو رعب اور ڈر کا لباس

پہنایا گیا ہے۔ جو بھی آپ کی بابت کچھ سنے گا۔ اس کا دل آپ کے تصور سے کانپ اٹھے گا۔ اور بن دیکھے بھی اس کا دل دہل جائے گا۔

اے اللہ کے خلیفہ۔

روایت نمبر ۹: الوفاء

قَالَتْ اٰمِنَۃ لَقَدْ رَاَیْتُ لَیْلَۃَ وَضْعِ رَسُوْلِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم نُوْرًا اَضَاءَتْ لَہٗ قُصُوْرُ الشَّامِ حَتّٰی رَاَیْتُہَا وَقَالَتْ اٰمِنَۃ وَلَدَتْہُ جَاثِیًا عَلٰی رُکْبَتَیْہِ یَنْظُرُ اِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَۃً مِنَ الْاَرْضِ وَاَھْوٰی سَاجِدًا۔

(الوفا لابن جوزی جلد اوّل ص ۹۴، ۹۵)

ترجمہ: سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں نے اس رات جس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ ایک نور دیکھا جس کے سامنے شام کے محلات چمک اٹھے۔ حتیٰ کہ میں نے انہیں دیکھا......

سیدہ آمنہ بیان فرماتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوقت ولادت گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے تشریف لائے۔ آپ آسمانوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر آپ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی لی۔ اور سجدہ میں گر گئے۔

روایت نمبر ۱۰: دلائل النبوۃ للبیہقی:

قَالَتْ اَتَخْشَیْنَ عَلَیْہِ الشَّیْطَانَ کَلَّا وَاللہِ مَا لِلشَّیْطَانِ عَلَیْہِ سَبِیْلٌ وَاِنَّہٗ لَکَائِنٌ لِاِبْنِیْ ھٰذَا شَانٌ

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۳۵)

ترجمہ: سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس والدہ کے پاس لے کر آئیں۔ اور خلاف عادت واقعات بیان کیے۔ اور کہا۔ کہ مجھے اس بچے کے بارے میں نقصان کا خطرہ ہے۔ اس لیے واپس لے آئی ہوں۔ اس کے جواب میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کیا تم دونوں میاں بیوی اس بچے کے بارے میں شیطان کا خطرہ محسوس کرتے ہو۔ خدا کی قسم! شیطان اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ اور یقیناً میرے اس برخوردار کی ایک عظیم ہی شان ہونے والی ہے۔

مذکورہ روایات کی روشنی میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے درج ذیل علامات نبوت دیکھیں

۱۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تین ماہ قبل سیدہ آمنہ کو ہاتف سے آواز آئی۔ کہ تمہارے شکم میں سید الکائنات ہیں۔ ان کا نام محمد رکھنا (صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۔ بوقت ولادت جب زوردار آواز سے آپ ڈر گئیں۔ تو نورانی پرندے نے آپ کے دل سے مس کیا۔ جس سے خوف جاتا رہا۔

۳۔ سیدہ آسیہ، مریم اور حقیقی حورعین بوقت ولادت حاضر دیکھیں۔ جنہوں نے دایہ کا کام سرانجام دیا۔

۴۔ زمین و آسمان کے درمیان ریشمی پردہ بچھا ہوا دیکھا۔ جو صرف آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے تھا۔

۵۔ بوقت ولادت ایک نوری مخلوق جو مردوں کی شکل و صورت میں تھی۔

آپ نے زمین و آسمان کے درمیان کھڑی دیکھی ۔ جن کے ہاتھوں میں چاندی کے برتن تھے ۔

۶ ۔ پرندوں کی شکل میں نوری فرشتے دیکھے ۔ جن کی چونچیں زمردیں تھیں ۔ اور انہوں نے آپ کے حجرہ کو گھیر رکھا تھا ۔

۷ ۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے سے پردے اٹھا دیئے گئے ۔ حتیٰ کہ آپ نے مشرق و مغرب دیکھا ۔

۸ ۔ تین جھنڈے نظر آئے ۔ ایک مشرق ایک مغرب اور تیسرا بیت اللہ پر نصب تھا ۔

۹ ۔ بوقتِ ولادت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر سجدہ میں رکھ دیا ۔ اور انگلیاں آسمان کی طرف اٹھا دیں ۔ اور یہ حالت نہایت عاجزی کے ساتھ تھی

۱۰ ۔ سپید بادل نظر آئے ۔ جنہوں نے آپ کو ڈھانپ لیا ۔ اور ایک آواز سنائی دی ۔ کہ اس نو مولود کو چھپا لو ۔ اور مشرق و مغرب بحر و بر کی سیر کراؤ ۔ تاکہ پوری کائنات ان کے نام اور ان کی صفت سے روشناس ہو جائے ۔

۱۱ ۔ بوقتِ ولادت تین نورانی آدمی نظر آئے ۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا پیالہ دوسرے کے ہاتھ میں تھال اور تیسرے کے ہاتھ میں ریشم کا کپڑا تھا جس میں انگوٹھی تھی ۔ اس انگوٹھی کے ذریعہ آپ کے کندھوں کے درمیان مُہر لگائی گئی ۔

۱۲ ۔ خازنِ جنت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں کچھ کہا ۔ لیکن مجھے سمجھ نہ آیا ۔ پھر اس نے کہا ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو علم و شجاعت اور رعب میں یکتا بنایا گیا ۔

۱۳ ۔ بوقتِ ولادت ایک نور دکھائی دیا ۔ جس سے شام کے محلات میں

لمحہ فکریہ:

گزشتہ اوراق میں حضرت عباس بن عبدالمطلب کی زبانی اُن کے ایمان لانے کا سبب ایک واقعہ کی شکل میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ انہوں نے تو ایک بات دیکھی۔ اور مشرف با یمان ہو گئے۔ ادھر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے بہت سی نشانیاں دیکھیں۔ اور اُن میں سے کئی ایک کا تعلق خود ان کی ذات کے ساتھ تھا۔ ان علامات و مشاہدات کا محل بننے والی شخصیت دولت ایمان سے محروم ہو۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔ جنھیں اللہ تعالیٰ ایسا مشاہدہ عطا فرمائے کہ مکہ میں بیٹھے شام کے محلات دیکھ رہی ہیں۔ مشرق و مغرب کا نظارہ ہو رہا ہے۔ ان مشاہدات سے انہیں بھی یقین نہ ہو۔ کہ میری گود میں خاتم النبیین ہے۔ سید المرسلین ہے۔ محبوب رب العالمین ہے۔ عالم ما کان و ما یکون ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یقین کامل تھا اور اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر مکمل اعتماد اور بھروسہ تھا۔ انہی علامات و مشاہدات پر علامہ زرقانی ان الفاظ سے تبصرہ کرتے ہیں۔

زرقانی:

وَمَا شَاهَدَتْ فِي حَمْلِهِ وَوِلَادَتِهِ مِنْ آيَاتِهِ الْبَاهِرَةِ
مَا يَحْمِلُ عَلَى التَّحَقُّقِ ضَرُورَةً وَرُؤْيَتُهَا
النُّورَ الَّذِي خَرَجَ مِنْهَا أَضَاءَ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ
حَتَّى رَأَتْهَا كَمَا تَرَى أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ وَقَالَتْ
لِحَلِيمَةَ حِينَ جَاءَتْ بِهِ وَقَدْ شُقَّ صَدْرُهُ
أَتَخَشِيتُمَا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا لِلشَّيْطَانِ

عَلَيْهِ سَبِيلٌ وَ إِنَّهُ لَكَائِنٌ لِابْنِي هٰذَا شَأْنٌ
فِي كَلِمَاتٍ أُخَرَ مِنْ هٰذَا النَّمَطِ وَ قَدِمَتْ بِهِ
الْمَدِيْنَةَ عَامَ وَفَاتِهَا وَ سَمِعَتِ الْيَهُوْدُ فِيهِ
وَ شَهَادَتَهُمْ لَهُ بِالنُّبُوَّةِ وَ رَجَعَتْ بِهِ إِلَى مَكَّةَ
فَمَاتَتْ فِي الطَّرِيْقِ فَهٰذَا كُلُّهُ مِمَّا يُؤَيِّدُ أَنَّهَا
تَحَنَّفَتْ فِي حَيَاتِهَا۔

(زرقانی جلد اول ص ۱۶۵ تا ۱۶۶)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حمل میں رہنے اور پیدائش کے وقت سیدہ
آمنہ رضی عنہا نے جن باتوں کا مشاہدہ کیا ان سے ظاہر ہوتا ہے
کہ آپ دین ابراہیمی کی پابند تھیں۔ اور وہ نور جو آپ نے حضور کی
ولادت کے وقت دیکھا کہ جس سے شام کے محلات چمک اٹھے
تھے۔ اور آپ نے انہیں بعینہٖ دیکھا۔ جیسا کہ تمام انبیاء کرام کی مائیں
دیکھا کرتی ہیں۔ اور وہ بات جو آپ نے حلیمہ سے کہی تھی جب وہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کے واقعہ کے بعد واپس مکہ لے کر
آئیں فرمایا۔ کیا تم دونوں میاں بیوی کو اس بچے پر شیطانی اثرات
کا ڈر ہے۔ خدا کی قسم! شیطان تو ان کی طرف راہ نہیں پاسکتا۔ اور
بے شک اس بچے کی شان ہی نرالی ہے۔ اسی قسم کے اور کلمات
بھی ملتے ہیں۔ جن سے یہی مضمون ٹپکتا ہے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا
آپ کو لے کر ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئیں۔ یہ اس سال کا واقعہ ہے
جس میں سیدہ آمنہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ یہاں مدینہ میں انہوں
نے یہودیوں سے آپ کی نبوت کی گواہی اور باتیں سنی تھیں۔

پھر واپس مکہ تشریف لائیں۔ لیکن راستہ میں ہی آپ کا وصال ہو گیا یہ تمام باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ آپ اپنی زندگی میں دین ابراہیمی پر تھیں۔ اور مومنہ و موحدہ تھیں۔

روایت نمبر ۱۱: زرقانی:

بارک اللہ فیک من غلام یا ابن الذی من حومۃ الحمام نجا بعون الملک العلام فودی غداۃ الضرب بالسہام بمائۃ من اہل السوام ان صح ما ابصرت فی المنام فانت مبعوث الی الانام من عند ذی الجلال و الاکرام تبعث فی الحل و الحرام تبعث فی التحقیق و الاسلام دین ابیک البر ابراہام فاللہ انہاک عن الاصنام ان لا توالیہا الی الاقوام کل حی میت و کل جدید بال و کل کبیر یفنی و انا میتۃ و ذکری باق و قد ترکت خیرا و ولدت طہرا ثم ماتت۔ رضی اللہ عنہا و ہذا القول منہا صریح فی انہا موحدۃ اذ ذکرت دین ابراہیم و بعث ابنہا صلی اللہ علیہ و سلم من عند اللہ و نہیہ عن الاصنام و موالاتہا نحوہا و ہذا القدر کاف فی التبری من الکفر و ثبوت صفۃ التوحید فی الجاہلیۃ قبل البعثۃ (زرقانی جلد اول ص ۱۶۵)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت رہم فرماتی ہیں۔ کہ میری والدہ، سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا
کے وصال کے وقت ان کے قریب موجود تھیں۔ اس وقت سرکار
دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ برس تھی۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے
پاس تشریف فرما تھے۔ آپ کی والدہ نے آپ کو دیکھ کر یہ کلام فرمایا!
اے بیٹے! اللہ تجھے برکت دے تو اس کا فرزند ہے کہ جس نے موت
کی سختی سے اللہ کی مدد سے نجات پائی تھی۔ جب صبح کے وقت
عبدالمطلب نے اپنی نذر پورا کرنے کے لیے اپنے بیٹوں کے درمیان
قرعہ ڈالا تھا۔ اور تمہارے باپ کا نام نکلا تھا۔ پھر اس کے عوض ایک سو
اونٹوں کا فدیہ کیا گیا تھا۔ بیٹا! میں نے جو خواب دیکھا تھا۔ اگر صحیح ہے
تو تو تمام کائنات کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حق و باطل کے درمیان
امتیاز کرنے والا، حلال و حرام میں فرق کرنے والا، عرب و عجم کی طرف
بھیجا گیا۔ اور دین ابراہیمی کو پھیلانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔
اللہ تعالیٰ تجھے بتوں کی پرستش سے باز رکھے گا۔ اور یہ بھی کہ تو لوگوں
کے ساتھ مل کر بتوں کی تعظیم کرے اس سے بھی اللہ نے تجھے منع
کر دیا ہے۔ ہر زندہ مرنے والا ہے۔ ہر نیا پرانا ہونے والا ہے
اور بڑا فنا ہونے والا ہے۔ میں مر جاؤں گی۔ میرا ذکر باقی رہے
گا۔ میں بھلائی چھوڑے جا رہی ہوں۔ اور میں نے پاکیزہ بچہ جنا۔ اتنا
کہا۔ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی یہ باتیں ان کے موحدہ ہونے پر دلائل صریحہ
ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دین ابراہیمی کا تذکرہ کیا۔ اور حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے مبعوث ہونے کا ذکر کیا۔ اور بتوں سے

منع کیا۔ اور ان کی دوستی سے روکا۔ یہ باتیں اتنی ہی مقدار میں کسی کے کفر سے بیزار ہونے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ اور اس کے موحد ہونے کے اثبات میں مکمل ہیں۔ اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت مبارکہ سے قبل زمانہ جاہلیت میں ایسی باتیں تو بطریقہ اولیٰ قائل کے ایمان و توحید پر دلالت کرتی ہیں۔

لمحہ فکریہ:

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا بوقت وصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ گفتگو کرنا جسے امام زرقانی نے نقل کیا ہے۔ یہ ان کے ایمان و توحید کے اقرار پر روز روشن کی طرح دلالت کرتا ہے۔ اس کے برخلاف ان کے کفر و شرک پر کوئی ضعیف حدیث بھی نہیں ملتی۔ اور نہ ہی ان کے بارے میں بتوں کی پوجا کرنے کی کوئی روایت ملتی ہے اور دین ابراہیمی کہ جس کی خود پابند تھیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی پابندی کی وصیت فرما رہی ہیں۔ اور اپنی قسمت پر فخر کر رہی ہیں۔ کہ ان کا تا قیامت اس نیک بیٹے کی برکت سے نام روشن رہے گا۔ یہ باتیں ان کے کامل ایمان پر گواہی دیتی ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے

الدرجة المنیفه فی الآباء الشریفه:

ان اللہ احیا هما له فامنا له و ذالك فی حجة الوداع لحدیث فی ذالك عن عائشه اخرجه الخطیب البغدادی فی (السابق و اللاحق) و الدار قطنی و ابن عساکر کلاهما فی غرائب مالك و ابن شاهین فی الناسخ والمنسوخ والمحب الطبری فی سیرته و اورده السهیلی فی الروض الانف من وجه آخر بلفظ (اخر و اسناده ضعیف و قد مال الیه هولاء الثلاثة مع ضعفه وهکذا القرطبی و ابن المنیر و نقله ابن سید الناس عن بعض اهل العلم و قال به الصلاح الصفدی فی نظم له والحافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی فی ابیات له وجعلوه ناسخا لما خالفه من الاحادیث لتأخره ولم یبالوا بالضعفه لان الحدیث الضعیف یعمل به فی الفضائل

والمناقب وهذه منقبة وقد ايد بعضهم هذا الحديث بالقاعدة التي اتفق عليه الامة انه ما اوتى نبي معجزة اوخصيصة إلا اوتى نبينا صلى الله عليه وسلم مثلها وقد احيا الله تعالى لعيسى عليه السلام الموتى من قبورهم فلا بد ان يكون لنبينا صلى الله عليه وسلم مثل ذالك ولم يرو من هذا النوع الا هذه القصة فلم يستبعد ثبوتها وان كان من هذا النمط نطق الذراع وحنين الجذع الا ان هذه القصة عين ما وقع لعيسى عليه السلام فهو اشبه بالمماثلة ولا شك من الطريق التي يعضد بها الحديث الضعيف موافقته القواعد المقررة قال الحافظ ابن ناصر الدين الدمشقي۔

حبا الله النبي مزيد فضل على فضل وكان به رؤفا فاحيا امه وكذا ابا لايمان به فضلا لطيفا. فسلم فالقديم بذا قدير وان كان الحديث به ضعيفا

(الدرجة المنيفه فی الاباء الشريفه ص ۶-۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو دوبارہ زندہ کیا۔ اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ یہ معجزہ حجۃ الوداع میں وقوع پذیر

ہوا اس کے متعلق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث روایت ہے۔ جسے بغدادی نے السابق واللاحق میں دارقطنی اور ابن عساکر نے مالک کے غرائب میں ابن شاہین نے الناسخ والمنسوخ میں محب طبری نے اپنی سیرت میں لکھا ہے۔ الروض الانف میں الگ سند اور الگ الفاظ کے ساتھ اسے ذکر کیا ہے۔ اور اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ اور ان تین حضرات نے اس کی طرف باوجود ضعیف ہونے کے میلان کیا ہے۔ اسی طرح قرطبی اور ابن المنیر نے بھی ابن سید الناس نے بعض اہل علم سے بھی اسے نقل کیا ہے۔ اور الصلاح الصفدی نے اسے اپنی نظم میں صحیح کیا۔ حافظ شمس الدین نے اپنے ابیات میں اس کا تذکرہ کیا۔ اور علماء نے اس حدیث کو ان احادیث کی ناسخ کیا۔ جو اس کے خلاف مفہوم رکھتی تھیں کیونکہ یہ حدیث اُن سے متأخر ہے۔ اور علماء نے اس کے ضعیف ہونے کی پرواہ نہ کی کیونکہ ضعیف حدیث فضائل اور مناقب میں قابل عمل ہوتی ہے۔ اور یہ (والدین رسول کریم کا زندہ ہونا اور اسلام لانا) ان کی منقبت ہی ہے۔ اور بعض حضرات نے اس حدیث کی تائید ایک متفق علیہ قاعدہ سے بھی کی ہے۔ جسے تمام امت تسلیم کرتی ہے۔ وہ یہ کہ کسی پیغمبر کو کوئی معجزہ یا خصوصیت جو عطا ہوئی۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا کی ہے۔ اور مردہ زندہ کرنے کا معجزہ اس میں صرف یہی ایک واقعہ نظر آتا ہے۔ لہٰذا اس کا ثبوت کوئی بعید از عقل نہیں۔ اگرچہ اسی معجزہ کی مثل بجری کی ٹانگ کا آپ سے گفتگو کرنا یا ستون کا رو رو کر فریاد کرنا بھی ہے۔ لیکن والدین کو زندہ کرنے کا قصہ بعینہٖ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے کی مثل ہے۔ اور یہ بات بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ کہ مقررہ قواعد کے

اعتبار سے اس حدیث کی مضبوطی اور قوت ثابت ہوتی ہے۔ حافظ ابن ناصر الدین دمشقی نے کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فضل پر فضل پسند فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ واقعی آپ پر بڑا مہربان ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ اور آپ کے والد کو دوبارہ زندہ کیا۔ تاکہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل اور بہت بڑی مہربانی ہے۔ اور لطف خاص ہے۔

لمحہ فکریہ!

حوالہ مذکورہ میں اُن محدثین کرام کے نام آپ نے ملاحظہ کیے۔ جنہوں نے اس حدیث کو ذکر کیا۔ اور قبول بھی کیا۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا زندہ ہونا۔ اور مشرف بایمان ہونا مروی ہے۔ اور فضائل و مناقب میں ضعیف حدیث کا معتبر ہونا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا ضعف اپنے مقام پر لیکن اثبات منقبت میں اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ علماء نے اسے ان احادیث کا ناسخ بھی لکھا۔ جو اس کے خلاف مضمون والی ہیں۔ اور اس کی معقول وجہ ذکر کی۔ کہ یہ مؤخر ہے اور وہ مقدم ہیں۔ ان احادیث سے مراد وہ احادیث ہیں جس میں آپ کی اُس دُعا کا تذکرہ ہے۔ کہ آپ نے والدین کریمین کے لیے مغفرت کی اجازت طلب کی جو نہ ملی۔ ہم ان احادیث پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ ہمیں زندہ کرنے والی حدیث کے ناسخ ہونے میں نظر ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ یہ حدیث ناسخ تب ہوتی۔ کہ ان احادیث میں آپ کے والدین کریمین کا کفر و شرک صراحتہً ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ ان میں کئی ایک تاویلات ہیں۔ جب وہ مؤول ہیں۔ تو پھر نسخ کی کیا ضرورت؟ علاوہ ازیں ناسخ نہ ہونے

کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ آپ کے والد ماجد کے بارے میں جو حدیث بیان کی
جاتی ہے۔ وہ خبر ہے۔ اور خبر کی تنسیخ نہیں ہوا کرتی۔ اسی لیے زندہ کرنے والی حدیث
کو آپ کی خصوصیات میں اور آپ کے جامع کمالات ہونے میں ذکر کیا جاتا ہے
مردہ کو زندہ کرنے کی حد تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی وقوع پذیر ہوا۔ لیکن زندہ
کرنے کے بعد مشرف باسلام کرنا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اور
جن آیات میں مرنے کے بعد یا حالت ناامیدی کا ایمان غیر معتبر قرار دیا ہے۔ اور جن
سے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں نے مغالطہ بھی کھایا۔ اُن آیات سے بھی کوئی
تعارض نہیں واقع ہوتا۔ جب اس واقعہ کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا جائے
اسی لیے جن علماء کو اس مسئلہ کی حقیقت سے آگاہی ہوئی انہوں نے اپنے عقیدہ
سے رجوع کر لیا۔ اور جن کو توفیق نہ مل سکی۔ وہ اسی پر ڈٹے رہے۔ والدین کریمین کے
زندہ کرنے والی حدیث کے متعلق حوالہ مذکورہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ وہ ضعیف ہے
لیکن کچھ لوگوں نے اس کے ضعیف ہونے کی بجائے اسے موضوع قرار دیا۔ اور
یوں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے کفر و شرک کو ڈٹ کر ثابت
کیا۔ ایسے لوگوں کا سرخیل ابن تیمیہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ ابن تیمیہ کی اپنی عبارت
مکمل نقل کریں۔ اور پھر اس کی خبر لیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

والدین کریمین کے زندہ کیے جانے

والی احادیث کو ابن تیمیہ کا موضوع کہنا اور اس کا

تحقیقی جواب

مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ:

هل صح عن النبي صلى الله عليه وسلم ان الله تبارك وتعالى احيا له ابويه حتى اسلما على يديه ثم ماتا بعد ذالك؟

فاجاب . لم يصح ذالك عن احد من اهل الحديث بل اهل المعرفة متفقون على ان ذالك كذب مختلق وان كان قد روى فى ذالك ابو بكر يعنى الخطيب فى كتابه (السابق واللاحق) وذكره ابو القاسم السهيل فى شرح السيرة باسناد فيه مجاهيل وذكره ابو عبد الله القرطبي فى (التذكرة) وامثال هذه المواضع فلا نزاع بين اهل المعرفة انه من اظهر الموضوعات كذبا كما نص عليه اهل العلم وليس ذالك فى كتب المعتمدة فى الحديث لا فى الصحيح ولا

فی السنن ولا فی المسانید و نحو ذالک من کتب
المعروفۃ ولا ذکرہ اہل کتب المغازی و
التفسیر و ان کانوا قد یروون الضعیف
مع الصحیح لان ظہور کذب ذالک لا یخفی علی
متدین فان مثل ھذالو وقع لکان مما
تتوافر الھمم والدواعی علی نقلہ فانہ
من اعظم الامور خرقا للعادۃ وجہین من
جہۃ الموتی ومن جہۃ الایمان بعد الموت
فکان نقل مثل ھذا اولی من نقل غیرہ
فلما لم یروہ احد من الثقات علم انہ کذب
والخطیب البغدادی ھو فی کتاب (السابق
واللاحق) مقصودہ ان یذکر من تقدم ومن
تأخر من محدثین عن شخص واحد سواء
کان الذی یروونہ صدقا او کذبا وابن
شاھین یروی بغث والسمین والسہیلی
انما ذکر ذالک باسناد فیہ مجاھیل ثم
ھذا خلاف الکتاب والسنۃ الصحیحۃ
والاجماع قال اللہ تعالی (انما التوبۃ علی اللہ
للذین یعملون السوء بجہالۃ ثم یتوبون من
قریب فاولئک یتوب اللہ علیہم وکان غفورا
رحیما) ولیست التوبۃ للذین یعملون

السیآت حتی اذا حضر احدهم الموت قال انی تبت الان ولا الذین یموتون وهم کفار) فبین اللہ تعالیٰ انہ لا توبۃ لمن مات کافرا و قال اللہ تعالیٰ (فلم یک ینفعهم ایمانهم لما راؤا باسنا سنۃ اللہ التی قد خلت فی عبادہ و خسر هنالک الکافرون) فاخبر ان سنتہ فی عبادہ انہ لا ینفع الایمان بعد رؤیۃ الباس فکیف بعد الموت؟ و نحو ذالک من النصوص و فی صحیح مسلم ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم این ابی؟ قال ان اباک فی النار فلما ادبر دعاہ فقال ان ابی و اباک فی النار و فی صحیح مسلم ایضا انہ قال استاذنت ربی ان ازور قبر امی فاذن لی۔ و استاذنتہ ان استغفر لها فلم یاذن لی۔

(مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ص ۳۲۴ تا ۳۲۶ جلد چہارم۔)

ترجمہ: سوال۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاطر آپ کے والدین کو زندہ کیا۔ حتیٰ کہ وہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے پھر اس کے بعد فوت ہو گئے۔؟

الجواب: اہل الحدیث میں سے کسی سے یہ ثابت اور صحیح نہیں بلکہ اہل معرفت تو اس پر متفق ہیں۔ کہ یہ گھڑا گھڑایا جھوٹ ہے۔ اگرچہ

اس بارے میں ابوبکر خطیب بغدادی نے اپنی کتاب السابق واللاحق ایسی روایت کیا ہے۔ اور ابوالقاسم السہیلی نے شرح السیرۃ میں ایسی اسناد سے ذکر کیا جس میں مجہول راوی ہیں۔ ابو عبداللہ القرطبی نے التذکرہ میں اسے ذکر کیا ہے۔ اس قسم کی اور کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ تمام اہل معرفت اس پر متفق ہیں۔ کہ یہ من گھڑت روایات میں سے واضح ترین جھوٹی روایت ہے۔ جیسا کہ اہل علم نے اس پر نص کی ہے۔ حدیث کی معتمد کتابوں میں اس کا نام و نشان نہیں۔ نہ کسی صحیح میں نہ کسی سنن میں اور نہ ہی مسانید وغیرہ معروف کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔ اہل مغازی اور اہل تفاسیر نے بھی اسے ذکر نہیں کیا۔ اگرچہ یہ لوگ صحیح احادیث کے ساتھ ضعیف بھی روایت کر جاتے ہیں۔ ان تمام حضرات کا اسے ذکر نہ کرنا اس بنا پر ہے۔ کہ اس کا جھوٹا ہونا کسی دیندار پر مخفی نہیں۔ اگر اس قسم کا واقعہ ہوتا۔ تو بہت سی کوششیں اور دواعی اس کے نقل کرنے میں نظر آتیں۔ کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اور یہ دو اعتبار سے خرق عادت ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ اس میں مردے کو زندہ کرنا ہے۔ اور دوسری اس وجہ سے کہ موت کے بعد ایمان لانے کا اس میں ذکر ہے۔ لہٰذا اس قسم کی بات کا نقل کرنا دوسرے معجزات کی بہ نسبت زیادہ اہتمام سے ہوتا ہے جب کسی ثقہ آدمی سے اس کی روایت نہیں ملتی۔ تو معلوم ہوا کہ جھوٹ ہے رہا خطیب بغدادی کہ جس نے اسے اپنی کتاب السابق واللاحق میں ذکر کیا۔ تو اس کا اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ محدثین میں سے متقدم اور متأخر حضرات کا اس میں ذکر کیا جائے۔ جب کہ ان کے نام آپس میں

ملتے جلتے ہوں۔ رہا یہ کہ وہ محدث روایات بیان کرنے میں سچا ہے یا جھوٹا اس کا خیال اُس نے نہیں رکھا۔ اور ابن شاہین بُری بھلی سب روایت کر دیتا ہے۔ اور سہیلی نے اسے ایسی اسناد سے ذکر کیا جس میں کچھ راوی مجہول ہیں۔

پھر یہ واقعہ کتاب اور سنت صحیحہ کے ساتھ ساتھ اجماع کے بھی خلاف ہے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ "بے شک توبہ اُن لوگوں کی قبول ہے جو بُرے کام جہالت سے کرتے ہیں۔ پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ تو وہ ہیں۔ وہ لوگ کہ اللہ تعالےٰ نے جن کی طرف رجوع کیا۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے" اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برائیاں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کو موت آلیتی ہے۔ تو کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ہی ان لوگوں کی توبہ مقبول جو حالت کفر میں مرجاتے ہیں" تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ جو حالت کفر میں مرجائے اس کی توبہ قبول نہیں۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "انہیں اُن کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا۔ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ کی عادت جو اس کے بندوں کے ساتھ ہوتی رہی۔ اور وہاں کافروں کو سخت خسارہ ہوگا" تو اس میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ کہ اس کی بندوں کے ساتھ یہ عادت ہے۔ کہ عذاب کے دیکھنے کے بعد ایمان لانا کوئی نفع نہیں دے گا۔ تو موت کے بعد ایمان لانے کا نفع کیونکر متصور ہو؟ اسی طرح کی کئی نصوص ہیں۔ اور صحیح مسلم میں ہے۔ کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تیرا باپ دوزخ میں ہے۔ جب وہ جانے لگا تو آپ نے بلوایا

اور پھر فرمایا۔ کہ بے شک میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہیں۔ صحیح مسلم میں ہی یہ بھی موجود ہے۔ کہ آپ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی۔ تو مجھے اجازت دے دی اور میں نے اس کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی۔ تو اس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہ دی۔

ابن تیمیہ کے مذکورہ جواب سے درج ذیل امور سامنے آئے

۱۔ والدین کریمین کے زندہ کرنے اور انہیں مشرف باسلام کرنے کی تائید میں ذکر کردہ روایت پر تمام اہل معرفت متفق ہیں۔ کہ وہ موضوع ہے۔

۲۔ کسی معتبر کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں۔ اور نہ ہی کسی تفسیر یا مغازی میں اس کا ذکر ہے۔

۳۔ کسی ثقہ آدمی نے بھی اسے ذکر نہ کیا۔ جو اس کے موضوع اور جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔

۴۔ جن لوگوں نے اسے ذکر کیا۔ ان میں سے خطیب بغدادی اور ابن شاہین تو مرا ... کی روایت ذکر کردیتے ہیں۔ ہاں سہیلی نے اسے ذکر کیا۔ لیکن اس کی سند میں راوی مجہول ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے ذکر کرنے سے اس کا صحیح اور ثابت ہونا درست نہیں۔

۵۔ روایت مذکورہ، کتاب اللہ، سنت صحیحہ اور اجماع کے بھی خلاف ہے۔

ابن تیمیہ کے جواب میں سے نچوڑ کے طور پر ہم نے پانچ باتیں نکالی ہیں۔

ہم ان میں سے ہر ایک کا تحقیقی و تشفی جواب تحریر کرتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ ان بانگ بلند دعووں کی کیا حیثیت ہے۔ ان امور کے تقابلی جائزہ کے لیے امام شیخ حسین بن محمد دیار بکری کی کتاب "تاریخ خمیس" سے ایک طویل اقتباس پیش کرتے ہیں۔ حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

تاریخ خمیس :-

روی انہا امنت بالنبی بعد موتہا قال الشیخ جلال الدین السیوطی فی رسالتہ المسماۃ بالدرجۃ المنیفہ فی آباء الشریفۃ وذھب جمع کثیر من الائمۃ الاعلام الیٰ ان ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ناجیان محکوم لہما بالنجاۃ بالآخرۃ وھم اعلم الناس باقوال من خالفہم وقال بغیر ذالک ولا یتصرون عنہم فی الدرجۃ ومن احفظ الناس للاحادیث والآثار وانقد الناس بالادلۃ التی استدلال بہا اولئک فانہم جامعون لانواع العلوم ومتضلعون من الفنون خصوصا الاربعۃ التی استمدمنہا ھذہ المسئلۃ فانہا مبنیۃ علی ثلاث قواعد کلامیۃ واصولیۃ وفقہیۃ وقاعدۃ رابعۃ مشترکۃ بین الحدیث واصول الفقہ مع مایحتاج الیہ من سعۃ الحفظ فی الحدیث وصحۃ النقل لہ وطول الباع فی الاطلاع علی ماتقول

الائمة وجمع متفرقات کلامهم فلا يظن

بهم انهم لم يقفوا على الاحاديث التي استدل

بها اولئک معاذ الله بل وقفوا عليها وخاضوا

غمرتها واجابوا عنها بالاجوبة المرضية

التي لا يردها منصف واقاموا ماذهبوا اليه

ادلة قاطعة كالجبال الرواسي والفريقان

ائمة اكابر اجلاء - واختلفت القائلون

بالنجاة في مدرك ذالک على ثلاث درجات الاولى

ان الله تعالى احياهما له فامنا به وذالک في

حجة الوداع لحديث في ذالک ورد عن عائشة

رضي الله عنها وروى المحب الطبري في ذخائر العقبى بسند عن عائشة

رضي الله عنها انها قالت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نزل الحجون

كئيبا حزينا فاقام به ما شاء الله ثم رجع مسرورا قال سألت ربي

فاحيا لي امي فامنت بي ثم ردها ورواه ابوحفص

بن شاهين في كتاب الناسخ والمنسوخ له بلفظ

قالت عائشة حج بنا رسول الله صلى الله عليه

وسلم حجة الوداع فمر بي على عقبة الحجون

وهو باك حزين مغتم فبكيت لبكائه ثم

انه نزل فقال يا حميرا استمسكي فاستندت

الى جنب البعير فمكث مليا ثم عاد الى وهو

متبسم فقال ذهبت لقبر امي فسألت ربي ان

يحيها فأحياها فآمنت بي وكذا روى من حديث
عائشة ايضا احيا الله ابويه حتى امنا به
اورده السهيلي في شرح السيرة والخطيب
في السابق واللاحق وابن شاهين في الناسخ
والمنسوخ والدارقطني وابن عساكر كلاهما
عن امام مالك البغوي في تفسيره والمحب الطبري
في خلاصة السير واورده البيهقي في الروض
الانف من وجه اخر بلفظ واسناده ضعيف
وقد مال اليه ابن شاهين والطبري والسهيلي
وكذا القرطبي وابن المنذر ونقله ابن سيد
الناس عن بعض اهل العلم وقال به الصلاح
الصفدي في نظم له والحافظ شمس الدين بن
ناصر الدين بن الدمشقي في ابيات له وجعلوه
ناسخا لما خالفه من الاحاديث لتأخره ولم
يبالوا بضعفه لان الحديث الضعيف يعمل
به في الفضائل والمناقب وهذه منقبته
وقد ايد بعضهم هذا الحديث بالقاعدة
التي اتفق عليها الائمة انه ما اوتي نبي
معجزة الا واوتي نبينا صلى الله عليه وسلم
مثلها وقد احيا الله لعيسى الموتى من قبورهم
فلا بد ان يكون لنبينا محمد صلى الله عليه وسلم

مثل ذالك ولم يرد من هذا النوع الا هذه القصة ولم يستبعد ثبوتها وان كان له من هذا النمط نطق الذراع وحنين الجذع الا ان هذه غير ما وقع لعيسى فهو اشبه بالمماثلة ولا شك ان من الطريق التي يعتضد بها الحديث الضعيف موافقته القواعد المقومة قال الحافظ شمس الدين بن ناصر الدين الدمشقي۔

حبا الله النبي مزيد فضل

على فضل وكان به رؤفا

فاحيا امه وكذا اباه ۔ لايمان به فضلا لطيفا

فسلم بالقديم هذا قدير ۔ وان كان الحديث به ضعيفا

(تاریخ خمیس جلد اوّل ص ۲۳۰ تا ۲۳۱ مطبوعہ بیروت جدید)

ترجمہ: مروی ہے۔ کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا یعنی مرنے کے بعد زندہ ہوئیں اور پھر مشرف بایمان ہوئیں۔ علامہ الشیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ الدرجۃ المنیفہ فی آباء الشریفہ میں لکھا ہے۔ کہ مشہور ائمہ کی کثیر تعداد کا یہ مذہب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین جنتی ہیں اور آخرت میں اُن کی نجات یقینی ہے۔ یہ حضرات ائمہ اپنے اس مسلک کے مخالفین کے اقوال کو اور ان لوگوں کی تحریرات کو محبت

اچھی طرح جانتے تھے۔ جنھوں نے ان سے اختلاف کیا۔ اور یہ حضرات اپنے مخالفین سے درجہ میں کوئی کم نہیں اور حدیث و آثار کے حفظ کے اعتبار سے اُن سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اور ان دلائل پر تنقید کرنے میں کسی سے کم نہیں جو مخالفین نے پیش کیے۔ کیونکہ حضرات مختلف علوم کے جامع ہی نہ تھے بلکہ تمام فنون جی بھر کر انہوں نے حاصل کر رکھے تھے۔ بالخصوص چار فنون کہ جن سے اس مسئلہ میں مدد لی جاتی ہے۔ اس مسئلہ کے معاون اور مبدا کلام، اصول اور فقہی قواعد ہیں۔ اور چوتھا قاعدہ حدیث اور اصول فقہ کا مشترکہ ہے۔ ان قواعد کے ساتھ ساتھ حدیث پاک کی وسعت حفظ بھی ان ائمہ کو حاصل تھی۔ اور نقل کی صحت اور ائمہ کے اقوال پر واقفیت میں کامل تھے۔ اور ان کے کلام کے متفرقات کو جمع کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے۔ لہذا ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ ان احادیث سے واقف نہ تھے جن سے ان کے مخالفین نے استدلال کیا۔ بلکہ اُن کو ان کی مکمل واقفیت تھی اور ان کی گہرائیوں تک پہنچنے والے تھے۔ اور پھر اُن کے ایسے پسندیدہ جوابات دیئے جنھیں منصف کبھی رد نہیں کر سکتا۔ اور اپنے مذہب پر ایسے دلائل پیش کیے۔ جو قطعیت میں کوہ گراں کی طرح مضبوط ہیں۔ بہرحال دونوں طرف سے علماء اکابر ائمہ ہیں۔ جو حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے جنتی ہونے کے قائل ہیں۔ اُن کا باہم یہ اختلاف ہے۔ کہ انہیں نجات کیسے ملی۔ ان لوگوں کے تین درجے ہیں۔ یا ان کے تین مسلک ہیں۔ پہلا ذریعہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کو آپ کی خاطر زندہ کیا۔ پھر وہ آپ پر ایمان لائے۔

اور یہ واقعہ حجۃ الوداع میں پیش آیا۔ اس بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا
کی ایک حدیث ہے۔ محب طبری نے ذخائر العقبیٰ نامی اپنی
کتاب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان
کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجون میں اترے۔ اور آپ بڑے
غم زدہ اور پریشان تھے۔ وہاں جس قدر خدا نے چاہا۔ کھڑے رہے
پھر واپس خوشی کے ساتھ تشریف لائے۔ فرمانے لگے۔ میں نے
اپنے پروردگار سے سوال کیا۔ تو اس نے میری خاطر میری والدہ
کو زندہ کیا۔ پھر وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔ اور پھر انتقال فرما گئیں۔ ابن شاہین
نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں ان لفظوں سے یہ روایت ذکر
کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ ہم لوگ حج پر گئے تھے۔ تو آپ مجھے لے کر حجون کی گھاٹی پر تشریف
لے گئے۔ آپ رو رہے تھے۔ پریشان اور غم زدہ تھے۔ انہیں روتا
دیکھ کر میں بھی رو پڑی۔ پھر آپ نیچے اترے۔ اور فرمایا۔ اے حمیرا!
مجھے سہارا دو۔ میں نے اونٹ کی ایک جانب سہارا دیا۔ آپ کچھ
دیر اسی حالت میں رہے۔ پھر میری طرف مڑے۔ اور تبسم فرما رہے
تھے۔ فرمانے لگے۔ میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے سوال
کیا۔ کہ وہ اسے زندہ فرما دے۔ تو اللہ نے انہیں زندہ فرما دیا۔ وہ مجھ پر
ایمان لائیں۔ اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی
ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا۔ اور وہ دونوں مجھ
پر ایمان لائے۔ السہیلی نے شرح السیرۃ میں اور الخطیب نے السابق
واللاحق میں اور ابن شاہین نے الناسخ والمنسوخ میں دارقطنی و ابن عساکر

نے عزائب مالک میں۔ بغوی نے تفسیر میں، محب طبری نے خلاصة السیر میں لکھا، بیہقی نے روض الانف میں اور دلفظاً اور دیگر اسناد کے ساتھ یہی واقعہ نقل کیا ہے۔ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ ابن شاہین، طبری اور الصلاح الصفوی نے اپنی نظم میں اسے لکھا۔ حافظ شمس الدین

بن ناصرالدین دمشقی نے اپنے ابیات میں اسے نقل کیا ہے۔ اور ان حضرات نے اسے اُن احادیث کا ناسخ قرار دیا جو اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ یہ اُن سے متأخر ہے۔ اور ان علماء نے اس بات کی پرواہ نہ کی۔ کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ حدیث ضعیف باتفاق علماء فضائل ومناقب میں تسلیم کی جاتی ہے۔ اور آپ کے والدین کا زندہ ہو کر مشرف باسلام ہونا ان کی ایک منقبت ہی ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کی ایک اور قاعدہ سے تائید پیش فرمائی۔ وہ یہ کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو جو جو معجزات، وخصوصیات عطا فرمائیں۔ ان تمام کی مثل اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا فرمائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قبروں سے مردے زندہ کرنے کا اعجاز عطا کیا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اسکی مثل معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا کیا جاتا۔ اور اس بارے میں صرف یہی ایک واقعہ ملتا ہے۔ اور اس کے ثبوت کو عقل کوئی بعید نہیں سمجھتی اگرچہ اس سے ملتا جلتا ایک معجزہ بکری کے اعضاء کا گفتگو کرنا اور ستون کا گڑگڑانا بھی ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ کے معجزہ اور ان میں بڑا فرق ہے۔ لہٰذا والدین کریمین کا واقعہ حضرت عیسیٰ کے معجزہ سے کامل

مشابہت اور مماثلت رکھتا ہے۔ اور یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ ایسی ضعیف حدیث اگر قواعد مقررہ کے موافق ہو جائے۔ تو اس میں مضبوطی اور پختگی آ جاتی ہے۔ حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فضل پر فضل دینا پسند فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ پر بہت زیادہ مہربان ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ اور آپ کے والد کو دوبارہ زندہ کیا۔ تاکہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل و لطف ان کے شامل حال ہو سو تجھے اللہ تعالیٰ کی اس پر قدرت تسلیم کرنی چاہیئے۔ اگرچہ جس حدیث میں یہ واقعہ آیا ہے وہ ضعیف ہے۔

☆

ابن تیمیہ اور تاریخ خمیس کے مندرجات کا تقابل

ابن تیمیہ	تاریخ خمیس
۱۔ اہل معرفت متفق ہیں۔ کہ حدیث احیاء ابوین موضوع اور کذب ہے	۱۔ والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث اور اس سے ثابت شدہ عقیدہ علمائے اعلام کا عقیدہ ہے۔ اور اہل معرفت انہی کو کہتے ہیں۔
۲۔ کسی معتبر کتاب میں اس حدیث کو نہیں لکھا گیا۔ کسی مفسر نے بھی اپنی تفسیر میں اسے نہیں لکھا۔	۲۔ تاریخ خمیس، شرح السیرۃ للسہیلی السابق واللاحق لخطیب الناسخ والناسخ لابن شاہین میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ اور یہ کتب علمائے کرام کے نزدیک معتبر ہیں۔ تفاسیر میں سے قرطبی، البغوی نے اسے اپنی تفاسیر میں لکھا۔
(۳)۔ کسی ثقہ آدمی نے اسے نہیں لکھا۔	۳۔ تیرہ کی تعداد میں وہ حضرات ہیں۔ جو ائمہ حدیث و تفسیر ہیں۔ ان کی کتب میں یہ حدیث موجود ہے۔ حوالہ کے لیے البدایہ والنہایہ جلد ۱۲ ص ۲۱۹، القرطبی جلد ۱۲ ص ۱۰۳، ابن شاہین جلد ۱۲ ص ۲۱۷، خطیب بغدادی جلد ۱۲ ص ۱۰۲، امام بغوی جلد ۱۲

امام سہیلی کیا غیر ثقہ ہیں؟

الکنیٰ والالقاب:

ابو القاسم عبد الرحمٰن بن محمد بن الخطیب احمد اندلسی مالکی النحوی اللغوی المحدث المفسر۔

(الکنیٰ والالقاب جلد دوم ص ۳۲۷)

ترجمہ: یعنی امام السہیلی ابو القاسم بہت بڑا نحوی، لغت، تفسیر اور حدیث کا امام تھا۔

امام بغوی کیسے آدمی تھے؟

الکنیٰ والالقاب:

البغوی ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز صاحب المعجم ولد ببغداد ۲۱۳ھ و نشأ بہا و کان محدث العراق فی عصرہ عمرا طویلا حتی رحل الیہ الناس و کتب عنہ الاجداد و الاحفاد و الآباء والاولاد و کان بورق اولا ثم رجع و صنف معجم الکبیر

للصحابة سمع احمد بن حنبل وعلی ابن مدینی وخلقا یطول ذکرھم من شیوخ البخاری ومسلم (الکنی والالقاب جلد دوم ص ۸۸)

ترجمہ: صاحب معجم امام ابوالقاسم امام بغوی ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے سب سے بڑے عراق کے محدث تھے۔ لمبی عمر پائی۔ لوگ ان کے پاس آتے۔ ان سے دادے، پوتے، نواسے اور باپ بیٹا لکھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے معجم کبیر لکھی۔ امام احمد بن حنبل اور علی بن مدائنی اور ان کے علاوہ بہت سے سماعِ حدیث کیا۔ امام بخاری اور مسلم کے شیوخ میں سے ہیں۔

ابن شاہین کیسے آدمی تھے۔

الکنی والالقاب:

ابوحفص عمرو بن احمد بن عثمان ذکر ذالک الخطیب فی تاریخہ بغداد ثم قال وکذالک انا اول ماسمعت الحدیث اخبرنا القاضی ابوالحسین محمد بن علی بن محمد الہاشمی قال قال لنا ابوالحفص بن شاہین ولدت فی ۲۹۷ھ واول ماکتبت الحدیث ۳۰۸ھ وصنفت ثلاثمائة مصنف وثلاثین مصنف احدھا التفسیر الکبیر الف جزء والمسند الف جزء وخمسائة جزء والتاریخ

مائة وخمسين جزءًا والزهد مائة جزء۔

(الكنى والالقاب جلد ۱ ص ۳۲۴، زرقانی شرح مواہب جلد اول ص ۲؍)

ترجمہ: ابن شاہین کا خطیب، نے ذکر کیا۔ کہ میں نے ان سے سب سے پہلے حدیث حاصل کرنے والا ہوں۔ قاضی ابو الحسین محمد بن علی ہاشمی نے کہا۔ کہ ہمیں ابن شاہین نے بتایا۔ میری پیدائش ۲۹۷ ہجری میں ہوئی اور حدیث کی سب سے پہلی کتاب میں نے ۳۰۸ھ میں لکھی۔ میں نے تین سو تیس بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک تفسیر کبیر ہے۔ جو ایک ہزار جزء پر مشتمل ہے۔ ایک مسند جو ایک ہزار پانچ سو اجزاء پر مشتمل ہے ایک تاریخ جو ایک سو پچاس اور ایک الزہد پر جو ایک سو اجزاء پر مشتمل ہے۔

توضیح:

یہ دو حضرات اُن بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے زندہ ہونے اور ایمان لانے والی حدیث ذکر کی۔ یہ اپنے وقت کے مشہور محدث، مفسر، فقیہہ اور مورخ تھے۔ ہزاروں صفحات پر پھیلی کتب کے مصنف ہیں۔ امام بخاری و مسلم نے علامہ بغوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ لہذا انہی پر دیگر حضرات کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جن کے بارے میں ابن تیمیہ نے کہا۔ کہ کسی ثقہ آدمی نے کسی محدث نے، کسی مفسر نے مذکورہ روایت کو ذکر نہیں کیا۔ کیا یہ علم کی دنیا میں عظیم بددیانتی نہیں۔ کیا یہ بہتان نہیں ہے۔؟

ابن تیمیہ نے مزید لکھا کہ خطیب بغدادی کا حوالہ اس لیے غیر معتبر ہے کہ اس کی کتاب السابق واللاحق کا موضوع یہ نہیں بلکہ ہم نام محدثین کرام میں سے سابق اور لاحق کا تذکرہ کرنا ہے۔ اس لیے اس موضوع پر اس کی بات کا کوئی وزن نہیں

اور سہیل کی روایت میں مجہول راوی ہیں۔ اس لیے اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

تاریخ خمیس:

اگر ابن تیمیہ کے بقول ان دونوں حضرات کا موضوع صرف اتنا ہی تھا جیسا کہ ابن تیمیہ نے بیان کیا۔ تو پھر ان کتابوں کے مطالعہ سے ابن تیمیہ کے جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے۔ کیونکہ الخطیب بغدادی نے محدثین کرام کے حالات، ضبط و حفظ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اور پھر ان کے کچھ روایات سے استنباط بھی کیا ہے۔ ورنہ سیدھی سی بات ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے زندہ ہونے اور مشرف بایمان ہونے کا کسی محدث کے مقدم یا مؤخر ہونے سے کیا تعلق! ابن تیمیہ کے اس خیال کی تردید ایک حوالے سے ملاحظہ ہو۔

الکنی والالقاب:

الخطیب البغدادی ابوبکر احمد بن علی ولد ۳۹۲ھ وتوفی ۷، ذی الحجۃ ۴۶۳ھ حکی ان الخطیب کان تصدق بجمیع مالہ وھو مائتا دینار فرقھا علی ارباب الحدیث والفقراء فی مرضہ واوصی ان یتصدق عنہ بجمیع ما علیہ من الثیاب ووقف جمیع کتبہ علی المسلمین ولم یکن لہ عقب وکان انتھا علیہ علو الحدیث وحفظہ فی رقتہ۔ قال الذھبی توفی الخطیب ومات العلو بوفاتہ۔

(الکنی والالقاب جلد ۲ ص ۲۰۸)

ترجمہ: خطیب بغدادی ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۷، ذوالحجہ ۴۶۳ھ

میں وفات پائی۔ بیان کیا گیا ہے۔ کہ خطیب بغدادی نے اپنا تمام مال بوقت وصال محدثین کرام اور فقراء پر بانٹ دیا تھا اور وصیت کر دی تھی کہ جسم کے کپڑے بھی فی سبیل اللہ صدقہ کر دیئے جائیں۔ اپنی تمام کتب مسلمانوں کے لیے وقف کر دیں۔ کیونکہ ان کی اولاد نہ تھی۔ حدیث پاک کا علم اور اس کے حفظ کا معاملہ ان کے وقت میں انتہا پر پہنچ گیا تھا۔ (یعنی آپ بہت بڑے عالم الحدیث اور حافظ الحدیث تھے۔) امام ذہبی کا قول ہے۔ کہ خطیب بغدادی کی وفات سے علم فوت ہو گیا۔

ان حوالہ جات سے ابن تیمیہ کی گپ اور حقیقت حال کا آپ کو ضرور علم ہو گیا ہو گا۔ یہی وہ حضرات محدثین کرام ہیں۔ جو ابن تیمیہ کی نظروں میں نہ ثقہ ہیں۔ نہ محدث نہ مفسر، اور نہ ہی ان کی کتب، کتب معتبرہ میں شمار ہوتی ہیں۔ امام ذہبی جیسے بزرگ محدث فرمائیں۔ کہ خطیب کی موت سے علم ہی فوت ہو گیا۔ اور ابن تیمیہ یہ تاثر دے۔ کہ خطیب ایک واعظ اور مورخ قسم کا آدمی ہے۔ اس کی تحریرات و کتب کوئی اعتبار کی تصنیفات نہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا زندہ ہونا اور ایمان لانا، آیات، احادیث صحیحہ اور اجماع کے خلاف ہے۔ اس خلاف کو اس نے قرآنی آیات، حدیث صحیحہ کی دو احادیث سے واضح کیا ہے۔ ان آیات کا مفہوم کیا ہے۔ اور مذکورہ احادیث کی تشریح کیا ہے؟ ملا علی قاری کے سوالات کے جواب میں ہم اس پر بحث کر چکے ہیں۔ لیکن دونوں (ملا علی قاری۔ ابن تیمیہ) میں فرق یہ ہے۔ کہ ملا علی قاری کی اس نظریہ سے توبہ منقول ہے۔ لیکن ابن تیمیہ کی توبہ کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے ہم نے دونوں کے جوابات میں علیحدہ علیحدہ انداز اختیار کیا ہے۔ وہاں جواب مختصر تھا لیکن یہاں شق وار اور تفصیل کے ساتھ جواب

[ا]یا بار]ا ہے۔ علاوہ ازیں ابن تیمیہ کے اس عقیدہ کے پیروکار کچھ ہمارے ہاں بھی معروف [و]مشہور ہیں۔ فتاوٰی رشیدیہ میں رشید احمد گنگوہی نے بھی اس کے سوال کے جواب میں [لکھا] ہے۔ کہ آپ کے والدین کریمین مومن نہیں۔ اب ہم ان آیات کو لیتے ہیں جن سے [ا]بن تیمیہ نے آپ کے والدین کا کافر ہونا ثابت کیا ہے۔

تفسیر ابن جریر:

حدثنا المثنی قال حدثنا اسحاق قال حدثنا ابن ابی جعفر عن ابیہ عن الربیع اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ قَالَ نَزَلَتْ اُوْلٰی فِی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ نَزَلَتِ الْوُسْطٰی فِی الْمُنَافِقِیْنَ یَعْنِیْ وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ وَالْاُخْرٰی فِی الْکُفَّارِ یَعْنِیْ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَھُمْ کُفَّارٌ۔

(تفسیر ابن جریر جلد چہارم ص ۲۰۶)

[تر]جمہ: جناب ربیع کہتے ہیں۔ کہ انما التوبۃ علی اللہ الخ پہلی آیت مومنوں کے بارے میں اور درمیانی یعنی و لیست التوبۃ للذین الخ منافقوں کے بارے میں اور آخری یعنی ولا الذین یموتون وھم کفار کافروں کے بارے میں نازل ہوئی۔

تفسیر ابن کثیر:

قال ابن عباس و ابو العالیۃ و الربیع بن انس (ولا الذین یموتون و ھم کفار) قالوا نزلت

فِيْٓ اَهْلِ الشِّرْكِ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۶۴)

ترجمہ: ابن عباس۔ ابوالعالیہ اور ربیع بن انس کہتے ہیں۔ کہ آیت ولا الذین یموتون وھم کفار۔ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔

لمحہ فکریہ:

ابن تیمیہ نے "ولا الذین یموتون وھو کفار" سے ثابت کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین مومن نہیں۔ طریقہ اثبات یہ اختیار کیا گیا کہ جو لوگ حالت کفر پر مر جاتے ہیں۔ اُن کی توبہ مقبول نہیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا حالتِ کفر و شرک میں انتقال ہوا تھا۔ اس لیے اگر وہ دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لے آئیں۔ اور ان کا ایمان تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر اس آیت کی مخالفت لازم آتی ہے ذرا عقل ہوتی تو اس استدلال پر خود شرم آجاتی۔ کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے۔ کہ پہلے کسی شخص کا حالتِ کفر و شرک پر مرنا متحقق ہو۔ تو پھر اس کی توبہ کسی کام نہ آئے گی۔ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اس حالت پر انتقال کرنا متحقق ہے؟ اسی مفہوم کے پیش نظر حضرات مفسرین کرام نے اس سے مراد وہ لوگ لیے ہیں۔ جو کافر ہیں۔ اور کفر پر اُن کا خاتمہ ہوا۔ یا منافق ہیں جو حالت نفاق میں ہی دنیا سے اٹھ گئے۔ منافق کسے کہتے ہیں۔؟ وہ شخص جو بظاہر اسلام کا اقرار کرے۔ اور اُن کا اقرار کسی دنیوی مفاد کی خاطر ہو دل ان کا اسلام و ایمان کی حقانیت کو جھٹلاتا ہے۔ اُسے منافق کہا جاتا ہے اب کوئی ابن تیمیہ سے پوچھے۔ کہ کیا سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر نفاق کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ آپ کے والدین ماجدین کے زمانہ میں کوئی پیغمبر موجود نہ تھا۔ کوئی نبی تبلیغ کرنے والا نہ تھا۔ کہ جس کی دعوت کو اوپر اوپر سے مان لیتے اور اندر سے اس کی مخالفت اور تکذیب پر ڈٹے ہوتے۔ تاکہ انہیں

منافق کہا جا سکے۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ خطہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا۔ اس اڑھائی ہزار سال دورمیں کسی کے بارے میں منافق ہونا کسی طرح متحقق نہیں ہو سکتا۔ لہذا اگر آیت کریمہ سے مراد منافق لیے جائیں تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین اس میں شامل نہیں ہوتے۔

یہاں اگر کوئی منکر یہ کہنے کی جسارت کرے۔ کہ چلو ہم نے مانا کہ آیت مذکورہ آپ کے والدین کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ لیکن یہ تو ہو سکتا ہے۔ کہ اس سے مراد اہل فترت بطور عموم ہوں۔ اس اعتبار سے حضور کے والدین پر بھی یہ آیت منطبق ہو جائے گی۔ تو ہم اس جسارت کا یہ جواب دیں گے کہ آیت مذکورہ کا نزول اہل فترت کے بارے میں ہو۔ اس کی تائید میں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت ہی دکھا دو۔ ہم منہ مانگا انعام دیں گے۔

دوسرا خطاب اس آیت سے مشرکین کو ہے۔ جیسا کہ ابن کثیر نے کہا جو ابن تیمیہ کا اس مسئلہ میں پیرو ہے۔ اب وہی سوال ہم پھر دہرائے دیتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا شرک کرنا کہیں سے ثابت کر دکھاؤ۔ کوئی صحیح حدیث اگرچہ خبر واحد ہی ہو۔ اس پر پیش کرو۔ اسی طرح اگر اس کا مصداق کفار لیے جائیں۔ تو پھر بھی ثابت کرنا پڑے گا۔ کہ آپ کے والدین نے کفر کیا۔ تو جب اُن کا نفاق، شرک اور کفر کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ تو پھر اس آیت سے اُن کی ذات مُراد لینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ آیت سے زبردستی استدلال کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا کفر و شرک ثابت کیا گیا۔ اور ان کا زندہ ہو کر ایمان قبول کرنا اس آیت کے خلاف جاننا۔ بیان کیا گیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض: ابن تیمیہ کہتا ہے۔ کہ آپ کے والدین کریمین کا زندہ ہو کر اسلام لانا حدیث صحیح کے خلاف ہے

اور اس مخالفت کے ثبوت میں ابن تیمیہ نے مسلم شریف کی دو احادیث پیش کیں۔ یعنی زندہ ہو کر ایمان لانے والی حدیث موضوع ہے۔ اس کے موضوع ہونے کی مسلم شریف والی دو احادیث دلیل ہیں۔ وہ دو حدیثیں یہ ہیں میرا اور تیرا باپ دوزخ میں ہیں۔ اور آپ کو والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت نہ ملی۔ اجازت استغفار نہ ملنا ان کے کافر ہونے کی دلیل ہے۔ آیئے ذرا ان دونوں احادیث کے بارے میں طریقہ استدلال کی روشنی میں کچھ گفتگو ہو جائے۔

جواب اوّل: دونوں احادیث مئوول ہیں۔ پہلی کی تاویل یہ کہ "ابی" سے مراد ابو طالب ہے جیسا کہ شارحین کرام نے بیان کیا۔ دوسری کا مطلب یہ ہے کہ استغفار کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ اس کا تعلق اہل تکلیف کے ساتھ گناہ گار ہونے کی صورت میں ہوتا ہے اور آپ کے والدین کریمین زمانہ فترت میں انتقال فرما گئے۔ کسی نبی کی بعثت کا زمانہ نہ پایا۔ اس لیے نہ ان سے اپنے دور کے مطابق کوئی گناہ سرزد ہوا۔ اور نہ اس کی مغفرت کی ضرورت تھی۔ جیسا کہ نابالغ بچہ فوت ہو جائے۔ تو اس کے لیے دعائے مغفرت نہیں کی جاتی۔ ان دونوں احادیث کا یہ معنی پیش نظر ہو۔ تو پھر آپ کے والدین کا کفران سے کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ پھر ابن تیمیہ کے عقل پر پتھر پڑ گئے۔ ایذائے رسول میں اتنا بھی بھول گیا۔ کہ کسی کا کفر و شرک ثابت کرنا ہو۔ تو وہاں ایسے دلائل سے کام نہیں چلتا۔ جن کی تاویل کی گئی ہے۔ بلکہ اس کے لیے نص قطعی درکار ہوتی ہے۔ اس ضعیف احادیث سے فضائل ومناقب کا ثبوت اہل علم کے ہاں مسلم ہے تو اس یہ ہے۔ کہ ضعیف حدیث سے ابن تیمیہ وغیرہ کو حضور کے والدین کا ایمان ثابت کرنا دشوار نظر آیا۔ لیکن ان کے کفر و شرک کے اثبات کے لیے مئوول احادیث کو بھی

جواب دوم از تاریخ خمیس؛

ومن ادلة المقدمة الاولی حدیث بعثت من

خیر قرون بنی ادم قرنا فقرنا حتی بعثت

من القرن الذی کنت فیہ وفی سنن البیهقی

ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی

خیرهما واخرجت من بین ابوی فلم

یصبنی شئی من عهد الجاهلیة وخرجت

من نکاح ولو اخرج من سفاح من لدن آدم

حتی انتهیت الی ابی وامی فانا خیرکم نفسا

وخیرکم ابا ولا فخر

ومن ادلة المقدمة الثانیہ ما اخرجه

عبد الرزاق فی المصنف وابن المنذر فی

تفسیره بسند صحیح علی شرط الشیخین

عن علی ابن ابی طالب قال لم یزل علی وجه

الارض من یعبد اللہ علیها واخرج امام احمد

بن حنبل فی الزهد والجلال فی کرامات الاولیاء

بسند صحیح علی شرط الشیخین عن ابن عباس

قال ماخلت الارض من بعد نوح من سبعة

یدفع اللہ بهم عن اهل الارض فی آثارهم

واذا قرنت بین المقدمتین انتج منهما قطعا

ان آباء النبی لم یکن فیهم شرک لانه قد ثبت

فی کل منهم انه خیر قرنه فان کان الناس الذین هم علی الفطرة هم اٰبادهم فهو المدعی وان کانوا غیرهم وعلی الشرک لزم احد امرین اما ان یکون المشرک خیرا من المسلم وهو باطل بنص القرآن والاجماع واما ان یکون غیرهم خیرا منهم وهو باطل لمخالفة الاحادیث الصحیحة فوجب قطعا ان لا یکون فیهم شرک لیکونوا خیر اهل الارض۔

(تاریخ خمیس جلد اول ص ۲۳۴-۲۳۵)

ترجمہ: مقدمہ اولیٰ کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں بنی آدم کے بہترین قرن میں سے بھیجا گیا۔ حتیٰ کہ میں اس قرن میں آیا۔ جس میں میں ہوں۔ سنن البیہقی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب بھی لوگوں کے دو گروہ بنائے۔ تو مجھے ان دونوں میں سے بہتر میں رکھا۔ اور میں اپنے والدین سے ظہور پذیر ہوا۔ تو مجھے جاہلیت کے عہد کی کوئی بات ہاتھ نہ لگا سکی۔ اور میں نکاح کے ذریعہ ظاہر ہوا۔ بدکاری سے میرے ظہور کا کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ سلسلہ حضرت آدم سے چل کر میرے والدین تک اسی طرح پہنچا۔ لہٰذا میں باعتبار اپنی ذات کے اور باعتبار آباؤ اجداد کے تم سب سے بہتر ہوں۔ اور قطعی کوئی فخر نہیں۔

مقدمہ ثانیہ کے دلائل میں سے ایک دلیل وہ روایت ہے

جو عبدالرزاق نے مصنف میں ذکر کی۔ ابن المنذر نے تفسیر میں تحریر کی۔
دونوں کی روایت امام بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح سند پر مشتمل
ہے۔ حضرت علی المرتضٰے سے ہے۔ کہ حضور نے ارشاد فرمایا۔ زمین پر
ہر دور میں کچھ لوگ ایسے رہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے امام
احمد بن حنبل نے الزہد میں جلال نے کرامات اولیاء میں شیخین کی شرائط
پر سند صحیح کے ساتھ یہ روایت بیان کی۔ ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ حضرت
نوح علیہ السلام کے بعد سات آدمی ہر دور میں ایسے باکرامت موجود
رہے۔ کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ زمین والوں کی سختیاں دور کر
دیا کرتا تھا۔

جب ان دونوں مقدمات کو ملایا جائے۔ تو پھر نتیجہ قطعی طور پر معلوم ہوگا۔ کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں شرک کا شائبہ تک نہ تھا۔ کیونکہ پہلے مقدمہ سے یہ
ثابت ہوا۔ کہ وہ اپنے دور کے بہترین لوگ تھے۔ لہٰذا اگر وہ لوگ جو دینِ فطرت پر
تھے آپ کے آباؤ اجداد ہیں۔ تو ہمارا یہی مدعٰی ہے۔ اور اگر ان کے غیر تھے
اور وہ شرک پر تھے۔ تو پھر دو باتوں میں سے ایک بہرحال لازم آئے گی۔ اول یہ کہ
مشرک کو مسلمان سے بہتر ماننا پڑے گا۔ حالانکہ یہ نص قرآنی سے باطل ہے۔ اور
اجماع امت کے بھی خلاف ہے۔ اور دوم یہ کہ ان کے غیر لوگ ان سے بہتر قرار
پائیں گے۔ اور یہ اس لیے باطل ہے۔ کہ احادیث صحیحہ اس کی مخالفت کرتی ہیں۔ لہٰذا
یہ بات قطعاً واجب کہ آپ کے اجداد میں شرک نہ تھا۔ اور اہل زمین میں سے بہتری
اسی صورت میں ہی ہو سکتی ہے۔

٭

جواب سوم از تفسیر ابن جریر:۔

قال اسباط عن السدی الا الذی فطرنی قال خلقنی وقوله وجعلها کلمة باقیة فی عقبه یقول تعالیٰ ذکره وجعل قوله اننی براء مما تعبدون الا الذی فطرنی وھو قول لا اله الا الله کلمة باقیه فی عقبه وھم ذریته فلم یزل فی ذریته من یقول ذالک من بعده .... ابن عبد الله علی قال حدثنا ابن ثور عن معمر بن قتادہ وجعلها کلمه باقیة فی عقبه قال التوحید والاخلاص ولا یزال فی ذریته من یوحد الله ویعبد الله۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۲۵ ص ۳۸-۳۹)

ترجمہ: اسباط نے سُدّی سے بیان کیا کہ "الا الذی فطرنی" کا معنی خَلَقَنِیْ ہے۔ اور وجعلها کلمه باقیه سے مراد کلمہ طیبہ لا اله الا الله ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی رہے گا۔ لہٰذا آپ کی اولاد میں اسے کہنے والا کوئی نہ کوئی ہر دور میں باقی رہے گا۔ جناب معمر بن قتادہ نے کہا۔ کہ "کلمه باقیة" سے مراد توحید اور اخلاص ہے۔ اور آپ کی اولاد میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم اور اس کی عبادت کرنے والا ہر دور میں رہے گا۔

تفسیر غرائب القرآن:

لَقَدْ اِسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهٗ فَلَمْ یَزَلْ فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا

وَمَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا۔

(تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان جلد ۱ ص ۴۰۱ بر حاشیہ جریر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔ لہٰذا ان دونوں ابراہیم واسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں کوئی نہ کوئی ہر دور میں ایسا آدمی موجود رہے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا مقر ہو۔ اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

لمحہ فکریہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دونوں دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ کہ آپ کی اولاد میں ہر دور کے اندر ایسے افراد موجود رہیں گے۔ جو لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے اس مفہوم کو تسلیم کرنے والے یعنی موحد اور مومن ہوں گے۔ آپ کی یہ دعا کہ میری اولاد میں سے ایک جماعت اپنی فرمانبردار رکھنا۔ اب دونوں دعاؤں کا مصداق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد بطریقہ اولیٰ ہوئے۔ اس لیے آپ کے والدین کریمین کو اگر موحد و مومن تسلیم نہ کیا جائے۔ تو اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا نامقبول ہونا مترشح ہوتا ہے۔ اور احادیث صحیحہ کا انکار لازم آتا ہے۔

جواب چہارم: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

تمام امت اس بات پر متفق ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا زمانہ وہ تھا جس میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ کوئی دعوت اسلام دینے والا نہ تھا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں نص قطعی ہے "وماكنا معذبين حتى نبعث رسولا"، ہم بعثت رسول کے بغیر کسی کو عذاب دینے والے نہیں۔ ایک طرف یہ نص قطعی اور دوسری طرف وہ حدیث جو ابن تیمیہ نے پیش کی۔ نص قطعی کا مقابلہ حدیث صحیح سے کیا جا رہا ہے۔ کیا یہی علم شناسی اور شیخ الاسلامی ہے؟

نوٹ: جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ اہل فترت کی تین اقسام ہیں۔ ایک وہ جو مومن

اور موحد تھے۔ دوسرے وہ جو غفلت کا شکار رہے۔ تیسرے وہ جنہوں نے دین میں تغیر و تبدیلی کی۔ اور کفر و شرک پر مرے۔ ان تینوں میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین یقیناً پہلے گروہ میں داخل ہیں۔ اور اس گروہ کی تکفیر و تضلیل درست نہیں۔ بلکہ یہ جنتی ہیں۔

اعتراض

ابن تیمیہ کہتا ہے ابن شاہین نے جو روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ ہونے اور اسلام لانے کی تائید میں پیش کی ہے اس میں مجہول راوی ہیں

جواب: ابن تیمیہ کی اس بات کو اور اس کی پچھلی بات کو ذرا ملا کر دیکھیں۔ تو معاملہ واضح ہو جائے گا۔ پہلے کہا کہ اس حدیث کو کسی ثقہ شخص کسی مفسر کسی محدث اور کسی معتبر نے ذکر نہیں کیا۔ لیکن اس اعلان میں کم از کم ابن شاہین پر بھی ہاتھ صاف کر دیا گیا۔ اب کہا جا رہا ہے۔ کہ ہاں ابن شاہین نے اس روایت کو ذکر کیا۔ لیکن اس کے راوی مجاہیل ہیں۔ ذرا اس تناقض کے بعد اس کی حقیقت حال دیکھیں۔ کہ تسلیم کر لیا کہ ابن شاہین ایسے محدث و مفسر نے یہ روایت ذکر کی ہے۔ لیکن اس کے راویوں کو مجہول کہہ کر یہ تاثر دیا گیا۔ کہ جس روایت کے راوی مجہول ہوں۔ وہ موضوع ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی حضرت پہلے بانگ دہل کہہ چکے ہیں۔ کہ یہ روایت موضوع اور کذب ہے۔ اب دیکھنا ہے۔ کہ کسی روایت کے راوی اگر مجہول ہوں۔ تو وہ موضوع کہلاتی ہے۔ اور جھوٹ بن جاتی ہے۔؟

حقیقت حال یہ ہے۔ کہ مذکورہ روایت ایک سند سے مروی نہیں۔ اور نہ ہی اس کے تمام رواۃ مجہول ہیں۔ ابن تیمیہ نے جن کے مجہول ہونے کا بیان کیا محدثین کرام کے نزدیک وہ مجہول ہے ہی نہیں۔ مختلف اسناد سے یہ روایت جناب ابوہریرہ پر جا کر متفق ہو جاتی ہے۔ ان اسناد کا تذکرہ علامہ زرقانی نے کیا ہے۔ لیکن ابن شاہین

کی روایت میں ابو غزیہ کا نام نہیں۔ آیئے ذرا یہ حدیث اور اس کی سند دیکھیں۔ پھر اس کے راویوں پر تنقید کا حال دیکھیں۔

زرقانی:

قال اخبرنی الخطیب ابنا نا ابو العلاء الواسطی حدثنا الحسین بن محمد الحلبی حدثنا ابو طالب عمر بن الربیع الزاھد حدثنا علی بن ایوب الکعبی حدثنا محمد بن یحیی الزھری عن ابی غزیہ حدثنا عبد الوھاب ابن موسیٰ حدثنا مالک بن انس عن ابی الزناد عن ھشام بن عروۃ عن عائشہ قالت حج بنا رسول اللہ علیہ و سلم حجۃ الوداع فمر بی علی عقبۃ الحجون ثم انہ نزل فقال یا حمیرا استمسکی فاستندت الی جنب البعیر فمکث ملیا ثم عاد الی وھو فرح متبسم فقال ذھبت بقبر امی فسالت ربی ان یحییھا فاحیاھا فامنت بی و ردھا اللہ۔

(زرقانی جلد اول ص ۱۶۶۔ ۱۶۷)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج الوداع میں گئے۔ تو آپ مجھے عقبۃ الحجون کی طرف لے گئے پھر آپ سواری سے اترے۔ اور کہا اے حمیرا؟ ٹھہر جاؤ میں اونٹ کی ایک جانب ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ آپ تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر میری طرف ہنسی خوشی اور مسکراتے ہوئے تشریف لائے۔ فرمانے

گئے۔ میں اپنی والدہ کی قبر پہ حاضر ہوا، اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا کی
کہ انہیں زندہ کردے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا، وہ مجھ پر ایمان لائیں،
اور پھر اس جہان میں تشریف لے گئیں۔

اس حدیث کی مذکورہ سند پر بحث

زرقانی:

اخرج الدار قطنی هذا الحدیث من هذا الوجه
و قال باطل و ابن عساکر و قال منکر و هشام
لم یدرک عائشة فلعله سقط من کتابی
عن ابیه قال فی اللسان ثبت فی روایة
عن ابیه التی ظن انها سقطت فیه کما ظن
بشیر الی روایتی الطبری و ابن الشاهین
الثابت فیهما عن ابیه کما قدمنا و ذکره ابن
الجوزی فی الموضوع و لم یتکلم علی رجاله
و فی المیزان ان عمر بن ربیع کذاب و رده
فی اللسان بان الدار قطنی ضعفه فقط و قال
مسلمة بن قاسم تکلم فیه قوم و وثقه آخرون
و کان کثیر الحدیث و الکعبی قال الذهبی
لا یکاد یعرف و کانه تبع قول ابن عساکر مجهول
و رده فی اللسان بان الدار قطنی عرفه و سماه
علی بن احمد و بالباقی الکلام علی باقی رجاله فلا یتصور

کونہ موضوعا بل ھو ضعیف فقط۔

فتخلص ان الحدیث غیر موضوع قطعا لانہ لیس فی روایۃ من اجمع علی جرحہ فان مدارہ علی ابی غزیہ عن عبدالوہاب وقد وثق ومن فوقہ من مالک فصاعدا لا یسأل عنہم لجلالتھم والساقط بین ھشام و عائشہ ھو عروۃ کما ثبت فی طریق اخر وابو غزیہ قال فیہ الدار قطنی منکر الحدیث و ابن الجوزی مجہول و ترجمۃ ابن یونس ترجمۃ جیدۃ اخرجتہ عن حد الجہالۃ والکعبی اکثر ما قیل فیہ مجہول وقد عرف وعمر ابن الربیع نقل مسلمۃ توثیقہ عن آخرین وانہ کان کثیر الحدیث فھذا الطریق بھذا الاعتبار ضعیف لا موضوع علی مقتضی الصنعۃ فکیف ولہ متابع لجود منہ وھو طریق احمد الحضرمی عن ابی غزیہ۔

(زرقانی جلد اول ص ۱۶۷ تا ۱۶۸)

ترجمہ: دار قطنی نے اس حدیث کو اس وجہ سے ذکر کیا۔ اور کہا باطل ہے۔ ابن عساکر نے اسے روایت کیا۔ اور منکر کہا کیونکہ ہشام نے حضرت عائشہ کو نہیں پایا۔ ہو سکتا ہے کہ کتابت میں "عن ابیہ" کا لفظ ساقط ہو گیا ہو کیونکہ ابن حجر نے اللسان میں "عن ابیہ" کا لفظ ذکر کیا ہے لہذا جو ساقط ہوا وہ دوسری جگہ موجود ہے۔ اور یہ اشارہ اس روایت کی

طرف ہے۔ جسے طبری اور ابن شاہین نے ذکر کیا ہے۔ ان دونوں کی روایت میں "حق آبیہ"، موجود ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی اس کا ذکر کر چکے ہیں۔ ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوع حدیثوں میں ذکر کیا۔ لیکن اس کے رجال پر کوئی گفتگو نہیں کی۔ میزان میں ذہبی نے لکھا ہے کہ عمر بن ربیع کذاب ہے۔ اور ابن حجر نے اللسان میں اس کا رد کیا ہے کیونکہ دار قطنی نے اسے صرف ضعیف کہا ہے۔ اور مسلم بن ربیع نے کہا کہ لوگوں نے اس کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اور کچھ دوسرے حضرات نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے۔ یہ کثیر الحدیث تھا کعبی کے متعلق ذہبی کا کہنا ہے۔ کہ یہ معروف نہیں۔ گویا امام ذہبی نے ابن عساکر کے قول "مجہول"، کی اتباع میں اسے کہا ہے۔ اور ابن حجر نے اللسان میں اس کا رد کیا ہے۔ اور کہا کہ دار قطنی نے اس کو معروف کہا ہے۔ اور اس کا نام علی بن احمد بتایا ہے۔ باقی رجال پر بھی کلام آ رہا ہے۔ لہذا اس حدیث کے موضوع ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ وہ فقط ضعیف ہو سکتی ہے اور ابن الجوزیؒ جس طرح اس سند کے اعتبار سے اسے موضوع کہا ہے اس نے اسی طرح ابن شاہین کی روایت کو بھی موضوعات میں سے شمار کیا ہے۔ اور ابن الجوزی نے جو اس پر تنقید کی تو یہ کہتا ہے۔ کہ محمد بن زیاد نقاش ثقہ نہیں ہے۔ اور محمد بن یحیٰی اور احمد بن یحیٰی مجہول ہیں۔........

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ یہ حدیث بالکل موضوع نہیں ہے۔ کیونکہ اس روایت کی سند میں ایک بھی ایسا راوی نہیں۔ جس پر تمام محدثین نے باتفاق جرح کی ہو۔ اس حدیث کا دارومدار ابوغزیہ پر ہے۔ یہ عبدالوہاب سے روایت کرتا ہے۔ اور عبدالوہاب ثقہ ہے۔ اس سے مراد حسن قدر

رجال ہیں۔ ان کے بارے میں کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ وہ جلیل القدر راوی ہیں۔ اور ہشام اور سیدہ عائشہ صدیقہ کے درمیان جو راوی ساقط ہوا اس کا نام عروہ ہے۔ اس کی نشاندہی دوسری سند سے ملتی ہے۔
ابو غزیہ کے بارے میں دارقطنی نے منکر الحدیث کہا۔ لیکن ابن الجوزی نے مجہول کہا۔ لیکن ابن یونس نے اس کی ایسی ترجمانی کی جس سے اس کی جہالت ختم ہو گئی۔ اور کعبی کے بارے میں اکثر یہ کہا گیا ہے۔ کہ وہ مجہول ہے۔ یہ درست نہیں۔ بلکہ اس کی تعریف و شناخت مذکور ہے۔
اور عمر بن ربیع کے بارے میں مسلمہ نے دوسرے محدثین سے توثیق نقل کی ہے۔ اور یہ کہ یہ بکثرت احادیث روایت کرنے والا ہے
لہذا یہ حدیث اس اعتبار سے صرف ضعیف ہو سکتی ہے۔ موضوع نہیں اور اس فن (تنقید حدیث) کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہ موضوع ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ جبکہ اسی موضوع پر اور بھی احادیث موجود ہیں۔ جو اس کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط اور جید ہیں۔ اور وہ طریقہ اور سند احمد حضرمی کا ہے۔ جو ابو غزیہ سے ہی مراد ہے۔

خلاصہ:

مذکورہ روایت میں جہالت کی تین وجوہات ہیں۔ ۱۔ عمر بن ربیع ۲۔ کعبی ۳۔ ہشام اور عائشہ صدیقہ کے درمیان انقطاع۔ جرح میں ان تینوں جہالتوں کا جو صفایا کیا گیا۔ وہ آپ نے ملاحظہ کیا۔ عمر بن ربیع کو بعض محدثین کرام نے مجہول تسلیم نہیں کیا۔ لہذا ان کا بالاتفاق مجہول ہونا ثابت نہیں۔ اسی طرح کعبی بھی جہالت اور معرفت دونوں میں معروف ہے۔ اور تیسری بات انقطاع تو دوسری سند میں اس چھوڑے گئے راوی کا نام "عروہ" موجود ہونے کی بنا پر یہ انقطاع سبب خلل نہ رہا۔ جب

جرح اور تنقید کی یہ حالت سامنے آئی۔ تو امام زرقانی نے زبردستی نہیں بلکہ اس فن کے تقاضوں کے پیش نظر فیصلہ فرمایا۔ کہ زیادہ سے زیادہ اس حدیث کو ضعیف کہا جا سکتا ہے موضوع کا اس پر اطلاق بالکل نہیں ہوتا۔

ابن شاہین کی روایت کی سند ملاحظہ ہو

زرقانی:

رواہ ابوحفص بن شاہین حدثنا محمد بن حسین بن زیاد مولی الانصار حدثنا احمد ابن یحیی الحضرمی بمکۃ حدثنا ابوغزیہ محمد بن یحیی الزہری حدثنا عبد الوہاب بن موسی الزہری عن عبد الرحمن بن ابی الزناد عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ الخ۔

زرقانی جلد اوّل ص ۱۶۶ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

رجال روایت:

۱۔ محمد بن حسین بن زیاد۔ ۲۔ احمد بن یحییٰ الحضرمی ۳۔ ابو غزیہ محمد بن یحییٰ الزہری ۴۔ عبدالوہاب بن موسیٰ الزہری ۵۔ عبدالرحمٰن بن ابی الزناد ۶۔ ہشام بن عروہ ۷۔ عروہ ۸۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

مذکور سند پر غور وفکر:

خطیب بغدادی کے سند کے دو افراد عمر بن ربیع اور الکعبی اس سند میں موجود نہیں ہیں۔ یہی دو ایسے راوی تھے۔ کہ جن پر بعض حضرات کی جرح تھی۔

اور پھر تیسری قابل اعتراض بات "عن ابیہ" کے الفاظ اس سند میں صراحت سے مذکور ہیں۔ اس لیے خطیب کی روایت مجروح ہونے کی بنا پر یا مجہول رواۃ کے پیش نظر ضعیف تھی۔ یہ روایت جرح سے خالی اور جہالت رواۃ سے مبرا ہونے کی وجہ سے ضعف سے بھی نکل گئی۔ غیر ضعیف کو موضوع قرار دینا اس فن سے کس قدر زیادتی ہے۔ رہا ابن الجوزی کا اسے موضوعات میں لکھنا تو اس کو یوں سمجھا جائے۔ کہ جس طرح صحیح ابن ماجہ اور صحیح نسائی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کتب حدیث میں تمام احادیث صحیح نہیں بلکہ ضعیف بھی ہیں۔ اسی طرح کسی حدیث کا موضوعات میں لکھا جانا ضروری نہیں کہ واقعی موضوع ہو۔ بلکہ وہ صحیح بھی ہو سکتی ہے۔ اور ایسا ہے بھی۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا ہے کہ اس حدیث کو کسی ثقہ نے روایت نہیں کیا۔ اور ابن شاہین کی روایت میں مجاہیل پائے جاتے ہیں ذرا اس کا وزن علامہ زرقانی کی درج ذیل تحریر سے کریں۔

زرقانی:

ابو حفص ابن شاہین الحافظ الکبیر الامام المفید عمر بن احمد بن عثمان البغدادی الثقۃ المامون صنف ثلثمائۃ و ثلاثین مصنفا منھا التفسیر الکبیر الف جزء و المسند الف و ثلثمائۃ جزء مات فی ذی الحجۃ سنۃ خمس و ثمانین و ثلثمائۃ

(زرقانی جلد اول ص ۱۶۶)

ترجمہ: ابو حفص ابن شاہین الحافظ الکبیر المفید الثقہ المامون ہے۔ اس کی تین سو قسم کی تصنیفات ہیں۔ ان میں سے ایک تفسیر کبیر ہے۔ جو ایک ہزار اجزاء پر مشتمل ہے۔ ذی الحجہ ۳۸۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اس حوالہ سے معلوم ہوا۔ کہ ابن شاہین ثقہ ہیں۔ حافظ الحدیث ہیں

اور بہت محتاط شخص ہے۔ اب ابن تیمیہ کی بات کو کون تسلیم کرے گا۔ خلاصہ یہ کہ ابن شاہین کی روایت قابل حجت ہے۔

ماضی قریب کے ہندوستانی عالم رشید احمد گنگوہی کا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کفر کا فتویٰ

فتاویٰ رشیدیہ: سوال:

ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مسلمان تھے یا نہیں؟

جواب: حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے بارے میں اختلاف ہے امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالت کفر میں ہوا۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۱۰۰)

حقیقت حال:

رشید احمد گنگوہی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں جو فتویٰ دیا۔ وہ دراصل ابن تیمیہ کا عقیدہ ہی ہے۔ لیکن اپنی جان بچانے کے لیے ابن تیمیہ کی بجائے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت کر دی۔ چونکہ رشید احمد گنگوہی اپنے آپ کو حنفی کہلاتا ہے۔ اس نسبت کی بنا پر اس نے بزعم خود اپنے امام کا عقیدہ ذکر کر دیا۔ حالانکہ سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس عقیدہ کی نسبت کرنا درست نہیں۔ امام صاحب کی طرف اس کی نسبت کرنے کی وجہ دراصل "فقہ اکبر" ہے جو علم عقائد کی کتاب ہے۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف کے طور پر مشہور ہے۔ ہم شروع میں اس بات کی مفصل تحقیق پیش کر چکے ہیں۔ کہ "فقہ اکبر" نام کی کتاب ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔ اور ان دونوں کے مصنف "ابو حنیفہ" ہیں۔ لیکن ابو حنیفہ بھی دو شخصیات کی

یت ہوئی ہے۔ ایک ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو ائمہ اربعہ میں سے جلیل القدر امام ہوئے۔ اور امام اعظم کے لقب سے مشہور و معروف ہیں۔ دوسرے ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری ہیں۔ جب دونوں کتابوں کے نام بھی ایک دونوں کے مصنف کی کنیت بھی ایک۔ تو اب یہ معلوم کرنا پڑے گا۔ کہ کون سی کتاب کس ابو حنیفہ کی ہے۔

وہ فقہ اکبر جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے۔ اس کی روایت کا سلسلہ ابو مطیع بلخی پر ختم ہوتا ہے مکمل یہ سلسلہ یہ ہے۔

یحیی ابن مطرف عن ابی صالح محمد بن حسین عن ابی سعید سعدان بن محمد البستی عن الحسن علی بن احمد مروان فارسی عن ابی بکر بن یحیی عن ابی مطیع حکم بن عبد اللہ انہ سال عن ابی حنیفہ عن الفقہ الاکبر۔ (الحموية الكبرى ص ۸)

نوٹ:

ابن تیمیہ نے ”حموية الكبرى“ میں اور کشف الظنون کے مصنف نے اپنی ان تصانیف میں امام اعظم کی فقہ اکبر کی روایت کو ابو مطیع حکم بن عبد اللہ سے شروع کیا ہے۔

اس کے برخلاف فقہ اکبر جو ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف ہے۔ اس کا سلسلہ روایت ابو مطیع پر ختم ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ لہذا فقہ اکبر کے متداول اور مشہور نسخے جو آج کل ملتے ہیں۔ وہ اور ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی فقہ اکبر اور ہے۔ اب جبکہ فقہ اکبر نام کی دو کتابیں موجود ہیں۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ جس فقہ اکبر کی روایت ابو مطیع پر ختم ہوتی ہے۔ اور جو امام اعظم کی تصنیف ہے۔ اس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ”ماتا علی الكفر“ کے الفاظ ملتے ہیں؟ جیسا کہ گنگوہی نے کہا ہے

حقیقت یہ ہے۔ کہ امام اعظم کی تصنیف فقہ اکبر میں اس عقیدہ کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اس لیے گنگوہی
وغیرہ کا اسے امام اعظم کا عقیدہ بتانا اور وہ بھی فقہ اکبر کے حوالہ سے غلط ہے۔ دراصل یہ ان کا
ذاتی نظریہ ہے۔ جسے امام اعظم کی ذات کے حوالہ سے بیان کر کے عوام کو غلط فہمی دینا چاہتے
ہیں۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ موجودہ مشہور فقہ اکبر امام اعظم کی ہی تصنیف ہے
تو پھر بھی امام صاحب کی ذات اس اتہام سے بری ہے کیونکہ
فقہ اکبر کا وہ نسخہ جو ۱۳۲۱ھ میں حیدرآباد دکن سے چھپا۔ اس میں ان الفاظ کا نام تک نہیں۔
اور ابھی تازہ تازہ چھپنے والی فقہ اکبر جو قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی نے شائع کی اس میں بھی
یہ الفاظ موجود نہیں۔ علاوہ ازیں جن چند نسخوں میں یہ عبارت ہے۔ ما تا علی الکفر وہاں
یہ بھی الفاظ ہیں۔ ورسول اللہ مات علی الایمان یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین
کا کفر پر انتقال ہوا۔ اور رسول اللہ کا انتقال ایمان پر ہوا۔ اس آخری جملہ کو غور سے پڑھیں
یعنی "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان پر وصال ہوا" یہ ایسا جملہ ہے۔ جو عام آدمی بھی کہنے
کے لیے تیار نہیں۔ چہ جائیکہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اس کے قائل ہوں۔ اسی لیے تمام
ناقدین اور شارحین فقہ اکبر نے اس جملہ کو کسی کا اضافہ کہا ہے۔ اور جن کتابوں میں یہ جملہ ہے
انہی کتابوں میں "ما تا علی الکفر" کے الفاظ ملتے ہیں۔ اور جن میں یہ نہیں ان میں
بھی نہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ دونوں جملے کسی نے مخطوطہ میں داخل کر دیے ہیں۔ لہذا ان سے
امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ثابت کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ اس طرح رشید احمد
گنگوہی نے اپنا نظریہ جو ابن تیمیہ کی اقتدا میں تھا۔ اسے امام صاحب کی طرف منسوب کر کے
دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور گستاخی کی ہے
یہی چیز ایک اور دیوبندی نے بھی لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

☆

عبدالحی لکھنوی دیوبندی کے نزدیک حضورﷺ کے

والدین کو دوزخی کہنا بے ادبی اور گستاخی ہے

مجموعہ فتاوی عبدالحی۔ سوال:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان ثابت ہے کہ نہیں؟ اور جو شخص تقریرًا یا تحریرًا ان دونوں کی طرف کفر کی نسبت کرے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض ایمان بعد الاحیاء کے قائل ہیں، اور بعض احادیث احیاء کو موضوع کہتے ہیں۔ اور عدم ایمان کے قائل ہیں۔ اور چونکہ وہ ارباب فطرت میں سے ہیں۔ اس لیے ان کی نجات کے قائل ہیں۔ علامہ جلال الدین السیوطی نے اس بارے میں سات رسالے لکھے ہیں۔ اور بہت کوشش سے نبی پاکﷺ کے والدین کی نجات ثابت کی ہے۔ اور ملا علی قاری اور ابراہیم حلبی نے ان کے بعض رسائل کی رد لکھی ہے۔ مگر چونکہ اس بات میں دلائل متعارض ہیں۔ اس وجہ سے سکوت کرنا زیادہ اچھا ہے۔ اور حضور کے والدین کو کافر یا فی النار کہنا بڑی بے ادبی اور حضور کی اذیت کا سبب ہے۔ حموی شرح اشباہ میں لکھتے ہیں۔

فتاوٰی عبدالحی:

اعلموا ان السلف اختلفوا فی ابوی صلی اللہ علیہ وسلم هل ماتا علی الکفر ام لا فذهب الی الاول جمع منهم صاحب التیسیر وذهب الی الثانی جماعة ونفر

من الجمع الاول قالوا نجاتهما من النار و سئل القاضی ابو بکر ابن العربی احد الائمة المالکیة عن رجل قال ان ابا النبی فی النار فاجاب بانه ملعون لان الله تعالیٰ قال ان الذین یؤذون الله و رسوله لعنهم الله فی الدنیا و الآخرة ولا اذی اعظم من ان یقال عن ابیه انه فی النار و قال السهیلی فی الروض الانف لیس لنا نحن ان نقول ذالک فی ابویه بقوله لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات و الله تعالیٰ یقول ان الذین یؤذون الله و رسوله الخ و امرنا ان نمسک اللسان اذا ذکر اصحابه بشئی یرجع ذالک الی العیب فیهم فلان نمسک عن ابویه احق احری مجملة المرام فی هذه المسائله لیست من الاعتقادیات فلاحظ للقلب منها و اما اللسان فحقه الامساک عما یتبادر منه النقصان۔

(فتاوی عبد الحی جلد سوم ص ١٥٩-١٦٠ مطبوعہ سعید ایچ ، ایم کمپنی کراچی)

ترجمہ: سلف نے حضور کے والدین کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ کہ آیا وہ حالت کفر پر مرے ہیں یا نہیں۔ تو ایک گروہ جس میں سے صاحب تیسیر بھی ہیں۔ مذہب اول کی طرف اور دوسرا مذہب ثانی کی طرف گیا ہے۔ اور پہلے گروہ میں سے ایک جماعت نے کہا ہے۔ کہ ان کو جہنم سے نجات مل جائے گی۔ اور قاضی ابو بکر بن عربی سے جو ائمہ مالکیہ میں سے ایک ہیں

شخص کے متعلق پوچھا گیا جو یہ کہتا ہو کہ نبی پاک کے والدین جہنم میں جائیں گے تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ ایسا شخص معلون ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ خدا ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے۔ اور اس سے زائد کیا اذیت ہو سکتی ہے کہ آپ کے والدین کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔ سہیلی نے روض الانف میں کہا ہے۔ کہ ہم کو رسول اللہ کے والدین کے متعلق یہ نہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ زندوں کو مُردوں کی وجہ سے اذیت نہ پہنچاؤ۔ اور اللہ نے فرمایا ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں۔ اور ہمیں حکم ہے کہ حضور علیہ السلام کے صحابہ کے عیب سے اپنی زبان روکیں تو آپ کے والدین اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اعتقادیات کا نہیں اسے ملحوظ رکھنا چاہیئے اور زبان کو تنقیص سے روکنا چاہیئے۔ (فتاویٰ عبدالحی جلد سوم ص ۱۵۹ تا ۱۶۰)

اہلحدیث کے ایک جید عالم محمد ابراہیم سیالکوٹی کا عقیدہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مومن اور موحد تھے۔

سیرت المصطفیٰ:۔ آنحضرت کے والد ماجد حضرت عبداللہ

سابق گزر چکا ہے۔ کہ آنحضرت کے والد ماجد پاکدامنی اور طہارت نفس میں اپنے اسلاف کی صحیح یادگار تھے۔ اور یہ بھی کہ آپ اپنے والد ماجد حضرت عبدالمطلب کی زندگی ہی میں سترہ یا بقول بعض پچیس سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ اس لیے سوائے چند پاکیزہ اخلاقی واقعات کے کوئی یادگار نہ چھوڑ سکے۔ جس کا اثر قوم قریش کے دل پر ہمیشہ تک رہتا۔

اسی طرح آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون کے متعلق بھی گزر چکا ہے۔ کہ آپ عفت شعار کا پیکر تھیں۔ اور وہ بھی بیس برس کی عمر میں فوت ہوئیں۔ پس سوچنا چاہیئے۔ کہ

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں قدرت کی بخشش بے معنی نہیں تھی
اس میں سر قدرت یہی تھا۔ کہ ان کی مبارک پشت اور پاک شکم سے سید اولاد آدم پیدا
ہونے والا تھا۔ اگر اس طہارت نفس کے ہوتے ہوئے ان کے دل اور اعمال نجاست،
شرک و بت پرستی سے ملوث ہوں تو واللہ یہ جوڑ موزوں نہیں ہوگا۔ محض حسن ظنی کی بنا پر
نہیں بلکہ کسی شخص کی شخصیت اور اس پر قدرت کی خصوصی عنایت اور اس سے آئندہ ہمیشہ
کے لیے چشمۂ ہدایت و برکت جاری ہونے پر نظر کرتے ہوئے تصور کی صحت اور ذہنیت
کی درستی کی علامت ہے۔ اس تصور کی صحت کی توضیح یوں ہے۔ کہ آنحضرت کے والدین
کی اخلاقی پاکیزگی اور عملی طہارت ہر کہ ومہ کے نزدیک مسلم ہے۔ باقی رہا مذہبی طور پر
اعتقادی حالت سو اس کے لیے اگر کسی کے پاس کوئی ایسی شہادت موجود ہو۔ کہ
معاذ اللہ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا یا اس کے نام کی نذر و قربانی چڑھائی یا کسی بت
سے دعا ور التجا کی تو بے شک لاوے۔ لیکن ہم کمال وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایسی
شہادت کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکے گی پس کسی معین پاکباز اور صالح الاعمال شخص کے
متعلق اس کی بزرگی کے برخلاف کوئی ایسی رائے قائم کرنی جس کی تائید میں کوئی بھی دستاویز
نہ ہو۔ ہرگز ہرگز درست نہیں صحیح بخاری میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
کل مولود یولد علی الفطرۃ یعنی ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پس جب تک
اس کی ذمہ داری کی عمر میں اس کے برخلاف کفر و شرک کے عقائد و اعمال ثابت نہ ہوں
اسے کافر و مشرک نہیں کہہ سکتے۔ سنیئے قرآن شریف حضرت صدیقہ کے حق میں طوفان کھڑا
کرنے والوں کو ہدایت کرتا ہے۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ﳓ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ
(نور پ ۱۸)۔

تفسیر حقانی میں اس کی تفسیر میں جو لکھا ہے۔ ہم اسے بصورت ترجمہ نقل کرتے ہیں۔
جس وقت، تم اس بہتان کو اپنی زبانوں سے ایک دوسرے سے نقل در نقل
کرتے تھے۔ اور باطنی توہمات کے علاوہ اپنے منہ سے بھی صدیقہ بنت
صدیق اور خدا کے حبیب کی حبیبہ کے حق میں ایسی بات کہتے تھے۔ جس کا تم
کو کوئی بھی علم نہیں۔ اور خدائے تعالیٰ اس پر کس طرح جلد عتاب نہ کرے
حالانکہ تم اسے سہل سمجھتے ہو کہ اس پر کوئی عذاب و عتاب نہیں ہوگا۔ اور
حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ بات خدا کے نزدیک ایک عظیم امر ہے۔ کیونکہ خدا
کے رسول اور خدا کے دوستوں کے حق میں جرأت کرنا خدا تعالیٰ پر جرأت کرنے
کے مشابہ ہے۔ جو لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی طرف کفر و شرک
کی نسبت کرتے ہیں، ہم ان کے سامنے قرآن کی یہ نصیحت ان الفاظ میں پیش
کرتے ہیں۔ اسی بُری نسبت کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل نہ کرو۔ اور
محض اس وہم سے کہ وہ زمانہ جاہلیت میں ہوئے سید المرسلین صلوات اللہ
علیہم السلام کے طاہر مطہر والدین مکرمین کے حق میں ایسی بات اپنے منہ سے
نہ نکالو۔ جس کا تم کو علم نہیں۔ اور اسے ایسا سہل نہ سمجھو۔ کہ خدا تعالیٰ اس پر عتاب
نہیں کرے گا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات خدائے بزرگ کے نزدیک
بہت بڑی ہے۔ کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے والدین
کے حق میں جرأت کرنا خدا تعالیٰ پر جرأت کرنے کے مشابہ ہے۔ ایسا
نہ ہو کہ زبان کی درازی کی یہ کاٹ تم کو منہ کے بل گرائے۔ اور لینے کے
دینے پڑ جائیں۔ وہاں کسی قسم کی حجت بازی اور مناظرانہ مخاصمانہ
چرب زبانی و قابلیت کام نہیں آئے گی۔ پس احتیاط اسی میں ہے۔ کہ
کہ آپ تو خود ان کے کیریکٹر اور طہارت نفس پر اور پھر ان کے اسلاف

کی شرافت وعظمت اور مذہبی واخلاقی تقدس پر نظر کرکے یہ اعتقاد رکھیں۔ کہ آنحضرتؐ کے والدین اپنے بزرگوں کی طرح اپنے جد اعلیٰ حضرت خلیل اللہ کے دین پر تھے۔ کیونکہ ان کے برخلاف۔ شرک وبت پرستی ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔

قاضی ابوبکر بن عربی سے پوچھا گیا۔ کہ ایک شخص یہ کہتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے والدین دوزخ میں ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ وہ شخص ملعون ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "جو لوگ ایذا دیتے ہیں خدا اور اس کے رسول کو ان پر لعنت کی خدا نے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (احزاب پ۲۲)
اور رسول اللہ کے حق میں اس سے زیادہ کونسی ایذا ہے۔ کہ آپ کے والدین کو دوزخی کہا جائے۔

جماعت اہلحدیث کے گستاخ ہیرو جو اپنے مسلک کے مخالف علماء متقدمین ہوں یا متاخرین کو کوسنے میں خوب مشاق ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (الجرح علی ابی حنیفہ) یعنی مولوی ابوالقاسم صاحب بنارسی امام سیوطی سے بہت خفا ہیں۔ کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو اور دیگر آباؤ اجداد امجاد کے متعلق ایسے رسالے کیوں لکھے۔

جس روز کہ سید الثقلین کے والدین مکرمین کے متعلق مضمون لکھنے والا تھا۔ علی الصبح مطالعہ کتب کرنے کے بعد تازہ غسل کیا۔ وضو کیا۔ اور دو رکعت نماز طلب مغفرتؑ اور مدد کے لیے پڑھی۔ اور سجدوں اور التحیات میں شرح صدر کی دعائیں مانگیں۔ الحمد للہ کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے طمانیت بخشی اور اب میں پورے شلج خاطر سے مضمون لکھنے لگا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور اسے میرے لیے ذخیرہ عاقبت بنائے۔ اور قیامت کے روز اپنے حبیبؐ کی

صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جگہ دیدے۔ جن کے والدین کی عظمت و محبت سے اس نے میرا دل و دماغ معمور و پُر نور کر دیا ہے۔ وجدانی طور پر اس وقت دل میں اتنی کشادگی ہے۔ کہ گرد و پیش کی وسعتیں میرے سینے میں سمائی ہوئی ہیں۔ اور اوپر سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی شے نے مجھے زور سے دبایا ہوا ہے۔ اس لیے حضرات علماء سے التماس ہے۔ کہ جن کو اس امر میں اختلاف ہے۔ ہو۔ وہ ظاہری دلائل پر اکتفا نہ کرتے ہوئے مجاہدہ اور ریاضت سے بھی خدائے تعالیٰ سے شرح صدر کی دعائیں کریں۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ وَبِاللّٰهِ اعْتَصِمُوْا مَا يَعْصِمُوْا۔ (سیرت مصطفےٰ ص ۷۹ تا ۸۳)

غیر مقلد عالم محمد ابراہیم سیالکوٹی کے اقتباسات سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین کی بت پرستی یا شرک کے ثبوت میں کوئی ایک حوالہ بھی موجود نہیں ہے۔

۲۔ جب تک کسی کے کفر و شرک اور عقائد باطلہ کا ثبوت نہ ملے۔ بلوغ کے بعد کسی کو کافر و مشرک نہیں کہہ سکتے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر دوزخی ہونے کی جراءت کرنا درا صل اللہ تعالیٰ پر جراءت کرنا ہے۔

۴۔ اہل حدیث کے گستاخ امیر وعلامہ السیوطی سے صرف اس لیے ناراض ہیں۔ کہ انہوں نے حضور کے والدین کریمین کا ایمان دار ہونا ثابت کیا ہے۔

۵۔ والدین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان لکھنے کی وجہ سے محمد ابراہیم سیالکوٹی دست بدعا ہے کہ قیامت کو اس کی وجہ سے آپ کے جھنڈے کے نیچے جگہ مل جائے۔

۶۔ اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والے علماء کو ظاہری دلائل کے علاوہ مجاہدہ اور ریاضت سے بھی کام لینا چاہیے اور دعائیں کرنی چاہییں۔

۷۔ حضور کے والدین کو دوزخی کہنے والا ملعون ہے۔

لمحہ فکریہ:

اب تک جانبین سے جو سوال وجواب اور تنقید ہم پیش کر چکے ہیں، امید واثق ہے۔ کہ اگر کسی قاری کے ذہن میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بلکہ آپ کے سبھی آباؤ اجداد کے بارے میں کوئی خدشہ یا غلط فہمی ہوگی۔ تو بفضلہ تعالیٰ اس کے دفع و رفع کرنے کا ہم نے بہت سا سامان مہیا کر دیا ہے۔ اور نظر انصاف یہی فیصلہ دے گی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو خصوصاً کافر و مشرک کہنے سے ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خدشہ کے پیش نظر کل قیامت کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اس کے برخلاف اُن کے جنتی، مومن اور موحد ہونے کا عقیدہ باعث راحت و شفاعت مصطفےٰ ہوگا۔ علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو اسی ایک مسئلہ کی برکت سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۶ مرتبہ زیارت مشرفہ سے نوازا۔

☆

ذخیرۂ حدیث و قرآن سے چند مثالیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر اشارۃً دلالت کرتی ہیں

اب ہم آخر میں چند ایسی مثالیں پیش کر رہے ہیں۔ جن سے یہ ثابت شدہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگی۔ وہ یہ کہ آپ کے والدین کو دوزخی یا مشرک کہنے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء ہوتی ہے۔ اور ایذائے رسول کریم سخت ذلت و خواری کا موجب ہے۔

مثال اول: ابولہب کو جہنم میں نبی علیہ السلام کی ولادت کی خوشی کا فائدہ

زرقانی:

اعتقها ابو لهب حين بشرته بولادته عليه السلام.

.... وقد روى ابو لهب بعد موته فى النوم

والرائى له اخوه العباس بعد سنة من وفاة

ابى لهب بعد وقعة بدر ذكر السهيلى وغيره

فقيل له ما حالك؟ قال فى النار الا انه خفف

عنى بعض العذاب بسبب ما اسقاه من الماء كل

ليلة اثنين وذالك انى امص من بين اصبعى

هاتين ماء والظاهر انهما السبابة والابهام

وحكمة تخصيصهما اشارة لها بالعتق بهما.......

واشار ابو لهب الى تقليل ما سقاه براس اصبعه الى النقرة التى تحت

ابھامہ کما مر فی روایۃ عبد الرزاق قال ابن بطال یعنی ان اللہ سقاہ ماء فی مقدار نقرۃ ابھامہ لاجل عتقھا..... واشار الی ان ذالک باعتاقی ثویبہ حین بشرتہ بولادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارضاعھا... قال ابن الجزری فاذا کان ھذا الکافر الذی نزل القران بذمہ جوزی فی النار بفرحۃ ھو لیلۃ مولد وضع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ ای بالمولد فما حال المسلم الموحد من امتہ علیہ السلام حال کونہ یسر بمولدہ یبذل ماتصل الیہ قدرتہ فی محبتہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصدقات وھو استفھام تفخیم ای فحالہ بذالک امر عظیم وللہ در حافظ الشام شمس الدین محمد بن ناصر فی قولہ۔

اذا کان ھذا کافرا جاء ذمہ ؛ وتبت یداہ فی الجحیم مخلدا

اتی انہ فی الیوم الاثنین دائما

یخفف عنہ للسرور باحمدا

فالظن بالعبد الذی کان عمرہ ؛ باحمد مسرورا ومات موحدا

(۱۔ زرقانی جلد اوّل ص ۱۳۸) (۲۔ سیرت حلبیہ) (۳۔ تاریخ الخمیس جلد اوّل ص ۲۲۲)

ترجمہ: جب ابولہب کو اس کی لونڈی ثویبہ نے یہ خوش خبری دی۔ کہ حضرت عبداللہ کے ہاں صاحبزادہ پیدا ہوا ہے۔ تو ابولہب نے اس خوشی کے جواب میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ ابولہب کے مرنے کے ایک سال بعد اس کے بھائی جناب

عباس نے اسے خواب میں دیکھا۔ یہ بدر کے واقعہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اسے سہیلی وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ بہر حال جناب عباس نے پوچھا۔ کیا حال ہے کہنے لگا آگ میں ہوں۔ ہاں ہر سوموار کی رات تھوڑا سا پانی پیتا ہوں جس سے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جاتی ہے۔ اور یوں کرمیں اپنی ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی چوستا ہوں۔ بظاہر یہ دو انگلیاں ایک انگوٹھا اور دوسری شہادت کی انگلی تھی۔ اور ان دونوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے۔ کہ ابو لہب نے ثویبہ کو آزاد کرتے وقت ان دونوں سے آزادی کا اشارہ کیا تھا۔ ابولہب نے پانی کی تھوڑی مقدار کے لیے انگوٹھے کے اس حصّہ کی طرف اشارہ کیا۔ جو چمڑے اور گوشت والا حصّہ انگوٹھے کے نیچے ہوتا ہے جیسا کہ محدث عبدالرزاق کی روایت میں گزرا ہے۔ ابن بطال کہتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر پانی ابولہب کو پلایا کیونکہ اس نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا .... ابن الجوزی کہتا ہے۔ کہ جب ایک کافر جو نص قرآنی سے جہنمی ہے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک کی رات کو خوشی منانے کا یہ صلہ ملا۔ آپ کی امت میں سے ایک مومن موحد کا کیا حال ہو گا۔ جو حضور صلی اللہ کی پیدائش مبارکہ اور محبت مصطفےٰ میں اپنی بساط و قدرت کے مطابق جو طے خرچ کرتا ہے۔ یعنی اس کا عظیم الشان حال ہے۔ حافظ شمس الدین محمد بن ناصر نے اپنے اشعار میں کیا خوب کہا۔

جب یہ کافر جس کے بارے میں تبت یدا۔ الخ آیت اتری ہے۔ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے۔ اس کے بارے میں آیا ہے۔ کہ پیر کے دن ہمیشہ تک اس سے عذاب کی تخفیف کر دی گئی۔ کیونکہ اس نے احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی کی تھی۔ تو اس غلام مصطفےٰ کے بارے

میں کیا ممن ہے۔ جو عمر بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک کی خوشیاں مناتا ہے اور جب دنیا سے جاتا ہے۔ تو توحید و ایمان پر قائم رہتے ہوئے جاتا ہے۔

لمحہ فکریہ:

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرما دیا ہے۔ کہ کافر کو اس کے کسی عمل کی جزا قیامت میں نہیں دی جائے گی۔ تو اس کے بالکل خلاف اللہ تعالیٰ نے ابولہب کو ایک مخصوص وقت کے لیے دوزخ میں رہتے ہوئے خوشی عطا فرمائی۔ یہ اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک پر خوشی سے اپنی لونڈی آزاد کر دی تھی۔ تو وہ والدین کہ جنھوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت عجائبات قدرت کا نظارہ کیا۔ جن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار تھا۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جسمانی ایسا تعلق تھا۔ جو کسی کو میسر نہیں۔ تو ان کے درجات و مراتب کا کوئی ادراک رکھتا ہے؟

مثال دوم: کسی نبی کی والدہ کافرہ نہیں ہوئی:

مسالك الحنفاء:

ثم انی استقرأت امهات الانبياء عليهم السلام فوجدتهن مومنات فام اسحاق وموسى وهارون وعيسى وحواء ام شيث مذكورات في القران بل قيل بنبوتهن و وردت الاحاديث بايمان هاجر ام اسماعيل وام يعقوب وامهات اولاده وام داؤد وسليمان وزكريا ويحيى وشمويل وشمعون وذي الكفل ونص بعض

بعض المفسرین علی ایمان ام نوح وام ابراهیم ورجحه
ابن حبان فی تفسیره وقد تقدم عن ابن عباس
انه لم یکن بین نوح وآدم ولد کافر ولهذا
قال رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمنا
وقال ابراهیم رب اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین
یوم یقوم الحساب ولم یعتذر عن استغفار
ابراهیم فی القرآن الا لابیه خاصة دون امه
فدل علی انها کانت مؤمنة واخرج الحاکم
فی المستدرک وصححه عن ابن عباس قال
کانت الانبیاء من بنی اسرائیل الا عشرة نوح
وهود وصالح ولوط وشعیب وابراهیم واسماعیل
واسحاق ویعقوب ومحمد علیهم السلام وبنو
اسماعیل کلهم کانوا مومنین لم یکن فیهم
کافر الی ان بعث عیسی فکفر به من کفر فامهات
الانبیاء الذین من بنی اسرائیل کلهم مومنات
وایضا فغالب بنی اسرائیل کانوا اولاد الانبیاء
واولادهم فان النبوة تکون فی سبط منهم
یتناسلون کما هو معروف فی اخبارهم
واما العشرة المذکورون من غیر بنی اسرائیل
فقد ثبت ایمان ام نوح وابراهیم واسماعیل
واسحاق وبقی ام هود وصالح ولوط وشعیب

یحتاج الی نقل او دلیل والظاهر ان شاء الله تعالی
ایمانهن فکذالك ام النبی صلی الله علیه وسلم
کان السر فی ذالك مایرینه من النور ورد
فی الحدیث اخرج احمد والبزار والطبرانی
فی الحاکم والبیهقی عن العرباض بن ساریه ان
رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انی عند الله
لخاتم النبیین وان ادم لمنجدل فی طینه وساخبر
کم عن ذالك دعوة ابراهیم وبشارة عیسی
ورؤیا امی التی رأت وکذالك امهات النبیین
یرین وام رسول الله صلی الله علیه وسلم
رأت حین وضعته نورا اضاءت له قصور
الشام ولا شك ان الذی رأته ام النبی صلی الله
علیه وسلم فی حال حملها به وولادتها له من
الآیات اکثر واعظم مما رأته سائر امهات الانبیاء (مسالک الحنفاء ۳۸-۳۹)

ترجمہ: پھر میں نے تمام انبیاء کرام کی ماؤں کے بارے میں غور و فکر کیا۔ تو وہ
سب مجھے مومنہ نظر آئیں۔ حضرت اسحاق، موسیٰ، ہارون، عیسیٰ اور جناب
شیث کی والدہ حوا کا ذکر تو قرآن کریم میں ہے۔ بلکہ ان کی نبوت کا قول بھی
کیا گیا ہے۔ اور احادیث ان کے بارے میں وارد ہیں۔ کہ حضرت اسماعیل،
یعقوب اور ان کی اولاد، داؤد، سلیمان، زکریا، یحییٰ، شمویل، شمعون
اور ذی الکفل کی مائیں ایمان دار تھیں۔ اور بعض مفسرین نے نوح اور ابراہیم کی والدہ کے ایمان پر نص فرمائی
اور ابن حبان نے اپنی تفسیر میں اسی کو ترجیح دی۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت کو ترجیح دی ہے

کے درمیان کوئی شخص کافر نہیں ہوا۔ اسی لیے حضرت نوح نے دعا کی۔ اے میرے پروردگار! مجھے بخش میرے والدین کو بخش اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن داخل ہو اُسے بخش۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی۔ اے میرے پروردگار! مجھے بخش اور میرے والدین کو اور تمام مومنوں کو قیامت کے دن بخش دے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی استغفار کے جواب میں صرف ان کے باپ کے بارے میں رہ گیا۔ والدہ کا کوئی ذکر نہ آیا۔ تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ آپ کی والدہ مومنہ تھیں۔ حاکم نے مستدرک میں بیان کیا۔ اور اس کی تصحیح بھی کی۔ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ دس پیغمبروں کے سوا تمام پیغمبر بنی اسرائیل سے ہوئے۔ وہ دس یہ ہیں۔ نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور محمد مصطفےٰ علیہم السلام۔ اور بنی اسرائیل تمام مومن تھے۔ ان میں عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک کوئی کافر نہیں ہوا۔ ان کی بعثت کے بعد جو کافر ہوا ہو گیا۔ لہذا بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کی مائیں بھی مومنہ ثابت ہوگئیں۔ اور یہ بھی کہ بنی اسرائیل غالباً انبیاء کرام کی اولاد ہوئے۔ کیونکہ نبوت ان کے قبائل میں ہی رہی۔ اور پھر ان کی نسل پھیلتی رہی۔ جیسا کہ اسرائیلیات میں معروف ہے۔ اور بقیہ دس پیغمبر جو بنی اسرائیل میں سے نہیں ہوئے۔ تو اُن میں سے حضرت نوح، ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کی ماؤں کا ایمان ثابت ہے۔ باقی رہیں حضرت ہود، صالح لوط اور شعیب علیہم السلام کی مائیں تو ان کا ایمان کسی نقل یا دلیل کا محتاج ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ یہ سب مومنہ تھیں۔ تو اسی طرح سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ بھی مومنہ ہیں۔ اس میں لازم تھا کہ اُن میں سے ہر ایک نے نورِ نبوت دیکھا تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔ جسے امام احمد

البزاز، طبرانی اور بیہقی نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین تھا
اور بے شک آدم علیہ السلام ابھی اُن کا خمیر گوندھا جا رہا ہے۔ اور میں عنقریب
اس کی خبر دوں گا۔ میں دعائے ابراہیم اور بشارت عیسیٰ ہوں۔ اور اپنی والدہ
کا وُہ خواب ہوں۔ جو انہوں نے دیکھا تھا۔ اسی طرح تمام پیغمبروں کی مائیں
دیکھتی آئی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ کی ولادت
باسعادت کے وقت نور دیکھا تھا۔ جس کی چمک سے شام کے محلات
روشن ہو گئے تھے۔ اور بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے
دوران حمل اور بوقت ولادت جو خوارق عادت اور نشانیاں دیکھیں۔
وہ اُن نشانیوں سے کہیں بڑھ کر عظیم تھیں۔ جو دوسرے پیغمبروں کی مائیں
دیکھتی رہیں۔

مثال سوم:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافرہ کا دودھ نوش نہیں فرمایا

سیرتِ حلبیہ:

وذکر بعضهم انه صلی الله علیه وسلم لم ترضعه
مرضعة الا اسلمت لکن هذا البعض قال و
مرضعاته صلی الله علیه وسلم اربع - امه
وحلیمة السعدیه وثویبه وام ایمن ایضاً.
(سیرت حلبیہ جلد اوّل ص ۱۷۱)

ترجمہ: بعض علماء نے ذکر کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس عورت نے بھی دودھ پلایا، وہ مسلمان تھی۔ لیکن ان بعض کا کہنا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ پلانے والی عورتیں چار تھیں۔ آپ کی والدہ، حلیمہ سعدیہ، ثویبہ اور ام ایمن۔

توضیح:

جب یہ بات واضح ہے۔ کہ جس عورت کو بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دولت ایمان عطا فرمائی۔ تو پھر اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ ان میں سے جو صرف دودھ پلانے والی بلکہ حقیقی والدہ اس دولت سے محروم رہیں۔ اور دوسری جنتی اور یہ (معاذ اللہ) دوزخی؟

مثال چہارم

تابوت سکینہ کو فرشتے زمین و آسمان کے درمیان اٹھاتے تھے

قرآن حکیم میں دوسرے پارہ کے چوتھے ربع آیت ۲۴۸ میں اللہ تعالیٰ نے تابوت سکینہ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔

ترجمہ: ان سے ان کے نبی نے فرمایا۔ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے۔ کہ

آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے۔ اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی۔ اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے۔ تمہارے لیے اگر ایمان رکھتے ہو۔

تابوت سکینہ کی عظمت و شان

تفسیر مظہری:۔

فَقِيْلَ اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ تَابُوْتًا عَلٰى اٰدَمَ فِيْهِ صُوَرُ الْاَنْبِيَاءِ فَكَانَ عِنْدَ اٰدَمَ ثُمَّ كَانَ عِنْدَ شِيْثٍ وَ تَوَارَثَهُ الْاَنْبِيَاءُ حَتّٰى وَصَلَ اِلٰى مُوْسٰى فَكَانَ مُوْسٰى يَضَعُ فِيْهِ التَّوْرَاةَ وَ شَيْئًا مِنْ مَتَاعِهٖ فَاِذَا مَاتَ مُوْسٰى تَدَاوَلَتْهُ اَنْبِيَاءُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ۔ وَ قِيْلَ كَانَ صُنْدُوْقًا لِلتَّوْرَاةِ فَكَانُوْا اِذَا حَضَرَ الْقِتَالُ قَدَّمُوْهُ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ يَسْتَفْتِحُوْنَ بِهٖ عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاِذَا سَارَ التَّابُوْتُ سَارُوْا وَ اِذَا وَقَفَ وَقَفُوْا۔

(تفسیر مظہری پارہ دوم ص ۳۲۲)

ترجمہ: کہا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک تابوت حضرت آدم علیہ السلام پر اتارا جس میں انبیائے کرام کی صورتیں تھیں۔ یہ آدم علیہ السلام کے پاس رہا پھر حضرت شیث علیہ السلام کے پاس آیا۔ اور اسی طرح یکے بعد دیگرے مختلف انبیائے کرام اس کے وارث بنتے آئے۔ یہاں تک کہ حضرت

حضرت موسیٰ علیہ السلام تک آن پہنچا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی میں توراۃ اور کچھ اپنا سامان رکھا کرتے تھے جب آپ کا وصال ہوا تو بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کے ہاتھوں میں آگیا...... یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ یہ تابوت دراصل توراۃ رکھنے کے لیے ایک صندوق تھا۔ تو لوگوں کا یہ طریقہ تھا۔ کہ جب کسی سے لڑائی ہوتی تو اس صندوق کو سامنے رکھ کر اس کی طفیل اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمن پر فتح طلب کرتے تھے۔

تفسیر مظہری:

قِيْلَ كَانَ فِيْهِ لَوْحَانِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَرِضَاضُ الْاَلْوَاحِ الَّتِيْ تَكَسَّرَتْ وَعَصَاءُ مُوْسٰى وَنَعْلَاهُ وَعِمَامَةُ هَارُوْنَ وَعَصَاهُ۔

(تفسیر مظہری پارہ دوم ص ۳۲۲)

ترجمہ: کہا گیا ہے۔ کہ اس تابوت میں تورات کی دو تختیاں اور کچھ ان تختیوں کے ٹکڑے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نعلین اس میں تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی اور عصا بھی اس میں تھا۔

تابوت کی توہین کرنے والے ہلاک ہو گئے۔

روح المعانی:

وَكَانَ مِنْ عُوْدِ الشَّمْشَادِ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثَةِ اَذْرُعٍ فِيْ ذِرَاعَيْنِ وَلَمْ يَزَلْ يَنْتَقِلُ مِنْ كَرِيْمٍ اِلٰى كَرِيْمٍ حَتّٰى وَصَلَ اِلٰى يَعْقُوْبَ ثُمَّ اِلٰى بَنِيْهِ ثُمَّ وَثُمَّ اِلٰى اَنْ فَسَدَ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ وَعَصَوْا بَعْدَ مُوْسٰى

عَلَيْهِ السَّلَام فَسَلَّطَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْعَمَالِقَةَ فَاَخَذُوْهُ مِنْهُمْ فَجَعَلُوْهُ فِيْ مَوْضِعِ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يُمَلِّكَ طَالُوْتَ سَلَّطَ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءَ حَتّٰى اِنَّ كُلَّ مَنْ اَحْدَثَ عِنْدَهٗ اُبْتُلِيَ بِالْبَوَاسِيْرِ وَهَلَكَتْ مِنْ بِلَادِهِمْ خَمْسُ مَدَائِنَ فَعَلِمُوْا اَنَّ ذَالِكَ بِسَبَبِ اِسْتِهَانَتِهِمْ بِهٖ۔

روح المعانی جلد دوم ص ۱۶۸)

ترجمہ: تابوت ساگوان کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا۔ اور ایک کریم سے دوسرے کریم کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت یعقوب علیہ السلام پاس آگیا۔ پھر آگے پھر آگے چلتا رہا یہاں تک کہ بنی اسرائیل فسادی ہو گئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد نافرمان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر عمالقہ کو مسلط کر دیا۔ انہوں نے بنی اسرائیل سے تابوت لیا اور بول و براز کی جگہ اسے رکھ دیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بادشاہ بنانے کا ارادہ فرمایا۔ تو اُن پر مصیبت مسلط کر دی۔ یہاں تک کہ ہر وہ شخص جو تابوت کے پاس بول و براز پھرتا اسے بواسیر ہو جاتی۔ ان کی بستیوں میں سے پانچ بالکل ہلاک ہو گئیں۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ یہ آزمائش اس وجہ سے ہے۔ کہ انہوں نے تابوت کی بے عزتی کی ہے

لمحہ فکریہ:

تابوت سکینہ اور اس میں رکھے گئے تبرکات کی اہانت کرنے والوں کا انجام آپ نے تفاسیر کے حوالہ جات سے ملاحظہ کیا۔ مختصر یہ کہ اس صندوق میں دو پیغمبروں کی مختلف اشیاء تھیں۔ پگڑی اس لیے کہ وہ ہارون علیہ السلام کے سر انور کو چھو

کی تھی نعلین نے موسیٰ علیہ السلام کی قدم بوسی کی ہوئی تھی ۔عصا نے بھی موسیٰ و ہارون کی دست بوسی کی تھی ۔اس وجہ سے یہ تبرکات جس صندوق میں تھے وہ بابرکت ہو گیا۔ اور اس کے وسیلہ سے دشمن پر فتح کی دعا کی جاتی تھی ۔فرشتے اُسے آسمانوں پر اٹھاتے پھرتے تھے ۔اور جب اس کی اہانت کی گئی تو بستیوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ایک طرف یہ تبرکات اور ان کی شان اور دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے لگنے والی کوئی چیز نہیں بلکہ خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس نو ماہ تک اپنی والدہ گرامی کے شکم اطہر میں جلوہ فرما رہے ۔اسی والدہ مکرمہ محترمہ کے بابرکت اور خوش قسمت ہونے میں شک کیسے کیا جا سکتا ہے ۔لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوہ فرما ہونے کی برکت سے آپ کی والدہ بابرکت ہوئیں ۔انہیں کافرہ یا مشرکہ کہنے والے یہ سوچ لیں ۔کہ تابوت سکینہ کی اہانت کرنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔اسی طرح اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو کافرہ یا مشرکہ کہہ کر جو لوگ توہین کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ان کے ایمان کا حال خدا ہی بہتر جانے ۔اور قیامت میں اُن کی بربادی کیسی ہو گی ؟ یہ وہاں ہی جا کر پتہ چلے گا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مثال پنجم:

قمیص یوسف علیہ السلام کی برکت سے حضرت یعقوب کی بینائی واپس آگئی۔

القرآن الکریم:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۔

(یوسف آیت ۹۳ تا ۹۶)

ترجمہ: میرا یہ کرتا لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور اپنے سب گھر بھر کو میرے پاس لے آؤ۔ جب قافلہ مصر سے جدا ہوا یہاں ان کے باپ نے کہا بے شک میں یوسف کی بو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھ گیا ہے۔ بیٹوں نے کہا خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی وارفتگی میں ہیں۔ پھر جب خوشی سنانے والا آیا۔ اس نے وہ کرتا یعقوب کے منہ پر ڈالا۔ اسی وقت اس کی آنکھیں

پھرائیں۔

توضیح:

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص اور اس کی اثر انگیزی کا واقعہ کسی عام کتاب ذکر نہیں کیا گیا۔ بلکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسے بیان فرما کر اس کی پختگی اور حقانیت پر مہر ثبت فرما دی۔ اس واقعہ سے کئی ایک امور ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن جس مقصد کے پیش نظر ہم نے یہ واقعہ ذکر کیا۔ اس کا اس سے تعلق یوں ہے۔ کہ ایک بے جان چیز جس کا مختصر وقت کے لیے تعلق ایک پیغمبر کے جسم اقدس کے ساتھ ہو گیا۔ اُسے اللہ تعالیٰ نے اتنا بابرکت بنا دیا۔ کہ گئی ہوئی بینائی اس کی وجہ سے واپس آگئی۔ اس میں آجانے والی خوشبو کو اللہ کا پیغمبر کوسوں دور سے محسوس کر رہا ہے۔ جب ایک بے جان کپڑے کو پیغمبر کے جسم کے ساتھ لگنے سے یہ کرامت و سعادت حاصل ہو گئی۔ تو اس جسم اطہر کی برکتوں اور کرامتوں کا شمار کیا ہو سکتا ہے جس میں سید الانبیاء محبوب کبریا جناب رحمۃ اللعٰلمین زیادہ تک مسلسل قیام فرما رہے۔ اس شکم اطہر کو اگر عرش معلی پر فوقیت دیں۔ تو کوئی عجیب بات نہ ہو گی۔ اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے حضرات علماء کرام کے اُن اقوال کو دیکھئے۔ جن میں یہ بحث کی گئی ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقد پاک عرش معلی اور کعبہ مکرمہ سے افضل ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مثال ششم:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون شریف چوسنے سے مالک بن سنان پر آگ حرام ہو گئی

نسیم الریاض:

وَقَوْلُهٗ اَیْ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم لِمَالِكٍ لَنْ تُصِیْبَهُ النَّارُ كِنَایَةٌ عَنْ فَوْزِهٖ بِنَعِیْمِ الْجِنَانِ وَفِیْ رِوَایَةٍ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مَنْ خَالَطَ دَمَهٗ دَمِیْ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ۔

(نسیم الریاض جلد اول ص ۳۵۹ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جناب مالک بن سنان کو فرمانا کہ اُسے ہرگز آگ نہیں چھوئے گی۔ یہ ان کے لیے جنتی نعمتوں کے حصول میں کامیابی کی طرف کنایہ ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ جو یہ خوشی چاہتا ہے۔ کہ اس شخص کو دیکھے۔ کہ جس کا اور میرا خون باہم مل گئے۔ وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔

توضیح:

حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کے خون شریف کو نوش کر لیا۔ جس پر انہیں بارگاہِ رسالت سے یہ مژدہ ملا کہ تمہیں دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی۔ اس مقام پر علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی۔ من مس دمه دمي لم يصبه النار ذنب وهكذا من مازج به نه شيا منه۔ جس کے خون سے میرا خون مل گیا۔ اس میں گناہ نہیں رکھتے۔ اور اسی طرح جس کے بدن کے ساتھ آپ کی کسی چیز کا اختلاط ہو گیا۔ وہ بھی گناہوں سے دور رہے گا۔ آپ کے خون کا کچھ حصہ یا آپ کے جسم اطہر میں سے کوئی چیز کسی دوسرے کے جسم میں مل جائے۔ تو دوزخ حرام لیکن جس کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سارے مَس رہے۔ اور جن کا خون سیدہ آمنہ کا ہی خون ہے۔ کیونکہ اولاد در اصل ماں باپ کے جسم کا ٹکڑا ہی ہوتی ہے۔ تو اس اعتبار سے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ کس قدر ارفع و اعلیٰ ہوگا۔ لہٰذا ان کا دوزخ کہنے والا در اصل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

زرقانی:

ان مالک هو ابن سنان والد ابي سعيد الخدري لما جرح النبي صلى الله عليه وسلم ——— في وجهه يوم احد مص جرحه حتى انقاه بنون وقاف ولاح ظهر بعض المص محل الجرح ابيض فقال مجه فقال والله وفي نسخة لا والله لا امجه ابدا ثم ازدرده ابتلعه فقال النبي صلى الله عليه وسلم من اراد ان ينظر الى رجل من اهل الجنة فلينظر الى هذا فاستشهد۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۲۳۰)

ترجمہ: حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ جو ابو سعید خدری کے والد ماجد ہیں۔

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور میں یوم احد زخم آیا۔ تو انہوں نے وہ زخم چوس لیا۔ یہاں تک کر وہ جگہ سے صاف ہو گئی اور زخم پر سے سفیدی ظاہر ہو گئی تو آپ نے فرمایا کلی کر۔ عرض کیا خدا کی قسم میں کلی نہیں کرونگا پھر اس خون کو انہوں نے نگل لیا۔ اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو چاہتا ہو کہ ایسا شخص دیکھے۔ جو جنتیوں میں سے ہے۔ تو وہ اس (مالک بن سنان) کو دیکھے۔ اور وہ شہید ہوئے۔

توضیح:

گزشتہ حوالہ کی روشنی میں حضرت مالک بن سنان کے بارے میں سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آپ نے پڑھا۔ کہ اسے دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ اس سے وہم ہو سکتا ہے۔ کہ شاید وہ دوزخ کی بجائے اعراف میں رہیں گے۔ کیونکہ اعراف کے رہنے والوں کے لیے وہی جگہ جنت ہے۔ تو اس وہم کے پیش نظر ہم نے یہ روایت ذکر کی۔ تاکہ واضح ہو جائے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالیہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ یقیناً جنت میں جائیں گے۔ اور وہاں انہیں نعمتیں عطا ہوں گی۔ بہرحال حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کے جسم میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا خون سرایت کر گیا تو ان پر دوزخ حرام ہو گئی اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون شریف جن کا خون ہو۔ لوگ انہیں دوزخی کہتے ہوئے۔ ایذائے رسول کا خوف نہیں کھاتے۔ اور ایسے واقعات انکی نگاہوں میں نہیں پھرتے؟

صحابہ کرام کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ کے بارے میں عقیدہ

زرقانی:

واخرج البزار والطبرانی والحاکم والبیہقی وابو نعیم فی الحلیۃ من حدیث عامر بن عبد اللہ بن زبیر الاسدی ابی الحرث المدنی التابعی الثقہ العابد مات سنۃ عشرین ومائۃ وی الہ سنۃ عن ابیہ قال احتجم رسول اللہ فاعطانی الدم بعد فراغہ من الحجامۃ وقال اذھب یا عبد اللہ فغیبہ وفی روایۃ اذھب بھذا الدم فتوارہ حیث لا یراہ احد فذھبت فشربتہ ثم اتیتہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما صنعت ای بالدم قلت غیبتہ قال لعلک شربتہ قلت شربتہ......... وفی روایۃ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما حملک علی ذالک قال علمت ان دمک لا تصیبہ نار جہنم فشربتہ لذالک......... ولفظ الدارقطنی فی السنن عن اسماء قالت احتجم صلی اللہ علیہ وسلم

فدفع دمه لابنی فشربه فاتاه جبرئیل فاخبره فقال ماصنعت قال کرهت ان اصب دمك فقال صلی الله علیه وسلم لا تمسك النار ومسح علی راسه وقال ویل للناس منك .... وفی کتاب الجواهر المکنون فی ذکر القبائل والبطون انه ای ابن الزبیر لما شرب دمه صلی الله علیه وسلم تضوع ای فاح فمه مسکا تمین قال الجوهری وضاع المسك وتضوع وتضیع ای تحرك فانتشرت رائحته قال وتضیع المسك لغة فی تضوع ای فاح وبقیت رائحته موجودة فی فمه الی ان صلب۔

(زرقانی جلد چہارم ص ۲۳۰-۲۳۱)

ترجمہ: بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی اور حلیہ میں ابونعیم نے روایت بیان کی۔ کہ عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو تابعی اور ثقہ ہیں اور جن سے صحاح ستہ میں احادیث روایت کی گئیں۔ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگی لگوائی۔ تو مجھے اس میں سے نکلا ہوا خون عطا فرما دیا۔ اور فرمایا۔ اے عبداللہ! اسے کہیں غائب کر دو۔ ایک روایت میں ہے۔ فرمایا۔ یہ خون لے جاؤ۔ اور کہیں اسے چھپا دو جہاں کسی کی نظر نہ پڑے۔ میں اسے لے گیا۔ اور جاکر اسے پی لیا۔ پھر جب سرکار کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوا۔ تو پوچھا۔ اسے کیا کیا؟

میں نے عرض کی۔ حضور! غائب کر دیا ہے۔ فرمایا۔ شائد تو نے اسے پی لیا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا۔ کہ تجھے ایسے کرنے پر کس بات نے ابھارا۔ عرض کی کہ مجھے یہ علم تھا۔ کہ آپ کے خون کو جہنم کی آگ چھو تک نہیں سکتی۔ میں نے اس بنا پر اسے پی لیا......... دار قطنی نے سنن میں حضرت اسماء سے یوں روایت لکھی ہے۔ فرماتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگی لگوائی تو آپ نے اس سے نکلا خون میرے بیٹے کو عطا فرمایا۔ اس نے وہ پی لیا۔ اُدھر جبرئیل علیہ السلام بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ اور اس کی خبر دے دی۔ تو آپ نے پوچھا۔ تو نے میرے خون کے ساتھ کیا کیا۔؟ عرض کی۔ میں نے اسے اچھا نہ سمجھا۔ کہ آپ کے خون شریف کو کہیں پھینک دوں۔ (اس لیے پی لیا) اس پر آپ نے فرمایا۔ تجھے دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ لوگ تیرا رشک کیا کریں گے۔ الجواہر المکنون کتاب میں مذکور ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون شریف پی لیا۔ تو ان کے منہ سے مشک کے بھبھوکے نکلتے تھے۔ اور یہ خوشبو ان کے منہ میں اُن کے سُولی دیئے جانے تک موجود رہی۔

لمحہ فکریہ:

حضرت عبداللہ ابن زبیر نے خونِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نوش کر لیا تو دنیا میں یہ فیض ملا۔ کہ مرنے تک منہ سے خوشبو نہ گئی۔ اور اخروی یہ فائدہ کہ جہنم کی آگ حرام ہو گئی۔ اس سے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہ کی کیفیت کا اندازہ لگائیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کا ہی ٹکڑا ہیں۔ جس ٹکڑے کے ٹکڑے میں یہ فیض

فیض و برکت اور گل اور اصل کے بارے میں جنتی کا قول کرنے میں شرم آئے؟ اسی جزو کل کا مشاہدہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد لوگوں نے دیکھا۔ وہ اسی طرح کہ جب موجودہ سعودی حکومت نے سڑک کو کشادہ کرنے کے لیے زمین کی کھدوائی کی۔ تو اس جگہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قبر تھی۔ جب قبر سے مٹی ہٹائی گئی۔ تو آپ کے والد ماجد کی میت اور اس کا کفن بالکل ایسا تازہ تھا۔ کہ ابھی کسی نے دفن کیا ہو۔ یہ اس لیے کہ آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں۔ اس سے آپ کی والدہ ماجدہ کا حال معلوم کر سکتے ہیں۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

مثال ہفتم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ میں استعمال شدہ ڈھیلوں میں خوشبو ہوتی تھی

زرقانی:

و فی الشفاء لابن السبع عن بعض اصحابه قال صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فلما اراد قضاء الحاجة تاملته و قد دخل مکانا فقضی حاجته فدخلت موضع الذی خرج منه فما اثر له اثر غائط و لا بول

رایت فی ذالک الموضع ثلاثة احجار فاخذتهن
فوجدت لهن رائحة طیبة وعطرا بکسر
العین طیبا معطوف علی لهن لا علی رائحة
فالمعنی وجدتهن عطرا ای کالعطر مبالغة
کان عینهن انقلبت من الحجریة الی العطریة
و بدل ذالک ان بقیة ذالخبر کما فی التلمسانی
فکنت اذا جئت یوم الجمعة المسجد اخذ
تهن فی کمی فتغلب رائحتهن رائحة من
تطیب او تعطر۔

(زرقانی جلد چہارم ص ۲۲۸)

ترجمہ: ابن السبیع اپنے کسی ساتھی کے حوالے سے روایت کرتے ہیں۔ جیسے الشفا نے لکھا ہے۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھا۔ تو آپ نے قضاء حاجت کا ارادہ فرمایا۔ میں غور سے دیکھتا رہا۔ آپ ایک جگہ تشریف لے گئے۔ اور ضرورت پوری فرمائی۔ پھر میں اسی جگہ گیا۔ جہاں سے باہر تشریف لائے تھے۔ تو مجھے وہاں بول و براز کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔ میں نے وہاں تین پتھر دیکھے۔ انہیں اٹھالیا تو ان میں بہترین خوشبو پائی۔ اور میں نے یہ سمجھا کہ یہ پتھر گویا عطر بن گئے ہیں۔ اس روایت کا بقیہ حصہ تلمسانی میں یوں مذکور ہے۔ کہ جب جمعہ کے دن آتا اور لوگ مسجد میں مختلف خوشبوئیں لگا کر آتے۔ تو میری آستین میں وہ پتھر ہوتے۔ اور ان کی خوشبو تمام خوشبویات کو ماند کر دیتی تھی۔

لمحہ فکریہ:

ایک ڈھیلا یا پتھر جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء کے لیے استعمال کریں اس میں ایسی خوشبو رچ بس جائے کہ دنیا کی کوئی خوشبو اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ تو اس والدہ کی نورانیت اور صفائی کا کیا عالم ہوگا جن کے بطن اقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم متواتر نو ماہ قیام پذیر رہے۔ اُن کے جنتی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

مثال ہشتم:

جس عورت نے غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بول نوش کر لیا اس کی پیٹ کی سب بیماریاں جاتی رہیں

زرقانی:

عَنْ اُمِّ اَیْمَنَ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّیْلِ اِلٰی فَخَّارَۃٍ فِیْ جَانِبِ الْبَیْتِ فَبَالَ فِیْھَا فَقُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ وَاَنَا عَطْشَانَۃٌ فَشَرِبْتُ مَافِیْھَا وَاَنَا لَا اَشْعُرُ اَنَّہٗ بَوْلٌ لِطِیْبِ رَائِحَتِہٖ فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّبِیُّ قَالَ لِاُمِّ اَیْمَنَ قُوْمِیْ فَاَھْرِیْقِیْ مَا فِیْ تِلْکَ الْفَخَّارَۃِ فَقُلْتُ قَدْ وَاللّٰہِ شَرِبْتُ مَافِیْھَا قَالَتْ فَضَحِکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِدُہٗ ثُمَّ قَالَ اَمَا وَاللّٰہِ لَا یَیْجَعَنَّ

بَطْنُكِ اَبَدًا۔

(زرقانی جلد چہارم ص ۲۳۱) (رضاخانی)

ترجمہ: ام ایمن بیان کرتی ہیں۔ کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے۔ اور گھر کے ایک کونے میں پڑے گھڑے میں آپ نے بول کیا۔ میں رات کو اٹھی اور پیاسی تھی۔ تو میں نے اس گھڑے میں جو کچھ تھا پی لیا۔ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ یہ بول ہے۔ کیونکہ اس کی بھینی بھینی خوشبو آرہی تھی۔ پھر جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم صبح حسب معمول اٹھے۔ تو ام ایمن کو فرمایا۔ جاؤ اور جا کر بول کو گرا دو۔ جو گھڑے میں ہے۔ میں نے عرض کیا۔ خدا کی قسم میں نے تو اس میں سے سب کچھ پی لیا ہے۔ کہتی ہیں۔ کہ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ہنسے کہ آپ کی داڑھیں نظر آنے لگیں۔ پھر فرمایا۔ واللہ تیرا پیٹ کبھی بھی کسی دکھ درد میں مبتلا نہ ہوگا۔

مثال نمبر:

عکرمہ اور سبیعہ کے والد کے کفر کی وجہ سے ان کی تکلیف
کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تکلیف قرار دیا۔

فتح الربانی:

(قال الحلوانی المواھب) اَلْقَوْلُ بِکُفْرِ اَبَوَیْهِ صلی اللہ علیہ و سلم زَلَّةٌ عَاقِلٍ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ فَمَنْ تَفَوَّهُ بِهٖ فَقَدْ تَعَرَّضَ لِكُفْرٍ بِاِیْذَائِهٖ صلی اللہ علیہ و سلم فَقَدْ جَاءَ اَنَّ عِكْرَمه بن ابی جھل

اِشْتَكَى اِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اَنَّ النَّاسَ لَيُؤْذُوْنَ
اَبَاهُ فَقَالَ صلى الله عليه وسلم لَا تُؤْذُوا الْاَحْيَاءَ
بِسَبَبِ الْاَمْوَاتِ) رواه الطبرانى ولا شكّ انّه صلى الله
عليه وسلم حىٌّ فى قبره تُعرض عليه اعمالنا
واذا اُوذى عكرمه رضى الله عنه فى ابيه بالنفى
عمّا يتاذّى به من بسببه فسيّد الخلق اَولى
واحبّ كيف وقد جاء انّ سُبيعة وكانها
المعروفة بدرّة بنت ابى لهب جاءت الى رسول الله
صلى الله عليه وسلم فقالت انّ الناس يصيحون
بى يقولون انى ابنة حطب النار فقام رسول الله
صلى الله عليه وسلم وهو مغضب شديد فقال

اس کو طبرانی نے روایت کیا۔ اور یہ بات یقینی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
اپنے قبر شریف میں زندہ ہیں۔ آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے
ہیں۔ اور جب عکرمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُن کے باپ کے
معاملہ میں یہ رعایت برتی گئی۔ کہ اسے بُرا بھلا کہنے سے انہیں اذیت
ہوتی ہے۔ تو سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ حقدار
اور اولیٰ ہیں۔ اور یہ بھی مروی ہے۔ کہ ابولہب کی بیٹی سبیعہ نے ایک مرتبہ
عرض کیا۔ کہ لوگ مجھے چلا چلا کر کہتے ہیں۔ کہ حطب النار کی بیٹی ہے۔ یہ سن
کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا۔ آپ اس وقت سخت غصہ میں
تھے۔ فرمایا۔ اس قوم کا کیا حال ہے۔ جو میرے نسب اور میرے رشتہ داروں
کے ذریعہ مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ خبردار جس نے مجھے میرے خاندان اور

(مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُؤْذُوْنَنِيْ فِيْ نَسَبِيْ وَذَوِيْ رَحْمِيْ اَلَا
وَمَنْ اٰذٰى نَسَبِيْ وَذَوِيْ رَحْمِيْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ
فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ

(فتح الربانی جلد ۵ ص ۱۷۱ ارقام ۱۷۲ - ابواب زیارۃ القبور)

توضیحہ: الحلوانی نے مواہب میں لکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں کفر کا قول کرنا ایک عقل مند کی ذلت ہے۔ جو شخص منہ سے یہ بات نکالتا ہے تو اس نے دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کا اہتمام کیا کیونکہ عکرمہ بن ابی جہل نے ایک دفعہ رسول کریم سے عرض کیا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ میرے باپ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ دیکھو مردوں کے سبب سے زندوں کو تکلیف نہ دیا کرو

رشتہ داروں کے ذریعہ مجھے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی۔ اس نے اللہ تعالیٰ عزوجل کو اذیت دی۔

لمحہ فکریہ:

عکرمہ بن ابی جہل اور سبیعہ بنت ابی لہب کو ان کے باپ کے برا بھلا کہنے سے آپ نے منع فرمایا۔ کیونکہ اس کو برا بھلا کہنے سے ان مرنے والوں کو تو کچھ نہ ہوگا۔ لیکن ان کے زندہ رشتہ داروں کا جو مومن ہیں دل ضرور دکھتا تھا۔ اسی لیے آپ نے مردوں کے سبب سے زندوں کو دکھی کرنے سے منع فرمایا۔ ایک طرف یہ واقعات اور دوسری طرف خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے والدین کریمین کا معاملہ ہے۔ آپ سید المرسلین، امام الانبیاء اور محبوب خالق کائنات ہیں۔ ادھر عکرمہ اور سبیعہ ہیں۔ پھر ادھر ابو جہل ابو لہب ہیں۔ جو نص قرآنی سے قطعی جہنمی ہیں۔ اور ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین جن کے کفر و شرک پر کوئی ضعیف سے ضعیف

روایت بھی نہیں ملتی۔ بلکہ ان کے مومن وموحد ہونے پر دلائل کا انبار ہے۔ تو
کیا آپ کے والدین کریمین کو کافر یا جہنمی کہنے سے ایذائے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم نہ پائی جائے گی؟ اور جب ایذائے رسول متحقق تو بارشاد سرکار دوعالم
صلی اللہ علیہ وسلم ایذائے باری تعالیٰ موجود اور پھر ان اذیتوں کا اجر و خمیازہ
جو بھگتنا پڑے گا۔ اس پر نظر کریں۔ تو اس کے خیال و تصور سے ایک مومن
کا دل کانپ اٹھتا ہے۔ اور کبھی بھی اس قول کے کہنے پر ہمت نہ کرے
گا۔ جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

مثال دھم:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل قیامت کو سب سے پہلے اپنے قرابت والوں کی شفاعت کریں گے۔

مسالک الحنفاء:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اَوَّلُ مَنْ اَشْفَعُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَهْلُ بَيْتِيْ
ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ ومما اورده المحب الطبری
فی ذخائر العقبی عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم يَا مَعْشَرَ بَنِيْ هَاشِمٍ وَالَّذِيْ بَعَثَ
بِالْحَقِّ نَبِيًّا لَوْ اَخَذْتُ بِحَلْقَةِ الْجَنَّةِ مَا بَدَأْتُ
اِلَّا بِكُمْ۔ عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ   اَقْوَامٌ يَزْعُمُوْنَ اَنَّ
رَحْمِيْ لَا يَنْفَعُ بَلْ حَتّٰى يَبْلُغَ حَاكِمٌ وَهُوَ اَحَدُ قَبِيْلَتَيْنِ

(مسالک الحنفاء ص ۱۱۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن جن کی سب سے پہلے شفاعت کروں گا۔ وہ میرے اہل بیت ہوں گے۔ پھر جو ان کے قریب اور پھر جو ان کے قریب۔ ذخائر العقبیٰ میں محب طبری نے ذکر کیا۔ حضرت علی المرتضے بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے جماعت بنی ہاشم! اس خدا کی قسم! کہ جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنایا۔ اگر میں نے جنت کی زنجیر پکڑ لی تو اندر گزارنے کے لیے ابتداء تم سے ہی کروں گا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ اس قوم کا کیا بنے گا۔ جو یہ خیال کرتی ہے۔ کہ میری رشتہ داری کوئی نفع نہ دے گی۔ یہاں تک کہ ایک حاکم ہو دو قبیلوں میں سے۔

لمحہ فکریہ:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رشتہ داری کو کل قیامت میں باعث نفع فرمایا۔ اور بنی ہاشم کو عظیم خوش خبری سے نوازا۔ لیکن اس خوش خبری کے مصداق وہ لوگ نہیں بنیں گے۔ جو نص قرآنی سے ابدی جہنمی ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت گناہ گار مسلمانوں کے لیے ہو گی۔ اب یہاں ایک خدشہ نظر آتا ہے۔ کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کی شفاعت نہیں فرمائیں گے۔ جو جہنمی ہیں۔ تو یہ کہاں سے معلوم ہوا۔ کہ آپ اپنے والدین کریمین کی شفاعت فرما کر ان کے مزید درجات بلند کرائیں گے۔ کیونکہ اس کے لیے مغفور و مرحوم ہونا ضروری ہے۔ اس

اس کے لیے مومن ہونا شرط لازمی ہے۔ تو اس بارے میں تاریخ خمیس کا ایک حوالہ پیش خدمت ہے۔

تاریخ خمیس:

ما اخرجه ابن جرير في تفسيره عن ابن عباس في قوله تعالى وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ قَالَ مِنْ رِضَا مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم اَنْ لَا يَدْخُلَ اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهِ النَّارَ و ما اخرجه الحاكم وصححه عن ابن مسعود انه صلى الله عليه وسلم سُئِلَ عَنْ اَبَوَيْهِ فَقَالَ مَا سَاَلْتُهُمَا رَبِّيْ فَيُعْطِيْنِيْ فِيْهِمَا وَاِنِّيْ لَقَائِمٌ يَوْمَئِذٍ اَلْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ۔

(تاریخ خمیس جلد اول ص ۲۳۲)

ترجمہ: ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند یہ ہے کہ کوئی بھی آپ کے اہل بیت میں سے دوزخ میں نہ جائے۔ اور وہ روایت جس کو حاکم نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا اور اُسے صحیح کہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے والدین کریمین کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے ان دونوں کے بارے میں جو بھی مانگوں گا وہ مجھے عطا کر دیا جائے گا۔ اور میں اس دن مقام محمود پر کھڑا ہوں گا۔

لمحہ فکریہ:

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے اپنے والدین کے متعلق کیا سوال

کریں۔ جو انہیں عطا کر دیا جائے گا۔ کیا وہ انہیں دوزخ میں جانے کی بابت پوچھیں گے۔
کہ اے اللہ! انہیں دوزخ میں بھیج دے۔ کیا وہ ان کے بارے میں یوں عرض کریں گے۔
اے اللہ! انہوں نے کسی نبی کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا۔ ان کے پاس تفصیلی دین پہنچانے
والا کوئی نہ تھا۔ اس لیے تو انہیں عذاب میں گرفتار کر۔ اگر یہ سوالات نہیں ہوں گے۔ تو پھر
واضح بات ہے۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے بروز حشر یہ سوال کریں گے۔ کہ انہیں جنت میں تو تو
پہلے پہنچا چکا ہے۔ اب ان کے درجات تو مزید بلند فرما۔ اور اللہ آپ کی یہ بات مقبول
فرمائے گا۔

مثال یازدھم:

دس جانور جنت میں جائیں گے

تفسیر روح المعانی:

رُوِیَ اَنَّہٗ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی
مَا قَالَ مُقَاتِلُ عَشَرَۃٌ مِنَ الْحَیَوانَاتِ تَدْخُلُ الْجَنَّۃَ
نَاقَۃُ صَالِحٍ وَعِجْلُ اِبْرَاھِیْمَ وَکَبْشُ اِسْمَاعِیْلَ
وَبَقَرَۃُ مُوْسٰی وَحُوْتُ یُوْنُسَ وَحِمَارُ عُزَیْرٍ وَنَمْلَۃُ
سلیمان و ھدھد بلقیس و کلب اَصْحَابُ الْکَھْفِ
وَنَاقَۃُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَکُلُّھُمْ
یُصَیَّرُوْنَ عَلٰی صُوْرَۃِ کَبْشٍ وَیُدْخَلُوْنَ الْجَنَّۃَ
ذَکَرَہٗ فِیْ مشکوۃ الانوار قال الشیخ سعدی
قدس سرہ۔

سگ اصحاب کہف روز چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

یعنی باھمراواں داخل جنت شددر صورت کبش ۔

(تفسیر روح المعانی جلد پنجم ص ۲۳۶ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: جناب مقاتل کے بقول مروی ہے ۔ کہ حیوانات میں سے دس جنت میں داخل ہوں گے ۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی، ابراہیم علیہ السلام کا بچھڑا اسماعیل کا دنبہ ، موسیٰ علیہ السلام کی گائے ، یونس علیہ السلام کی مچھلی ، عزیز علیہ السلام کا گدھا ، سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی ، بلقیس کا ہد ہد ، اصحاب کہف کا کتا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی ۔ ان تمام جانوروں کو مینڈھے کی شکل میں متشکل کر کے جنت میں داخل کیا جائے گا ۔ مشکوٰۃ الانوار میں یہ مذکور ہے ۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ۔ اصحاب کہف کے کتے کو چند دن نیک مردوں کی صحبت میسر آئی ۔ تو وہ اور لوگوں کے ساتھ مینڈھے کی شکل میں جنت میں جائے گا ۔

لمحہ فکریہ:

ان جانداروں اور حیوانات کے دخول جنت کی وجہ صاف ظاہر ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ساتھ نسبت اور تعلق کی بنا پر انہیں یہ شرف دیا گیا ۔ جب ہم ان میں سے ہر ایک کے تعلق اور نسبت پر غور کرتے ہیں ۔ تو وہ سارے اسباب و تعلقات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے والدین کریمین میں بالخصوص آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا میں موجود ہیں ۔ اگر بچھڑے اور گائے کی نسبت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کی طرف ہے ۔ تو اس سے کہیں بڑھ کر اور حقیقی تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے والدہ ماجدہ سے ہے ۔ اگر مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو چالیس دن اپنے اندر ٹھہرائے رکھا ۔ تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن اقدس میں آپ نو ماہ تک

قیام پذیر رہے۔ اگر گدھے نے حضرت عزیر علیہ السلام کو سواری کرائی۔ تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے کیا اپنے فرزند کو کبھی ہاتھوں پر کبھی گود میں سوار نہیں کیا۔ اگر چیونٹی کی باتیں سن کر حضرت سلیمان تبسم فرماتے ہیں۔ تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدہ ماجدہ کی بارہا باتیں سن کر خوشی کا اظہار نہیں فرمایا اور وہ کتا کہ جس نے اصحاب کہف کی خدمت کی۔ کیا آپ کی والدہ ماجدہ کی دودھ پلانے کی خدمت مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے پھر واپس مکہ لانا اور ان کی ہر طرح دیکھ بھال کرنا برابر ہیں؟ جب یہ سب باتیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا میں علی وجہ الکمال موجود ہیں۔ اور پھر آپ کی والدہ ہونے کا شرف مزید اکرام ہے۔ اس کے باوجود یہ تو جنت میں نہ جائیں۔ اور مذکورہ حیوانات جنت میں داخل کیے جائیں؟

عقل اس کے تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ رسول مقبول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا اگر ان میں اور کوئی خوبی نہ ہوتی۔ تو بھی وہ جنتی تھیں۔ لیکن باں ہمہ ان میں ایمان وتوحید اور دین ابراہیمی کے بچے کچھے احکام پر پابندی بھی تھی۔ لہٰذا وہ جنت میں ہی نہیں بلکہ جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

☆

مثال دوازدهم:

اگر والدین کریمین آپ کو نماز میں بلائیں۔ تو حضور فرماتے ہیں۔ میں ان کے بلاوے کا نماز میں جواب دوں گا

مسالك الحنفاء:

قال البیهقی فی شعب الایمان اخبرنا ابو الحسین بن بشران انا ابو جعفر الرزاز انا یحیی بن جعفر اخبرنا زید بن الحباب اخبرنا یٰسین بن معاذ اخبرنا عبد الله بن یزید عن طلق بن علی قَالَ سَمِعْتُ رسول الله صلی الله علیه و سلم یَقُوْلُ لَوْ اَدْرَکْتُ وَالِدَیَّ اَوْ اَحَدَهُمَا وَ اَنَا فِیْ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ وَقَدْ قَرَئْتُ فِیْهَا بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ فَنَادٰی یَا مُحَمَّدُ لَاَجَبْتُهُمَا لَبَّیْكَ۔

(مسالك الحنفاء ص ۵۶)

ترجمہ: جناب طلق بن علی بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا۔ کہ اگر میں اپنے والدین کو پاتا۔ یا ان میں کسی ایک کا زمانہ مجھے میسر آتا۔ اور میں نماز عشاء شروع کر کے سورۂ فاتحہ مکمل کر چکا ہوتا۔

اور وہ مجھے آواز دیتے۔ یا محمد! تو میں ان کی آواز کا جواب دیتا۔ میں حاضر ہوں۔

لمحہ فکریہ:

اِس حدیث پاک سے یہ بتلانا مقصود ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں اپنے والدین کا کس قدر مقام تھا۔ اور اس مقام و مرتبہ کو آپ نے نماز کی مثال سے واضح کیا۔ اگر وہ دونوں یا کوئی ایک کافر و مشرک ہوتا۔ تو پھر اس کا احترام اور پھر نماز کے دوران آپ سے ایسا متوقع نہ تھا۔ لہذا اس سے بھی معلوم ہوا۔ کہ آپ کے نزدیک بھی ان کا مومن ہونا واضح تھا۔

مثال سیزدہم:

حافظ قرآن کی شفاعت سے گھر کے دس افراد جنت میں جائیں گے

ابن ماجہ:

عن علی ابن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ وَحَفِظَہٗ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ وَشَفَّعَہٗ فِیْ عَشْرَۃٍ مِّنْ اَھْلِ بَیْتِہٖ کُلُّھُمْ قَدِاسْتَوْجَبَ النَّارَ۔

(ابن ماجہ شریف ص ۱۹)

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے قرآن کریم پڑھ لیا اور حفظ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور اس کی اس کے گھر والوں میں سے دس آدمیوں

کے متعلق شفاعت مقبول فرمائے گا۔ ایسے دس آدمی جن پر جہنم لازم ہو چکا ہو گا۔

لمحہ فکریہ:

ایک حافظ دس جہنمیوں کو شفاعت کر کے جنت میں پہنچا دے گا۔ تو سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والدین کو جنت میں نہ لے جا سکیں گے؟ یہ کم از کم دلیل ہے۔ ورنہ ہم تو انہیں پہلے سے ہی جنتی تسلیم کرتے ہیں۔ اور آپ کی شفاعت سے اُن کے درجات میں مزید اضافہ ہو گا۔ تو وہ لوگ جو آپ کے والدین کریمین کو جہنمی کہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ایک امتی (حافظ و قاری) کو تو دس افراد کے بخشوانے کا اعزاز لیکن پیغمبر اپنے والدین کو بھی نہ بچا سکا؟ اُن کی اس منطق کو کون سمجھے گا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرے۔

مثال چہارم:

نیک بیٹے کی اپنے والدین کے انتقال کے بعد ان کے لیے مانگی گئی دعا مستجاب ہوتی ہے

ابن ماجہ:

عن عبد اللہ بن ابی قتادہ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خَیْرُ مَا یُخَلِّفُ الرَّجُلُ مِنْ بَعْدِہٖ ثَلٰثٌ وَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْ لَہٗ وَصَدَقَۃٌ تَجْرِیْ یَبْلُغُہٗ اَجْرُھَا وَعِلْمٌ یُعْمَلُ بِہٖ مِنْ بَعْدِہٖ۔ (ابن ماجہ شریف ص ۲۱)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی آدمی کے مرنے کے بعد تین چیزیں بہترین خلیفہ ہیں۔ ایک نیک بچہ جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔ دوسرا صدقہ جاریہ جس کا اسے ثواب ملتا ہے تیسرا علم کہ جس پر اس کے مرنے کے بعد عمل کیا جاتا ہے۔

لمحہ فکریہ:

مذکورہ حدیث میں تین ایسے اعمال کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جو کسی کے مرجانے کے بعد اس کے کام آتے ہیں۔ اور اس کے ثواب میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ سرکار دوعالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں سیدہ آمنہ اور حضرت عبداللہ نے اپنے پیچھے ایک ایسا صدقہ جاریہ چھوڑا۔ جو پوری کائنات میں کسی کو نہ حاصل ہو سکا اور نہ ہو سکے گا اب ایک عام بچہ اگر عام والدین کے لیے دعا کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے رد نہیں فرماتا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اپنے والدین کے لیے دعا فرمائیں۔ تو اس کے قبول نہ ہونے کا کونسا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اور پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرما بھی دیا۔ کہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے والدین کے بارے میں جو دعا کروں گا۔ وہ منظور ہو گی یہ تو قیامت کی بات ہے۔ دنیا میں آپ نے یہاں تک فرمایا۔ کہ اگر دوران نماز وہ مجھے بلائیں۔ تو میں لبیک کہتا حاضر ہو جاؤں گا۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین دن بدن بلند درجات پر فائز ہو رہے ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مثال پنجدھم:

حافظ قرآن کے والدین کو قیامت میں حُلّے پہنائے جائیں گے

کنز العمال:

ان ھذا القران یلقی صاحبہ یوم القیامۃ حین ینشق عنہ قبرہ کالرجل الشاب فیقول لہ ھل تعرفنی فیقول ما اعرفک فیقول انا صاحبک القران اظمأتک فی الھواجر واسھرت لیلتک وان کل تاجر من وراء تجارۃ

وانک الیوم وراء کل تجارۃ فیعطی الملک بیمینہ والخلد بشمالہ ویوضع علی رأسہ تاج الوقار ویکسی والداہ حلتین لا یقوم لھما اھل الدنیا فیقولان بما کسینا ھذہ فیقال لھما باخذ ولدکما القرآن۔ (کنز العمال جلد اول ص ۵۵۲)

(ترجمہ: یہ قرآن کریم اپنے پڑھنے والے سے کل قیامت کو ملاقات کرے گا۔ اور یہ ملاقات اس وقت ہو گی جب قبروں سے لوگوں کو نکالا جائے گا۔ قرآن ایک نوجوان شخص کی صورت میں ہو گا۔ اور پوچھے گا۔ کیا مجھے تو نے پہچانا ہے۔ قاری کہے گا نہیں۔ قرآن کہے گا۔ تیرا ساتھی قرآن ہوں۔ میں نے تجھے سخت گرمی میں پیاسا رکھا۔ راتوں کو سونے نہ دیا

ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوگا۔ اور میں آج ہر تجارت کے پیچھے ہوں پھر اس حافظ کو دائیں ہاتھ میں ملک اور بائیں ہاتھ میں جنت عطا کی جائے گی اور اس کے سر پر عزت و وقار کا تاج رکھا جائے گا۔ اس کے والدین کو ایسے دو جوڑے پہنائے جائیں گے۔ کہ جن کی قیمت تمام دنیا ادا نہ کر سکے گی۔ وہ پوچھیں گے۔ کہ کس سبب سے ہمیں پہنایا گیا تو جواب آئے گا۔ کہ تمہارے بچے کے قرآن کریم یاد کرنے کے بدلے میں عطا ہوا ہے

مثال شش دہم:

حافظ قرآن کے والدین کے سروں پر قیامت کو تاج رکھا جائے گا۔

ابوداؤد:

عن سہل عن معاذ الجھنی عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ القرآن وعمل بما فیہ لبس والداہ تاجا یوم القیامۃ ضوءہ احسن من ضوء الشمس فی بیوت الدنیا لو کانت بکم فما ظنکم بالذی عمل بھذا۔

(ابوداؤد شریف ص ۲۰۵)

ترجمہ: معاذ جہنی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن کریم پڑھا اور اس کے منزل احکام پر عمل کیا۔ اس کے والدین قیامت کے دن تاج سر پر رکھیں گے۔ جس کی روشنی سورج

کی روشنی سے زیادہ خوبصورت ہے جبکہ وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو تو اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو خود اس کا عامل ہے۔

لمحہ فکریہ:

قرآن کریم حفظ کرنے والے کے والدین جنت میں اور بیش بہا قیمتی جوڑے پہنیں عامل بالقرآن کے والدین کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا۔ جس کی روشنی میں دنیا کا سورج بھی مقابلہ نہ کر سکے تو کیا وجہ ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو معجزہ قرآن کریم ہیں۔ جن کی بدولت قرآن کریم ہم تک پہنچا۔ آپ کے والدین کریمین ان پوشاکوں اور تاجوں سے محروم رہیں۔ بلکہ جنت سے ہی محروم رہیں؟! اس لیے ماننا پڑے گا۔ کہ اگر عام حافظ کے والدین کے ساتھ اللہ تعالیٰ یہ سلوک کرے گا۔ تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ساتھ اس سے کہیں بہتر سلوک کرے گا۔ یہ چند مثالیں نفس مسئلہ کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے ہم نے ذکر کی ہیں۔ تاکہ کوئی بھولا بھٹکا انہیں پڑھ کر راہ راست پر آجائے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

نوٹ: ابن تیمیہ اور اس کے کچھ پیرو یہ کہتے ہیں۔ کہ اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین مومن اور موحد ہوتے۔ تو ان کا تذکرہ بکثرت ہوتا۔ گویا بکثرت تذکرہ نہ ہونا بھی ان کے نزدیک ان کے مومن نہ ہونے کی دلیل ہے۔ سبحان اللہ! کیا عقیدت اور کیا اصل و قاعدہ وضع کیا۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ جس کو کسی سے عقیدت ہوتی ہے۔ وہ تو اس کا تذکرہ کرتا ہی ہے۔ اور ساری کتابیں بھی اُسے نظر آجاتی ہیں۔ جن میں اس کے محبوب کا تذکرہ ہو۔ اور عقیدت نہ ہو۔ تو اسے سورج بھی بُرا اور گہنا ہوا معلوم ہوگا۔

☆

وہ کتب جو امام الرسل سید ابن الانبیاء

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں لکھی گئیں

آئیے! ہم کچھ ایسی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ اس تعداد یا تذکرہ کے لیے ہم نے صرف "کشف الظنون" سے اقتباس کیا ہے کیونکہ صاحب کشف الظنون نے اپنی کوشش کے مطابق ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جو اس کتاب کی تصنیف سے پہلے معرض وجود میں آچکی تھی۔ لیکن اس کی تصنیف و تدوین کے دوران بعد والے ادوار کی جو کتابیں ہیں۔ وہ اس میں درج نہ ہو سکی تھیں۔ اور نہ ہو سکیں۔ اور جو زمانہ ماضی میں لکھی گئی ہیں۔ بھی بالاستیعاب ذکر نہیں۔ بہر حال مختصر سی فہرست پیش خدمت ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	تعارف مصنف
۱	رسالہ فی ابوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم	محمد شاہ بن محمد الغفاری زین الدین الحنفی المعروف بہ چلپی قاضی حلب وصال ۹۲۶ھ
۲	انباء المصطفٰے فی حق آباء المصطفٰے	محمد بن قاسم بن یعقوب بن احمد الرومی الحنفی محی الدین المعروف بابن الخطب المتوفی سنہ ۹۴۰ھ
۳	فی اسلام والدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین بن شہاب الدین احمد بن محمد بن علی بن یوسف حلبی شافعی المعروف بابن الملا حلبی المتوفی سنہ ۱۰۰۳ھ
۴	ذخیرۃ العابدین و رغام المعاندین فی نجات الوالدین الطاہرین لسید المرسلین	محمد بن یوسف بن یعقوب بن علی ابن الحسن المغنی بالحلب الشہیر بالاسپیری المتوفی ۱۱۹۴ھ
۵	الانتصار لوالدی النبی المختار حدیقۃ الصفاء فی والدی المصطفٰے	محمد بن محمد بن محمد عبد الرزاق المصری الحنفی المتوفی سنہ ۱۲۰۵ھ
۶	ہدایۃ الکرام فی تنزیہ آباء النبی علیہ السلام	یوسف بن عبد اللہ الدمشقی الحنفی المعروف بالبدیعی قاضی موصل المتوفی ۱۰۷۳ھ
۷	انباء المصطفٰی فی حق آباء المصطفٰے	محمد بن قاسم الرومی المتوفی سنہ ۹۴۰ھ
۸	تحقیق آمال الراجین فی ان والدی المصطفٰے فی الدارین من الناجین	نور الدین علی ابن الجزار المصری

نمبر شمار	نام کتاب	تعارف مصنف
۹	تحفۃ الصفا فی ما یتعلق بابوی المصطفیٰ	احمد بن اسماعیل الجزیری المتوفی سنہ ۱۱۵۰ھ
۱۰	الرد علی من اقتحم القدح فی الابوین المکرمین	حسن بن عبداللہ بن محمد الحلبی المتوفی سنہ ۱۱۹۰ھ
۱۱	قرۃ العینین فی ایمان الوالدین	حسین بن احمد بن ابی بکر الحلبی المعروف بالدوانجی الحنفی المتوفی سنہ ۱۱۷۵ھ
۱۳	رسالہ فی اسلام ابوی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	داؤد بن سلیمان البغدادی المتوفی سنہ ۱۲۹۹ھ
۱۴	التعظیم والمنۃ فی ان ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنۃ	جلال الدین السیوطی عبدالرحمن بن کمال الدین الخضری۔ المتوفی سنہ ۹۱۱ھ
۱۵	مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ	
۱۶	الفوائد الکامنۃ فی ایمان السیدۃ آمنۃ	
۱۷	نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین	
۱۸	رسالہ فی ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	علی بن الحاج صادق بن محمد بن ابراہیم الشماخی المتوفی سنہ ۱۱۹۶ھ

برصغیر کے سب سے بڑے محدث اور فقیہ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والدین کریمین کے بارے میں عقیدہ

اشعۃ اللمعات:

واما متاخرین پس اثبات کردہ اند اسلام والدین بلکہ تمام آباء و امہات آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم تا آدم علیہ السلام۔ والیشاں را در اثبات آں سہ طریقہ است یا ایشاں بر دین ابراہیم بودہ اند یا آنکہ ایشاں را دعوت نرسیدہ ومردہ کردر زمان فترت بودہ ومردند پیش از زمان نبوت تا آنکہ زندہ گردانید خدائے تعالیٰ ایشاں را بردست آنحضرت ربدعائے وے پس ایماں آوردند وحدیث احیائے والدین اگرچہ فی حد ذات خود ضعیف است لیکن تصحیح وتحسین کردہ است آں را تعدد وطرق وایں علم گویا مستور بود از متقدمین پس کشف کرد آں را حق تعالیٰ بر متاخرین واللہ یختص برحمۃ من یشاء ویباشا من فضلہ۔

(اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۶۵ مطبوعہ منشی نولکشور)

ترجمہ: بہر حال متاخرین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بلکہ آپ کے تمام آباؤ امہات آپ تا آدم علیہ السلام کا اسلام ثابت کیا ہے۔ اور اس بارے میں ان کے اثبات کے تین طریقے ہیں۔

۱۔ وہ دینِ ابراہیمی پر تھے۔

۲۔ ان کو دعوتِ اسلام نہ پہنچی اور فترت کے دور میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ شروع نہ ہوا تھا۔

۳۔ یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر زندہ کیا۔ پھر وہ ایمان لائے۔ (اور انتقال کر گئے) والدین کریمین کے زندہ کرنے والی حدیث اگرچہ بذاتہٖ ضعیف ہے۔ لیکن علماء نے اس کی تصحیح اور تحسین کی ہے۔ اور یہ مختلف طریقوں سے مروی ہونے کی وجہ سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین (بمعہ آباؤ اجداد) کے مومن ہونے کا مسئلہ متقدمین سے چھپا کر رکھا گیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر اسے منکشف فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے۔

اشعة اللمعات:

اما آبائے کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس ہمہ ایشاں از آدم تا عبداللہ طاہر و مطہر اند از دنس کفر و رجس شرک چنانکہ فرمود۔ بیروں آمدہ ام از اصحاب طاہرہ بار حام طاہرہ و دلائل دیگر کہ متاخرین علمائے حدیث آں را تحریر و تقریر نمودہ اند و لعمری ایں علمے است کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ مخصوص گردانیدہ است بایں متاخراں را یعنی علم آں کہ آباؤ اجداد شریف آنحضرت بر توحید و اسلام بودہ اند۔ (اشعة اللمعات جلد اول ص ۷۹۱)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آدم علیہ السلام سے تا عبداللہ رضی اللہ عنہ تمام آباؤ اجداد طاہر اور مطہر تھے۔ نہ کفر کی گندگی اور شرک کی نجاست سے وہ آلودہ ہوئے۔ جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں پاک مردوں سے

پاک عورتوں کی طرف منتقل ہوتا ہوا پیدا ہوا۔ اور وہ دلائل کہ جو متاخرین علمائے حدیث نے اس موضوع پر تحریر و تقریر فرمائے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم! کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے ایمان دار ہونے کا علم وہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ متاخرین حضرات کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔

لمحۂ فکریہ: قارئین کرام! مذکورہ دونوں عبارات اس شخصیت کی ہیں۔ جنہیں اپنے بیگانے سبھی شیخ تسلیم کرتے ہیں۔ والدین کریمین کے بارے میں ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہوا۔ کہ

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ امہات حضرت عبداللہ و آمنہ تا آدم سبھی کفر و شرک سے پاک تھے۔

۲۔ والدین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا اور ایمان قبول کرنا۔ اور پھر انتقال کر جانا جس روایت میں آیا ہے۔ وہ اگرچہ ضعیف ہے۔ لیکن متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ثبوت ایمان و اسلام کے تین طریقے مذکور فرمائے

۱۔ وہ دینِ ابراہیمی پر تھے۔ ۲۔ وہ زمانہ فترت میں ہی انتقال فرما گئے۔ ۳۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زندہ کیا۔ اور دولت ایمان سے مشرف فرمایا۔

ان تینوں وجوہات کی تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں، وتقلبک فی الساجدین اور وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا وغیرہ آیات سے اثباتِ ایمان والدین کی تفصیل بھی آپ گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

آخر میں شیخ محقق نے حلفیہ بیان کیا۔ کہ والدین کریمین کا مومن ہونا اگرچہ حضرات متقدمین پر اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا۔ لیکن متاخرین کو اس فضل سے نوازا دیا۔ لہٰذا ہم پورے اعتماد و یقین سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین پختہ مومن اور موحد تھے۔ کفر و شرک کا ان کے قریب تک سے گزر بھی نہیں ہوا۔

مثال ہفدہم: جس پتھر پر ابراہیم علیہ السلام نے دونوں قدم رکھے اس کی عظمت وشان

قرآن پاک میں کاملوں کے افعال کی نسبت سے کئی چیزوں کو ایسی رفعت اور شان ملی۔ کہ جس کی وجہ سے وہ دنیا میں بے مثل ہو گئیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر قدم رکھا کہ جس کو مقام ابراہیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور اس کے متعلق حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اس کے نور کو بند نہ کرتا تو اس کی روشنی سورج پر غالب ہوتی اور ایک حدیث میں آتا ہے۔ کہ جس دن سے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس پر قدم رکھا اس کے بعد آج تک اس کے اوپر سے کوئی جانور نہیں گزرا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مصلی بنا دیا۔ تو قارئین کرام غور فرمائیں کہ جس پتھر کے ساتھ اللہ کے خلیل کا قدم مس کرے وہ تو مصلے بن جائے اور اس کی عزت اور عظمت یہ ہو کہ اس کے اوپر سے کوئی جاندار نہ گزرے تو جس ماں کے شکم مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ ماہ گزارے ہے اور صرف قدم ہی نہیں لگایا۔ بلکہ پورے جسم مبارک کے ساتھ مس کیا۔ ان کے متعلق دوزخی ہونے کا فتویٰ دینا یہ کہاں کی دیانت اور عقلمندی ہے

مثال ہشدہم: سیدہ ہاجرہ کے صفا مروہ کے درمیان چکر لگانے کی وجہ سے صفا مروہ کی عظمت وشان:

حدیث اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب شام سے سیدہ ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو لے کر حکم خدا سے مکہ تشریف لائے۔ اور ان کو حرم کعبہ میں چھوڑ کر واپس تشریف لے گئے اور کچھ کھجوریں اور تھوڑا سا پانی دے کر چلے گئے۔ تو سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے جب پانی اور خوراک کو ختم پایا تو پانی کی تلاش کے لیے کوہ صفا پر چڑھیں۔ اور چاروں طرف نظر کی کہ کوئی انسانی وجود نظر آتے یا پانی کا کوئی سبب معلوم ہو لیکن جب کوئی معلوم نہ ہوا تو وہ صفا سے اتر کر مروہ کی طرف

چلی گئی۔ اور اسی طرح انہوں نے سات چکر دونوں پہاڑیوں کے درمیان لگائے۔ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ میں تیرے خلیل کی بیوی ہوں اور اسماعیل کی ماں ہوں لہذا مجھے میرے بیٹے اسماعیل کے لیے پانی عطا فرما۔ تو قارئین کرام غور فرمائیں کہ اسماعیل علیہ السلام کی ماں نے جہاں سات چکر لگائے اور جس راستوں پر دوڑیں۔ اللہ تعالیٰ کو وہ جگہ اتنی پسند آئی کہ اس کا ذکر یوں فرمایا۔ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ، پارہ دوم رکوع سوم یعنی صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تو جن پہاڑیوں پر اسماعیل علیہ السلام کی اماں قدم رکھے اس کو اللہ تعالیٰ شعائر اللہ کہے تو جہاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قدم مبارک رکھیں اور نو ماہ گزاریں کیا وہ بھی شعائر اللہ بنتی ہے یا نہیں۔ اور پھر جہاں اسماعیل علیہ السلام کی ماں نے قدم رکھے اور جہاں سات چکر لگائے اس کی تو اللہ تعالیٰ تا قیامت یادگار منائے۔ لیکن کچھ بدبخت ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ جس کا عقیدہ ہے کہ حضور کے والدین کی قبریں بھی باقی نہیں رہنی چاہئیں اور بلکہ ۹۸۶ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر پر بلڈوزر بھی چلایا گیا۔ اگرچہ اب معلوم ہوا ہے کہ قبر کے ارد گرد کچھ حد بندی کی گئی ہے۔ حالانکہ جنگ احد کے موقعہ پر ہندہ زوجہ ابو سفیان نے جبکہ دونوں اسلام نہیں لائے تھے لشکر کفار جو کہ جنگ احد کے لیے مدینہ جا رہا تھا۔ اس کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر تم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر پھوڑ کر اپنے قبضے میں کر لو۔ تو پھر اگر جنگ احد میں تمہارے کئی لوگ گرفتار بھی ہو جائیں گے تو اس کے معاوضہ میں تم ان کو چھڑا سکو گے اس وقت لشکر کفار نے ابو سفیان کو یہ کہا تھا اگر تم نے ایسا کیا اور ہندہ کے مشورے پر عمل کیا تو پھر مسلمان تمہارے سب بڑوں کی قبریں پھوڑ کر رکھ دیں گے۔ یعنی کفار نے بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر کے پھوڑنے کے مشورے کو بہت بڑا المیہ قرار دیا۔ لیکن

نا معلوم جو لوگ کلمہ گو بھی ہیں۔ اور پھر ان کے والدین کے بارے میں گستاخانہ طریقہ اعتقاد کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ محبت رسول کیسا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے بارے میں سنہ ۱۹۷۸ء میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کی قبر کی کھدائی کی گئی تو پاکستان کی اخبارات نے یہ خبر شائع کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کی نعش مبارک ایسے نکلی کہ جیسے آج ہی دفن کیے گئے ہیں۔ اور اس وقت کے اخبارات کے قطعات آج تک محفوظ ہیں۔ اور یہ شان کیوں نہ ہوں کہ جب وہ سب رسولوں کے رسول اور خاتم المرسلین کے والدین ہوں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مثال نمبر۴۴: نبی علیہ السلام کی قبر شریف کعبہ عرش اور جنت سے افضل ہے

فقہاء کے اور محدثین کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ لیکن اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے۔ وہ زمین کا قطعہ مکہ شریف سے تو کجا۔ کعبہ اور عرش اعظم سے بھی افضل ہے۔ ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ:

و نقل قاضی عیاض و غیرہ الْاِجْمَاعُ عَلٰی تَفْضِیْلِ مَاضَمَّ الْاَعْضَاءُ الشَّرِیْفَۃُ حتی علی الْکَعْبَۃِ الْمُنِیْفَۃِ وَاِنَّ الْخِلَافَ فِیْمَا عَدَاہُ وَ نُقِلَ عَنْ اَبِیْ عَقِیْلِ حَنْبَلِی اِنَّ تِلْکَ الْبُقْعَۃَ اَفْضَلُ مِنَ الْعَرْشِ وَصَرَّحَ الْفَاکِہَانِیُّ بِتَفْضِیْلِہَا عَلَی السَّمٰوٰتِ قَالَ بَلِ الظَّاھِرُ الْمُتَعَیَّنُ تَفْضِیْلُ جَمِیْعِ الْاَرْضِ عَلَی السَّمَاءِ لِحُلُوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ

بِهَا. وَحَكَاهُ بَعْضُهُمْ عَنِ الْأَكْثَرِيْنَ لِخَلْقِ الْأَنْبِيَاءِ
مِنْهَا وَدَفْنِهِمْ فِيْهَا وَقَالَ النووي والجمهور على
تَفْضِيْلِ أَسْمَاءِ عَلَى الْأَرْضِ أَيْ مَا عَدَا مَا ضَمَّ الْأَعْضَاءَ
الشَّرِيْفَةَ وَفِيْ محل الخلاف فيما عدا الْكَعْبَةَ فهي
افضل من بقية المدينة اتفاقا ما عدا موضع
قبره المقدس۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم ص ۱۹۰)

ترجمہ: قاضی عیاض وغیرہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا کہ وہ زمین کا حصہ کہ جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء شریفہ ملے ہوتے ہیں۔ وہ سب سے افضل ہے یہاں تک کہ کعبۃ اللہ سے بھی افضل ہے۔ اختلاف جو ہے تو وہ صرف قبر شریف کے علاوہ حصے میں ہے۔ ابو عقیل حنبلی سے منقول ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا حصہ عرش سے بھی افضل ہے۔ امام فاکہانی نے اس بات کی تصریح کی کہ یہ حصہ تمام آسمانوں سے افضل ہے۔ اور بلکہ اس نے کہا کہ پوری زمین تمام آسمانوں سے افضل ہے۔ صرف اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک یہاں ہے۔ اور بعض نے زمین کے آسمان پر افضل ہونے کی علت یہ بیان کی ہے۔ کہ انبیاء کی پیدائش اور تدفین زمین میں ہے۔ امام نووی نے کہا کہ جمہور اس پر ہیں کہ آسمان زمین سے افضل ہیں لیکن اس حصے کو چھوڑ کر کہ جس نے حضورؐ کے اعضاء شریفہ سے مس کیا ہوا ہے اور محل خلاف اس مقام میں ہے جو کعبہ کے علاوہ ہے۔ کیونکہ کعبہ مدینہ سے افضل ہے بالاتفاق مگر اس جگہ کو چھوڑ کر جہاں آپ کی قبر مبارک ہے۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ صاحب مرقاۃ نے جو طویل بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہی ہے۔ کہ جن لوگوں نے زمین کو آسمانوں پر افضل کہا تو اس کی وجہ آپ کے

مزار شریف کو قرار دیا اور جن لوگوں نے کہا کہ کعبہ مدینہ سے افضل ہے تو انہوں نے بھی قبر رسول کو مستثنیٰ کر دیا۔ یعنی ان کا بھی اس بات میں اتفاق ہے کہ جہاں آپ کی قبر شریف ہے۔ وہ جگہ کعبہ سے افضل ہے۔ تو آپ غور فرمائیں جس قبر میں آپ تشریف رکھیں وہ کعبہ اور عرش سے افضل ہو۔ اور جس ماں کے شکم میں آپ پرورش پائیں وہ کیوں نہ عرش اور کعبہ سے افضل ہو۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

مثال بستم: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ کا حکم

سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ بات احادیث سے ثابت ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب آپ کا خون مبارک نوش کر لیا۔ تو اس پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "جس کا خون میرے خون سے مل گیا۔ اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی" امام شافعی یہ روایت نقل کرنے کے بعد استدلال کرتے ہیں۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ سے جہنم سے نجات مل سکتی ہے۔ تو آپ کے والدین کریمین کا جہنمی ہونا کیونکر ممکن؟ حالانکہ آپ کے والدین آپ کے جسم اطہر کی اصل ہیں۔ تفصیل کے لیے امام ابن العابدین کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

فتاوی حامدیہ:

فضلاته عليه السلام طاهرة كما جزم به البغوى وغيره وهو المعتمد لان ام ايمن بركة الحبشة شَرِبَتْ بَوْلَهُ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ لَنْ يَبْتَغ النَّارُ بَطْنَكَ صَحَّحَه الدَّارقطني وَقَالَ اَبُوْجَعْفَرِ الترمذى دَمُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم طَاهِرٌ لِاَنَّ اَبَا الطَّيْبَةِ شَرِبَهُ وَفَعَلَ مِثْلَ ذَالِكَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَهُوَ

غُلَامٌ حِيْنَ اَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
دَمَ حِجَامَتِهٖ لِيَدْفِنَهٗ فَشَرِبَهٗ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَالَطَ دَمُهٗ دَمِيْ لَمْ تَمَسَّهُ النَّارُ
وَهٰذِهِ الْاَحَادِيْثُ مَذْكُوْرَةٌ فِيْ كُتُبِ الْحَدِيْثِ
الصَّحِيْحَةِ وَذَكَرَ فُقَهَاؤُنَا وَتَبِعَهُمُ الشَّافِعِيَّةُ
كَالشَّرْبِيْنِيْ فِيْ شَرْحِ الْغَايَةِ وَفُقَهَاءِ مَالِكِيَّةُ
وَالْحَنَابِلَةِ فَكَانَتْ كَالْمُجْمَعِ عَلَيْهِ فَحَيْثُ ثَبَتَ اَنَّ
فُضَلَاتِهٖ عليه السلام تُنْجِيْ مِنَ النَّارِ فَكَيْفَ مَنْ رَبَا
مِنْ دَمِهَا وَلَحْمِهَا وَرُبِّيَ مِنْ بَطْنِهَا وَمَنْ كَانَ مِنْ
اَصْلِ خِلْقَتِهِ الشَّرِيْفَةِ يُدْخِلُ النَّارَ۔

(الفتاوی الحامدیہ جلد دوم ص ۳۶۵ من مات علی الکفر
ابیح لعنہ مطبوعہ میمنہ مصر)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات، پاک و طاہر ہیں۔ جیسا کہ اس پر امام بغوی
وغیرہ نے جزم کیا۔ اور معتمد بھی یہی ہے۔ کیونکہ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا
نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جب پیشاب مبارک نوش کیا۔ تو انہیں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کی آگ تیرے شکم کو ہرگز نہ چھوئے گی۔ اس روایت
کی دارقطنی نے تصحیح فرمائی ہے۔ اور امام ابو جعفر ترمذی نے کہا، کہ سرکار دوعالم
صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک طاہر و پاک ہے۔ کیونکہ ابو الطیبہ نے اُسے
نوش کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ابن زبیر نے بھی بچپن میں آپ کا
خون شریف نوش کیا۔ وہ اس طرح کہ آپ نے سنگی لگوانے کے بعد والا
خون انہیں عطا فرمایا۔ تاکہ کہیں دفنا دیں۔ تو انہوں نے دفنانے کی بجائے پی لیا۔ ان

پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے خون سے میرا خون مل گیا اُسے جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ یہ احادیث اُن کتابوں میں مذکور ہیں۔ جو احادیث صحیحہ پر مشتمل ہیں ہیں۔ ہمارے فقہاء نے یہی ذکر کیا۔ اور فقہاء کے شافعیہ مثلاً علامہ شربینی نے شرح الغایۃ میں اسی کی اتباع کی۔ اور مالکی و حنبلی فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت و پاکیزگی تمام مذاہب مسالک کی متفق علیہ بات ہے۔ تو جب یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات شریف جہنم کی آگ سے نجات دیتے ہیں۔ تو پھر وہ حضرات داآپ کے والدین کریمین کہ جن کے خون اور گوشت سے آپ نے نشوونما پائی۔ اور جس کے پیٹ میں آپ نے ترتیب پائی۔ اور جو آپ کی خلقت شریفہ کی اصل ہیں۔ وہ کیونکر دوزخ میں جا سکتے ہیں؟

قارئین کرام! سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال و استنباط آپ نے لاحظہ فرمایا کیسی واضح اور صاف سی بات ہے۔ کہ عام آدمی کے فضلات اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ میں کتنا بڑا فرق ہے۔ وہ نجس اور یہ طیب و طاہر ہیں۔ اُن کے لگنے سے پاک چیز بھی گندی ہو جائے۔ اور ان کے ساتھ مل کر ایسی طہارت میسر آئے۔ کہ دوزخ کی آگ بھی حرام ہو جائے۔ جب آپ کے فضلات شریفہ کا یہ اثر ہوا۔ تو جن والدین کریمین کے گوشت پوشت سے آپ کا ظاہری گوشت پوشت بنا یا یوں کہہ لیجئے کہ آپ کے خون شریف فضلات شریفہ کی جو اصل ہیں۔ اُن کی طہارت کا کیا مقام ہوگا اور ان کے جنتی ہونے میں کون شک لائے گا۔ لہذا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آپ کے والدین کے جنتی ہونے میں شک کرنے والا غلطی پر ہے۔ اور اس پر اصرار کرنے والا اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال رہا ہے۔ لہذا ثابت ہوا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور تمام آباؤ اجداد جنتی ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار)

ایک مثال و تتمہ؛ مدینہ منورہ میں دفن ہونے والے کی شان

خلاصۃ الوفاء میں ایک حدیث درج ذیل الفاظ سے منقول ہے۔

خلاصۃ الوفاء:-

وَفِي الْمُوَطَّا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا وَقَبْرٌ يُحْفَرُ بِالْمَدِيْنَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِي الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا قُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ اِنِّي لَمْ اُرِدْ هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُ الْقَتْلَ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مِثْلَ لِلْقَتْلِ فِي سَبِيْلِ اللهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَيَّ اَنْ يَكُوْنَ قَبْرِيْ بِهَا يَعْنِي الْمَدِيْنَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

(خلاصۃ الوفا ص ۷۲ مصنفہ السمہودی الباب الثانی مطبوعہ مدینہ منورہ)

ترجمہ: موطا میں ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اور مدینہ منورہ میں ایک قبر کھودی گئی۔ قبر میں ایک شخص نے جھانک کر دیکھا۔ اور کہا۔ مومن کا ٹھکانہ بہت برا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برا وہ ہے جو تو نے کہا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا۔ میرا یہ ارادہ نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ فی سبیل اللہ قتل (یعنی اللہ کے راستے میں اس کا شہید ہونا) اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کے راستے میں قتل ہونے کے برابر کوئی بھی کام نہیں۔ میرے نزدیک مدینہ منورہ میں کسی کی قبر ہونا اس سے بڑھ کر کوئی بات پسندیدہ نہیں۔ میرے نزدیک مدینہ منورہ میں کسی کی قبر ہونا اس سے بڑھ کر کوئی

بات پسندیدہ نہیں ہے۔ آپ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔

خلاصۃ الوفاء:

وللبیہقی وابن حبان فی صحیحہ من استطاع ان یموت بالمدینۃ فلیمت فانہ من یمت بہا اشفع لہ واشہد لہ۔

(خلاصۃ الوفاء ص ۲۵ باب ثانی۔ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ)

ترجمہ: بیہقی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا) جو مدینہ منورہ میں فوت کی استطاعت رکھے۔ اُسے وہیں فوت ہونا چاہئے۔ کیونکہ جس کی موت مدینہ منورہ میں آئے گی۔ میں اس کی شفاعت کروں گا۔ اور اس کے لیے (جنتی ہونے کی) گواہی دوں گا۔

خلاصۃ الوفاء کے حوالہ سے مذکورہ دو احادیث میں مدینہ منورہ میں فوت ہونے کی فضیلت درج ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک شخص کی بغیر شہادت تدفین پر افسوس کا اظہار کرنے والے کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس پاک شہر میں قبر نصیب ہونا معمولی بات نہیں۔ شہادت کا مرتبہ اگرچہ بے مثل ہے۔ لیکن مدینہ منورہ میں قبر نصیب ہونا اُس سے کم نہیں۔ بلکہ مرتبہ میں یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اور پھر اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں مدفون کے لیے اعلان شفاعت اور دخول جنت کی گواہی ایک عظیم دولت ہے۔

ان دونوں روایات کو مدنظر رکھ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کے بارے میں بات واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آپ بھی مدینہ منورہ میں ہی مدفون ہیں۔ لہٰذا شہادت سے بلند و بالا مرتبہ کے حق دار ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کے بموجب جنتی بلکہ جنت میں اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اعتراض

اگر کوئی یہ کہے۔ کہ خلاصۃ الوفاء والی روایات اُن لوگوں کے بارے میں ہیں جو دولت ایمان سے مشرف ہوں۔ پھر انہیں حالت ایمان ہی پر موت آئے۔ اور پھر مدینہ منورہ میں قبر نصیب ہو۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا مومن ہونا ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہے؟

جواب: مدینہ منورہ میں قبر نصیب ہونا ایک الگ فضیلت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس سے آپ کے والدین کریمین کا ایمان ثابت کرنا مقصود نہیں۔ ایمان کے ثبوت پر ہم گزشتہ اوراق میں تفصیل سے دلائل پیش کر چکے ہیں۔

نبی علیہ السلام کے والد ماجد کا چودہ سو سال کے بعد تر و تازہ جسم برآمد ہوا

لیکن اب ہم ایک اہم دلیل پیش کرتے ہیں کہ چند سال قبل کی بات ہے۔ جب مسجد نبوی کی توسیع کی خاطر گرد و نواح کی زمین کو ہموار کرنے لگے۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کی قبر کو جب کھودا گیا تو وہ تازہ جسم کے ساتھ موجود تھے۔ پاکستان کے اخبارات میں بھی یہ بات چھپی اس لیے ہم نوائے وقت کی خبر کی کٹنگ فوٹو سٹیٹ کر کے لگا رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں ——— تو قارئین کرام چودہ سو سال کے بعد بھی جس کا کفن میلا نہ ہو جس کا جسم تر و تازہ ہو اس کے مومن و جنتی ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے

قارئین کے سامنے ۱۲ جنوری ۱۹۷۸ء نوائے وقت کی ایک کٹنگ پیش خدمت ہے
"خود فیصلہ کریں؟"

چودہ سو برس بعد
حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب
کا جسد مبارک قبر سے
صحیح حالت میں برآمد ہوا
سات صحابہ کرام کے جسد مبارک
بھی اصل حالت میں تھے

اس پر اگر کوئی بدبخت یہ کہتا پھرے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کی قبر مدینہ منورہ میں ہونا ثابت نہیں ہے۔ تو اس کو میں یہی کہہ سکتا ہوں۔ کہ ۱۹۶۱ء میں فقیر نے حضرت عبداللہ کا مزار اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اور آپ سے محبت کرنے والے حضرات وہاں جا کر آن کے وسیلہ جلیلہ سے دعا مانگتے دیکھے۔ آپ کے مزار اقدس کے حجرہ کے باہر سلطان محمود غزنوی کا نصب کردہ ایک قطعہ موجود تھا۔ جس میں تحریر تھا۔ کہ

"اے صاحب قبر! آپ کے حضور کمینہ محمود کھڑا ہے۔ آپ اپنے صاحبزادے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری سفارش کر دیں۔ تاکہ میری بخشش ہو جائے۔ عبداللہ نام کے تو لاکھوں ہوں گے۔ مگر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والد کہلانے کا حق صرف تمہیں کو حاصل ہے"۔

مثال دو و ستم

آپ کے چند دفعہ تکیہ لگانے کی وجہ سے خانہ کی شان

الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ:

قال جابر بن عبد اللہ کان المسجد مسقوفا علی جذوع النخل

فَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا خَطَبَ يَقُوْمُ إِلَى
جِذْعٍ مِنْهَا فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ سَمِعْنَا لِذَالِكَ
الْجِذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعِشَارِ - وَفِي رِوَايَةِ انسٍ حَتَّى
إِرْتَجَّ الْمَسْجِدُ بِخُوَارِهِ. وفي رواية سهل وَكَثُرَ
بُكَاءُ النَّاسِ لِمَا رَأَوْا بِهِ. وفي رواية المطلب وابي حتى
تَصَدَّعَ وَانْشَقَّ حَتَّى جَاءَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم
فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ فَسَكَتَ زَادَ غَيْرُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ
صلى الله عليه وسلم إِنَّ هٰذَا بَكَى لِمَا فَقَدَ مِنَ الذِّكْرِ وَزَاحِقِيْرِهِ وَالَّذِي
نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَمْ أَلْتَزِمْهُ لَمْ يَزَلْ هٰكَذَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحَزُّنًا
عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم...... وَذَكَرَ الاسفرائني أَنَّ النَّبِيَّ
صلى الله عليه وسلم دَعَاهُ إِلَى نَفْسِهِ فَجَاءَهُ يَخْرِقُ الْأَرْضَ فَالْتَزَمَهُ
ثُمَّ أَمَرَهُ فَعَادَ إِلَى مَكَانِهِ. وَفِي حديث بريدة فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم
إِنْ شِئْتَ أَرُدُّكَ إِلَى الْحَائِطِ الَّذِي كُنْتَ فِيْهِ تَنْبُتُ لَكَ عُرُوْقُكَ
وَيَكْمُلُ خَلْقُكَ وَيُجَدَّدُ لَكَ خُوْصٌ وَثَمَرَةٌ وَإِنْ شِئْتَ أَغْرِسُكَ
فِي الْجَنَّةِ فَيَأْكُلُ أَوْلِيَاءُ اللهِ مِنْ ثَمَرِكَ ثُمَّ أَصْغَى لَهُ
النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَمِعُ مَا يَقُوْلُ فَقَالَ
بَلْ تَغْرِسُنِي فِي الْجَنَّةِ فَيَأْكُلُ مِنِّي
أَوْلِيَاءُ اللهِ وَأَكُوْنُ فِي مَكَانٍ لَا أَبْلَى فِيْهِ فَسَمِعَهُ
مَنْ يَلِيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَدْ فَعَلْتُ
ثُمَّ قَالَ اخْتَارَ دَارَ الْبَقَاءِ عَلَى دَارِ الْفَنَاءِ فَكَانَ

الحسن اذ اخذت بهذا بکی و قال یا عباد اللہ الخشبۃ تحن الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شوقا الیہ بمکانہ فانتم احق ان تشتاقوا الی لقائہ۔

(الشفاء للقاضی عیاض ص ۱۹۹ تا ۲۰۰ جز اول مطبوعہ مصر)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی چھت کھجور کے پرانے درختوں کے ستونوں پر قائم تھی۔ آپ جب کبھی خطبہ دینے کھڑے ہوتے۔ تو ان میں سے ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا لیتے۔ پھر جب آپ کے لیے علیحدہ منبر تیار کیا گیا۔ تو ہم نے اس درخت سے گابھن اونٹنی کی سی آواز سنی...... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ کہ اس کی آواز سے مسجد گونج اٹھی۔ اور سہل کی روایت میں ہے۔ کہ یہ دیکھ کر حاضرین نے بکثرت گریہ کیا۔ مطلب ابن ابی کی روایت میں ہے۔ کہ روتے روتے اس درخت پر خشوعی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور وہ پھٹ گیا۔ یہاں تک کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھ کر اس پر اپنا دستِ اقدس رکھا۔ تو وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ اور راویوں نے یہ بھی بیان کیا۔ کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ درخت اس لیے رو رہا ہے۔ کیونکہ اس نے مخصوص ذکر کھو دیا ہے۔ دیگر حضرات یہ بھی روایت کرتے ہیں۔ کہ خدا کی قسم! اگر آپ اسے سینہ سے نہ لگاتے۔ تو یہ قیامت تک کی جدائی کے غم میں اسی طرح روتا رہتا۔ ...... اسفرائنی ذکر کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو اپنی طرف آنے کو کہا۔ تو وہ زمین چیرتا ہوا بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا۔

آپ نے اُسے سینہ سے لگایا۔ پھر فرمایا۔ کہ اپنی جگہ واپس چلے جاؤ۔ وُہ واپس آ گیا۔ حضرت بریدہ کی حدیث میں ہے۔ کہ اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا۔ اے درخت! اگر تو چاہتا ہے۔ کہ تجھے اسی باغ میں ہی واپس بھیج دُوں جس میں تُو اُگا تھا۔ اور وہاں جا کر تیری جڑیں اور شاخیں پھوٹ نکلیں۔ اور تُو مکمل درخت بن جائے۔ اور تیرا پھل وغیرہ نئے سر سے لگنا شروع ہو جائے۔ اور اگر تیری خواہش یہ ہے۔ کہ تجھے میں جنت میں گاڑ دوں۔ کہ تیرا پھل اللہ تعالیٰ کے ولی کھائیں۔ یہ فرما کر آپ نے درخت سے کان لگائے۔ تاکہ اُس کا فیصلہ سن لیں۔ تو اس نے اپنی رائے یہ ظاہر کی۔ حضور! مجھے جنت میں ہی گاڑ دیں۔ تاکہ میرا پھل اللہ تعالیٰ کے ولی تناول فرمائیں۔ اور میں اُسی جگہ پہنچ جاؤں۔ جس میں مجھ پر پرانا ہونے کی کیفیت نہ آنے پائے۔ درخت کا یہ جواب اُن لوگوں نے بھی سُنا جو قریب بیٹھے تھے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا۔ تمہاری خواہش میں نے پوری کر دی۔ پھر فرمایا۔ اس درخت نے فانی جگہ چھوڑ کر دارِ بقاء کو پسند کیا۔ جناب حسن بصری رضی اللہ عنہ جب حدیث بیان فرمایا کرتے۔ تو رو دیا کرتے۔ اور کہا کرتے۔ اے اللہ کے بندو! ایک خشک درخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبہ کے شوق میں پڑ کر گڑگڑاتا ہے۔ تمہیں تو اس سے بڑھ کر آپ کی ملاقات کا اشتیاق ہے

توضیح:

حنانہ ستون کا واقعہ دیگر احادیث میں تفصیل سے درج ہے۔ بقدر ضرورت ہم بیان کر دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں ابتداءً کھجور کے ایک خشک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر خطاب فرمایا کرتے تھے۔ بعض صحابہ کرام

نے محسوس کیا۔ کہ آپ کو اس سے کچھ تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ لہذا کوئی انتظام ہونا چاہیئے۔ ایک عورت کا غلام لکڑی کا کام جانتا تھا۔ اُسے کہا گیا۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکڑی کا منبر بنائے۔ جس پر آپ بیٹھ کر وعظ و نصیحت فرمایا کریں۔ چنانچہ منبر تیار ہو گیا۔ اور آپ اس پر جلوہ فرما ہوئے۔ اور کھجور کے خشک تنے سے تکیہ لگانا ترک فرما دیا۔ اس جدائی کی وجہ سے وہ ستون گڑگڑایا، فریاد کی، اور آپ نے اسی کی فریاد پر اُسے سینہ سے لگا کر خاموش کر دیا۔ اور اس کی فرمائش پر اُسے جنت کے درختوں میں سے ایک بنا دیا۔

اس مثال کو پیش کرنے سے ہم یہ استنباط کرنا چاہتے ہیں۔ کہ کھجور کا ایک خشک تنا اگر چند دن کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سہارا بنتا ہے۔ اور آپ کے جسم اطہر سے مس کرنے کی فرصت میسر آتی ہے۔ تو اس میں بھی زندگی آ جاتی ہے۔ اور عقلمندوں کی طرح گفتگو کرنے لگتا ہے۔ اور ایسا عقلمند ہو جاتا ہے کہ دارِ فنا پر دارِ بقاء کو ترجیح دے رہا ہے۔ یہ چند دن کا ساتھ تھا۔ اور اُدھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ لگاتار حالتِ حمل میں اور پھر طفولیت میں کئی ماہ رہنا ہے۔ آپ ان کے شکم اطہر میں جلوہ فرما رہے۔ ان کی گود میں کھیلتے رہے اُن کا دودھ نوش فرمایا۔ اتنی طویل قربت و مصاحبت کے ہوتے ہوئے وہ پھر بھی جنت میں نہ جائیں؟ افسوس صد افسوس!! اعتراض کرنے والوں کو کبھی یہ نصیب ہوتا۔ کہ وہ اس محبت بھری نسبت کا تصور کر لیتے۔ کہ والدین کریمین کس محبوب کے والدین ہیں۔ وہ صرف اہل دنیا کے ہی محبوب نہیں۔ اہل سموات کے بھی محبوب ہیں۔ نہیں نہیں وہ تو خالق ارض وسما کے محبوب ہیں۔ اس نسبت کے پیش نظر عقل تو آپ کے والدین کے مقام ارفع واعلیٰ کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

خلاصہ مثال:

مذکورہ مثال کا خلاصہ اور استنباط یہ ہے کہ کھجور کے خشک تنا کو اگر چند دن کے لیے حضور علیہ السلام کا تکیہ بننے کی سعادت حاصل ہو جائے تو اُسے زندگی آجاتی ہے۔ اور اس میں ارباب عقول کی طرح گفتگو کرنے اور عشق رسول میں رونے کی استطاعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار دینے پر جنت کو اختیار کر سکتا ہے تو کیا اس اماں جان کی شان وال کا کیا مرتبہ اور مقام ہوگا کہ جس کو صرف چند ساعات کے لیے ہی علیہ السلام کا تکیہ بننا تو کجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نو ماہ اپنے شکم مبارک میں رکھنے گود میں کھلانے آپ کو چومنے کا شرف حاصل ہو تو کیا وہ ماں جنت میں جا سکتی ہے۔ کہ نہیں اسے افسوس ان اعتراض کرنے والوں کو کبھی اسی نسبت کو محبت کی نگاہ سے تصور کرنا نصیب ہوتا کہ یہ والدین کس محبوب کے والدین ہیں وہ صرف دنیا والوں کے ہی محبوب نہیں بلکہ رب العالمین کے بھی محبوب ہیں۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا لفظ بولا جائے اور اسی تصور سے ان کا مرتبہ اور مقام کو سمجھا جائے تو ان کے مرتبہ اور مقام کا تعین عقل سے وراء الوریٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ تو قارئین کرام اگر یہ لوگ اس کھجور کے خشک تنے جتنی بھی نسبت کا مقام رسول علیہ السلام کے والدین کو تصور کرتے تو کبھی حضور علیہ السلام کے والدین کے خلاف لب کشائی نہ کرتے۔

نوٹ: حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے بارے میں اجماع ہے۔ کہ وہ عرش و کعبہ سے بھی افضل و اعلیٰ ہے۔ اگرچہ اس بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔ لیکن یہاں ایک اور انداز سے ہم بحث کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ آپ کی قبر مبارک کی افضلیت "اجماعی" ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس سے آپ کی والدہ ماجدہ کی رفعتِ شان پر استنباط کرنا چاہتے ہیں۔ افضلیتِ اجماعی کے لیے حوالہ ملاحظہ ہو۔

وفاء الوفاء:

قَدِ انْعَقَدَ الْاِجْمَاعُ عَلٰی تَفْضِیْلِ مَا ضَمَّ الْاَعْضَاءَ الشَّرِیْفَةَ حَتّٰی عَلَی الْکَعْبَةِ الْمَنِیْفَةِ وَاَجْمَعُوْا بَعْدُ عَلٰی تَفْضِیْلِ مَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ عَلٰی سَائِرِ الْبِلَادِ وَاخْتَلَفُوْا اَیُّهُمَا اَفْضَلُ فَذَهَبَ عمر بن الْخَطَّابِ وَابْنُهٗ عَبْدُ اللہ و مالک بن انس واکثر المدنیین اِلٰی تَفْضِیْلِ الْمَدِیْنَةِ وَاَحْسَنَ بَعْضُهُمْ فَقَالَ مَحَلُّ الْخِلَافِ فِیْ غَیْرِ الْکَعْبَةِ الشَّرِیْفَةِ فَهِیَ اَفْضَلُ مِنَ الْمَدِیْنَةِ مَا عَدَا مَا ضَمَّ الْاَعْضَاءَ الشَّرِیْفَةَ اِجْمَاعًا وَحِکَایَةُ الْاِجْمَاعِ عَلٰی تَفْضِیْلِ مَا ضَمَّ الْاَعْضَاءَ الشَّرِیْفَةَ نَقَلَهُ القاضی عیاض وکذا القاضی ابو الولید الباجی قَبْلَهٗ کَمَا قَالَ الْخَطِیْبُ ابن جملة وَکَذَا نَقَلَهٗ ابو الیمن ابن عساکر وَغَیْرُ هُمْ مَعَ التَّصْرِیْحِ بِالتَّفْضِیْلِ عَلَی الْکَعْبَةِ الشَّرِیْفَةِ بَلْ نَقَلَ التاج السبکی عن ابن عقیل الحنبلی اَنَّ تِلْکَ الْبُقْعَةَ اَفْضَلُ مِنَ الْعَرْشِ

وَقَالَ التَّاجُ الفَاكِهِي قَالُوْا لَا خِلَافَ أَنَّ الْبُقْعَةَ الَّتِي ضَمَّتِ الْأَعْضَاءَ الشَّرِيْفَةَ أَفْضَلُ بِقَاعِ الْأَرْضِ عَلَى الْإِطْلَاقِ حَتّٰى مَوْضِعِ الْكَعْبَةِ ثُمَّ قَالَ وَأَقُوْلُ أَنَا أَفْضَلُ بِقَاعِ السَّمٰوٰتِ أَيْضًا وَلَمْ أَرَ مَنْ تَعَرَّضَ لِذٰلِكَ وَالَّذِيْ أَعْتَقِدُهُ أَنَّ ذٰلِكَ لَوْ عُرِضَ عَلٰى عُلَمَاءِ الْأُمَّةِ لَمْ يَخْتَلِفُوْا فِيْهِ وَقَدْ جَاءَ أَنَّ السَّمٰوٰتِ تَشَرَّفَتْ بِمَوَاطِئِ قَدَمَيْهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَلْ لَوْ قَالَ قَائِلٌ إِنَّ جَمِيْعَ بِقَاعِ الْأَرْضِ أَفْضَلُ مِنْ جَمِيْعِ بِقَاعِ السَّمَاءِ شَرَّفَهَا لِكَوْنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حَالًّا فِيْهَا لَمْ يَبْعُدْ بَلْ هُوَ عِنْدِيْ ظَاهِرٌ مُتَعَيِّنٌ۔ (وفاء الوفا جلد اوّل ص ۲۸)

ترجمہ: اس پر اجماع منعقد ہے۔ کہ زمین کا وہ حصہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء شریفہ سے ملا ہوا ہے۔ وہ کعبہ پاک سے بھی افضل ہے۔ اس کے بعد اس پر بھی اجماع ہے۔ کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں بقیہ تمام شہروں سے افضل ہیں۔ ہاں اس میں اختلاف ہے۔ کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ حضرت عمر بن خطاب، عبداللہ بن عمر، مالک بن انس اور اکثر اہل مدینہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ مدینہ منورہ افضل ہے۔ بعض نے جو یہ کہا ہے۔ بڑا اچھا کہا ہے کہ اختلاف کعبہ شریفہ کو چھوڑ کر دوسرے شہروں کی بہ نسبت ہے۔ کیونکہ کعبہ مکرمہ تو مدینہ منورہ سے افضل ہے لیکن مدینہ منورہ سے کعبہ کی افضلیت بھی اس جگہ کو چھوڑ کر ہے۔ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے متصل ہے۔ (یعنی آپ کی

قبرانور، اُسے قاضی عیاض نے نقل کیا ہے۔

اور ان سے پہلے قاضی ابو الولید باجی نے بھی لکھا۔ جیسا کہ خطیب ابن جملہ نے کہا ہے۔ اسی طرح ابو الیمن ابن عساکر وغیرہ نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ اس کے ساتھ بتصریح بھی ان حضرات سے منقول ہے۔ کہ آپ کی قبر شریف کی جگہ کعبہ مکرمہ سے بھی افضل ہے۔ بلکہ ابن عقیل حنبلی سے تاج الدین سبکی نے نقل فرمایا۔ کہ وہ بقعہ مبارکہ عرش سے بھی افضل ہے۔

علامہ تاج فاکہی نے کہا۔ علماء نے فرمایا۔ کہ وہ مبارک جگہ جو آپ کے جسم اطہر سے ملی ہوئی ہے۔ وہ زمین کی تمام جگہوں سے حتی کہ مکہ مکرمہ سے بھی علی الاطلاق افضل ہے۔ پھر کہا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ وہ مقدس جگہ جو آپ کے جسم اطہر سے ملی ہوئی ہے۔ تمام آسمانی جگہوں سے بھی افضل ہے۔ اور عقیدہ پر گرفت کرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ میرا تو عقیدہ ہے۔ کہ امت کے علماء میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف ممکن نہیں۔ یہ بھی آیا ہے۔ کہ آسمانوں کو تو فضیلت دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی سے حاصل ہوئی ہے۔ بلکہ اگر کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے۔ کہ زمین کی تمام جگہیں، آسمانوں کی تمام جگہوں سے افضل ہیں۔ کیونکہ زمین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں تو یہ کوئی بعید از فہم نہیں۔ بلکہ میرے نزدیک یہ بالکل ظاہر اور متعین ہے۔

صاحب وفاء الوفاء علامہ نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ قبر انور کے افضل ترین ہونے پر علامہ زرکشی کی ایک محبت بھرا استدلال یوں پیش فرماتے ہیں۔

وفاء الوفاء:

قَالَ الزَرکَشِی وَتَفْضِیْلُ مَا ضَمَّ الْاَعْضَاءَ الشَّرِیْفَۃَ لِلْمُجَاوَرَۃِ وَلِھٰذَا یَحْرُمُ لِلْمُحْدِثِ مَسُّ جِلْدِ الْمُصْحَفِ

(وفاء الوفا جلد اوّل ص ۲۹)

ترجمہ: علامہ زرکشی نے فرمایا۔ کہ اس جگہ کی افضلیت کی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے متصل ہونا نصیب ہے، کی علت یہ ہے۔ کہ اسے آپ کے جسم اقدس سے ملنا نصیب ہوا۔ اسی اتصال و ملنے کی وجہ (علت) سے بے وضو کے لیے قرآن کریم کی جلد (غلاف) کو چھونا حرام ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی افضلیت علی الاطلاق متفق علیہ عقیدہ ہے۔ اور اس پر اجماع امت منعقد ہے۔ ہاں اگر اختلاف ہے۔ تو قبر انور کے سوا بقیہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں افضلیت کا ہے۔ جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں علامہ زرکشی نے بقعہ مبارکہ کے افضل علی الاطلاق ہونے کی علت مجاورت قرار دے کر قرآن کریم کے چھونے سے اسے واضح فرمایا۔ قرآن کریم کہتا ہے۔ لا یمسہ الا المطہرون۔ اس کو صرف پاک لوگ چھوتے ہیں۔ صراحۃً یہ حکم قرآن کریم کے لیے ہے۔ لیکن جس طرح نفس قرآن کریم کو بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اسی طرح اس کی جلد اس سے لپٹے غلاف وغیرہ کو بھی ہاتھ لگانا منع ہے۔ یہ حرمت و ممانعت، مجاورت واتصال کی وجہ سے آئی۔ اسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ افضل ترین خلق ہے۔ تو اس کی مجاورت والی جگہ بھی افضل ترین ہو جائے گی۔

یہاں یہ بات ذہن میں آ سکتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے ملنے والا زمین کا حصہ وہ قبر شریف کا اندرونی حصہ ہے۔ اور جو اوپر دائیں بائیں غیر متصل ہے

وہ ملا ہوا نہ ہونے کی وجہ سے افضل نہ ہوگا۔ اس بارے میں ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ عرفاً اور عقلاً اندرونی اور بیرونی پوری جگہ کا نام قبر ہوتا ہے۔ اور اندرونی حصہ بیرونی سے متصل ہے لہذا دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا۔ تفاسیر میں ولو انہم اذ ظلموا آیت کے تحت جس اعرابی کا واقعہ مذکور ہے۔ وہ آپ کے وصال کے بعد تیسرے دن حاضر ہوا۔ اور قبر انور کے پاس کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا۔

نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ
فِيهِ الْعَفَافُ وَالْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

ترجمہ: میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ قیام پذیر ہیں۔ اس میں معافی سخاوت اور کرم موجزن ہیں۔

ان قیاسی وعقلی باتوں سے ہٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی افضلیت دلیل نقلی سے بھی ثابت ہے۔ جسے امام جوزی نے الفاء باحوال الفارص ۷۹۶ پر نقل کیا۔ اور اسے صاحب وفاء الوفا نے ان الفاظ سے ذکر کیا۔

وفاء الوفاء:

وروی ابن الجوزی فی الوفاء عن عائشۃ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِخْتَلَفُوْا مِنْ دَفْنِہٖ فَقَالُوْا اَیْنَ یُدْفَنُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ عَلِیٌّ اِنَّہٗ لَیْسَ فِی الْاَرْضِ بُقْعَۃٌ اَکْرَمُ عَلَی اللہِ مِنْ بُقْعَۃٍ قُبِضَ فِیْہَا نَفْسُ رَسُوْلِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم وروی یحیی اِنَّ عَلِیًّا قَالَ لَمَّا اخْتَلَفُوْا لَا یُدْفَنُ اِلَّا حَیْثُ تَوَفَّاہُ اللہُ عزوجل وَاَنْصَرَفُوْا بِذٰلِکَ۔

قُلْتُ وَيُؤْخَذُ مِمَّا قَالَهُ عَلَىٰ مُسْتَنِدٍ نَقْلَ الْإِجْمَاعِ السَّابِقِ عَلَىٰ تَفْضِيلِ الْقَبْرِ الشَّرِيفِ، لِسُكُوْتِهِمْ عَلَيْهِ وَرُجُوْعِهِمْ إِلَى الدَّفْنِ بِهِ۔

وَلَمَّا قَالَ النَّاسُ لِأَبِي بكر رضی الله عنه يَا صَاحِبَ رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قَالَ فِي الْمَكَانِ الَّذِي قَبَضَ اللهُ تَعَالَىٰ رُوْحَهُ فِيْهِ۔ فَإِنَّ اللهَ لَمْ يَقْبِضْ رُوْحَهُ إِلَّا فِيْ مَكَانٍ طَيِّبٍ رواه الترمذی فی شمائله والنسائی فی الکبریٰ واسناده صحیح ورواه ابو یعلی الموصلی ولفظه سَمِعْتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم يَقُوْلُ لَا يُقْبَضُ النَّبِيُّ إِلَّا فِيْ أَحَبِّ الْأَمْكِنَةِ إِلَيْهِ۔

قُلْتُ وَأَحَبُّهَا إِلَيْهِ أَحَبُّهَا إِلَىٰ رَبِّهِ لِأَنَّ حُبَّهُ تَابِعٌ لِحُبِّ رَبِّهِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ حُبُّهُ عَنْ هَوَىٰ نَفْسٍ وَمَا كَانَ أَحَبَّ إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ كَيْفَ لَا يَكُوْنُ أَفْضَلَ وَلِهٰذَا أُخِذَتْ تَفْضِيْلُ الْمَدِيْنَةِ عَلَىٰ مَكَّةَ مِنْ قَوْلِهِ صلی الله علیه وسلم کما فی الصحیح۔

(وفاء الوفا جلد اول ص ۳۲)

ترجمہ: ابن جوزی نے الوفا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ تو صحابہ کرام میں آپ کی تدفین کے بارے میں اختلاف ہوا۔ کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ وہ جگہ

جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی۔ اس سے زیادہ باعزت و افضل دوسری کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ جناب یحییٰ روایت کرتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام کے اختلاف کے وقت حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ آپ کو یقیناً وہیں دفن کیا جائے گا۔ جہاں آپ کی روح اقدس قبض کی گئی۔ اس پر تمام صحابہ کرام راضی (متفق) ہو گئے۔

میں کہتا ہوں۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول اس اجماع سابق کی دلیل ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کا تمام مقامات سے افضل ہونا منقول ہوا۔ کیونکہ علی المرتضےٰ کی بات پر سب صحابہ خاموش ہو گئے۔ اور اسی جگہ دفن کرنے پر رجوع کر لیا۔

جب لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ اے رسول اللہ کے ساتھی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس جگہ دفن کیا جائے؟ فرمایا۔ جہاں آپ کی روح مبارک قبض کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح اقدس یقیناً طیب و افضل مقام پر قبض فرمائی ہے۔ اسے ترمذی نے شمائل میں اور نسائی نے کبریٰ میں ذکر کیا۔ اور اس کی اسناد صحیح ہیں۔ اور ابو یعلیٰ الموصلی نے ان الفاظ سے روایت ذکر کی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر پیغمبر کو اس مقام و جگہ پر روح قبض فرماتا ہے۔ جو اس کی محبوب ترین جگہ ہو۔

میں کہتا ہوں۔ کہ پیغمبر کی محبوب جگہ دراصل اللہ کی محبوب جگہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی محبت اللہ کی محبت کے تابع ہوتی ہے۔ ہاں اگر محبت ہوائی نفس کے تابع ہو تو پھر نہیں اور جو چیز (جگہ) اللہ اور اس کے رسول کو محبوب تر ہو۔ وہ کیونکر افضل نہ ہو گی۔ اسی لیے مدینہ منورہ کی مکہ مکرمہ پر افضلیت بیان کی گئی ہے۔

ناظرین وقارئین کرام! آپ یہ بخوبی جان چکے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر اور جو بھی چیز پیدا فرمائی خواہ وہ زمین سے تعلق رکھتی ہو یا عالم بالا میں اس کا وجود ہو ان میں سے کوئی چیز اس جگہ سے افضل نہیں ہو سکتی۔ جس جگہ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔ اس جگہ کی افضلیت صرف اور صرف اس لیے ہوئی۔ کہ اس نے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو اپنی آغوش میں رکھا ہے۔ جب حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت ہو جانے کی وجہ سے زمین کا وہ ٹکڑا عرش و کرسی اور جنت و کعبہ سے مرتبہ میں بڑھ گیا۔ تو اس نسبت کے پیش نظر جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو دیکھتے ہیں۔ تو لازماً تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ اس نسبت کی وجہ سے آپ کو ارفع و اعلیٰ مرتبہ حاصل ہے۔ بلکہ قبر شریف کی بہ نسبت آپ کی والدہ کے ساتھ آپ کا تعلق کہیں زیادہ ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر میں پرورش پائی۔ اس طرح یہ دونوں ہم جنس ہونے میں قبر کی مٹی سے ممتاز ہوئے۔ پھر ولادت باسعادت کے بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو گود میں کھلایا۔ انہیں دودھ پلا کر جزو و کل کا تعلق قائم کیا یہ تعلق بھی اس زمین کے ٹکڑے کے ساتھ نہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ گود میں لے کر شفقت و محبت بھری نگاہوں سے آپ کو دیکھتی رہی۔ ایسا دیکھنا اس مٹی کو کہاں نصیب؟ پھر یہی والدہ محترمہ فرماتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت مجھ سے ایک نور ظاہر ہوا۔ جس کی روشنی سے میں قیصر و کسریٰ کے محلات دیکھے۔ یہ نسبتیں اور تعلقات اس خطہ زمین کو کہاں حاصل ہے؟ جب قبر انور کو صرف آپ کے جسم اطہر سے لگا رہنے کی وجہ سے یہ مقام و مرتبہ مل گیا۔ تو آپ کی والدہ جو کہ بہت سی نسبتوں اور تعلقات کی حامل ہیں۔ ان کو عرش و کعبہ اور جنت کا مرتبہ حاصل ہونا کیونکر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا معلوم ہوا آپ کی والدہ اعلیٰ درجہ کی جنتی ہیں۔ اور انہیں معاذ اللہ دوزخی کہنے والا اپنے دعول کی وجہ سے اپنی آخرت برباد کر رہے ہیں۔ تمت بالخیر۔

ایک سوال:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق جب ہم کہتے ہیں کہ ان کے کفر و شرک پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا وہ مومن و موحد ہیں۔ اس پر کوئی سوال کر سکتا ہے۔ کہ اگرچہ ان کے کفر و شرک پر دلیل نہیں لیکن ان کے ایمان دار اور موحد ہونے کی کوئی دلیل نہیں

جواب:

اس سوال کا جواب اگرچہ اسی قدر کافی ہے۔ کہ آپ کے والدین کریمین زمانہ فترت میں گزرے اور اس دور میں کسی کے کفر و شرک سے بچا رہنا اس کے مومن ہونے کی دلیل ہے۔ گزشتہ اوراق میں یہ بات تفصیل سے با دلیل گزر چکی ہے۔ کہ آپ کے والد گرامی مشرک نہیں بلکہ موحد تھے۔ آپ کی والدہ صاحبہ کے وہ اشعار جو قریب الوصال انہوں نے کہے۔ وہ ان کے ایمان و ایقان کے گواہی دیتے ہیں۔ آپنے دعا مانگی تھی فَاللّٰهُ اَنْهَاكَ عَنِ الْاَصْنَام۔ اللہ تجھے بتوں کی پوجا سے روکے۔ یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھی۔ اس سے آپ کی والدہ ماجدہ کی بُت پرستی سے نفرت کا پتہ چلتا ہے۔ تبھی تو وہ اپنے فرزند ارجمند کے لیے یہ دعا مانگ رہی ہیں۔

ایک شبہ:

زمانہ فترت کے لوگوں کے بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بتلاتی ہیں۔ کہ ان کا صرف اس دور میں خود شرک و کفر نہ کرنا، دلیل نجات نہیں۔ بلکہ کل قیامت کو ان کا امتحان لیا جائے گا۔ پھر فیصلہ ہوگا۔ ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کل قیامت کو ان کا اہل فترت سے امتحان لے گا۔ کامیاب ہونے والے جنتی اور ناکام جہنمی قرار پائیں گے۔ اہل فترت کہیں گے۔ اے اللہ! ہمارے دور میں تو نے کسی

پیغمبر کو مبعوث نہ فرمایا۔ تاکہ ہم اس کی تبلیغ سے بہرور ہوتے۔ اور جو پیغمبر ہم سے پہلے تشریف لا کر اپنا وقت گذار چکے تھے۔ اُن کی تعلیمات بہت مسخ ہو چکی تھیں۔ بلکہ اُن کا نام و نشان تک نہ ملتا تھا۔ اگر ہمیں یہ موقعہ ملتا۔ تو ہم ضرور ایمان لاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اُن سے اپنی اطاعت کا اقرار لے گا۔ تو وہ کہیں گے ہاں! ہم تیرے اطاعت گزار ہیں۔ حکم ہو گا۔ اگر ایسا ہی ہے تو جہنم میں کود جاؤ۔ اس پر کچھ فوراً جہنم میں کود جائیں گے۔ اور کچھ کھڑے سوچتے رہ جائیں گے۔ جہنم کو پہلے سے حکم ہو چکا ہو گا۔ جو ان میں سے تمہارے اندر آئے۔ اُسے سلامتی اور امن کے ساتھ جگہ دینا۔ خلاصہ یہ کہ جہنم میں چھلانگ لگانے والے جنتی اور اس حکم کی نافرمانی کرنے والے جہنمی ہوں گے۔ جس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ کسی کا زمانہ فترت میں ہونا اور شرک و کفر نہ کرنا وجہ نجات نہیں۔ بلکہ نجات کا دارو مدار قیامت کے امتحان پر ہے ایسی احادیث کے اس مضمون کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں صرف زمانہ فترت میں ہونا اور کفر و شرک نہ کرنا اس سے اُن کا جنتی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

جواب شبہ:

اس شبہ کی بنیاد دراصل اہل فترت کی اقسام سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ اگر اہل فترت کی اقسام پیش نظر ہوتیں تو بات میں کوئی الجھاؤ نہ رہتا۔ بہر حال اہل فترت کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ وہ جو کہ انبیاء سابقین کی تعلیمات کے باقی نہ رہنے کے باوجود موحد ہوں۔

۲۔ وہ جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہوں۔

۳۔ وہ جو غیر اللہ کی پوجا کریں اور نہ ہی موحد ہوں۔ بلکہ اہل غفلت ہوں۔ یا پھر تلاش حقیقت میں سرگرداں ہوں۔ اور کوئی راستہ نہ پائیں۔

ان تین اقسام میں سے قسم اول قطعی جنتی دوسری قسم قطعی دوزخی ہیں۔

تیسری قسم کے لوگوں کے بارے میں مذکورہ احادیث آئی ہیں۔ امتحان ان کا ہوگا۔ بقیہ دو اقسام کے امتحان کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ کیونکہ زمانہ فترت کے موحد، مومن کے حکم میں اور مشرک بہرحال مشرک ہیں۔ اس تقسیم کے بعد ہم یہ دیکھیں گے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کس قسم کے اہل فترت میں آتے ہیں۔ ہم یہ بیان کر چکے ہیں۔ کہ جب تک کسی کے کفر پر دلیل نہ ہو۔ اس میں اصل خیال رکھتے ہوئے ایمان ہی ثابت ہوگا چونکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے کفر و شرک پر ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ لہٰذا وہ مذکورہ تین اقسام میں سے قسم اول میں شمار ہوں گے۔ اس لیے کل قیامت کو یہ لوگ امتحان کے کٹہرے میں کھڑے نہیں ہوں گے۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے۔ کہ آپ کے والدین کریمین تیسری قسم کے اہل فترت ہیں۔ تو پھر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کو سامنے رکھیں گے۔ جن میں آپ نے اپنے ساتھ کیے گئے اللہ تعالیٰ کے ایک عہد کا ذکر فرمایا ہے۔ اس عہد کا تذکرہ تفسیر طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے۔

تفسیر طبری:

حدثنا عباد بن یعقوب قال حدثنا الحکم بن ظهیر عن السدی عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی قال من رضاء محمد صلی الله علیه وسلم ان لا يَدْخُلَ اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهِ النَّارَ

(تفسیر طبری پارہ ص ۲۳۲ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے قول وَ لَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشیوں میں سے ایک خوشی یہ بھی ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہ ہوگا۔

روایت مذکورہ کے بعد الحاوی للفتاوی میں درج ذیل عبارت مذکور ہے۔

الحاوی للفتاوی:

وَلِهٰذَا عمم الحافظ ابن حجر فى قوله الظنّ بِاٰلِ بَيْتِهٖ كُلِّهِمْ اَنْ يُطِيْعُوْا عِنْدَ الْاِمْتِحَانِ......

وعن عمران بن حصين قَالَ قَالَ رَسُوْلُ الله صلی الله علیه وسلم سَاَلْتُ رَبِّي اَنْ لَا يُدْخِلَ النَّارَ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ فَاَعْطَانِيْ ذَالِكَ......

اخرجه الديلمي عن ابن عمر قَالَ قَالَ رَسُوْلُ الله صلی الله علیه وسلم اَوَّلُ مَنْ اَشْفَعُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَهْلُ بَيْتِيْ ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ......

اخرجه الطبرانی من حدیث ام هانی اَنَّ النَّبِيَّ صلی الله علیه وسلم قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَزْعُمُوْنَ اَنَّ شَفَاعَتِيْ لَا تَنَالُ اَهْلَ بَيْتِيْ وَاِنَّ شَفَاعَتِيْ تَنَالُ حَاءَ وَحَكِيْمَ۔

(الحاوی للفتاوی جلد دوم ص ۲۰۷ تا ۲۰۸)

ترجمہ: ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو آپ کی تمام اہل بیت کے لیے عام قرار دیا ہے۔ کہ جب اُن کا امتحان لیا جائے گا۔ تو وہ سبھی اطاعت بجا لائیں گے...... عمران حصین رضی اللہ عنہ بیان فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کل قیامت میں جن کی میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا۔ وہ میری اہل بیت ہو گی۔ پھر ان کے جو زیادہ قریب اور پھر جو قریبیوں کے قریب...... اس کو طبرانی نے

حدیث ام ہانی سے ذکر کیا۔ کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ گمان کیے بیٹھے ہیں۔ کہ میری شفاعت میری اہل بیت کو نہیں ملے گی۔ بے شک میری شفاعت تو حا۔ اور حکم قبیلہ کو بھی ملے گی۔

خلاصۂ کلام:

آیت کریمہ کے ضمن میں مذکور احادیث اس بات کی تصریح کرتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہر ایک بوقت امتحان اطاعت گزار ہو گا۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا بھی اسی پر موقوف ہو گی۔ کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس رضا کو منظور ومقبول فرمایا۔ جبھی تو آپ ایسے لوگوں کی مذمت فرما رہے ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ آپ کی شفاعت خود آپ کے اہل بیت کو نہیں حاصل ہو گی۔ ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو دیکھتے ہیں۔ تو وہ اہل بیت۔ میں ان حضرات کا شمول بالکل واضح ہے۔ اگر اہل بیت سے مراد قرابت دار لیے جائیں۔ تو والدین کریمین سے بڑھ کر اور صاحب قرابت کون ہو سکتا ہے۔ اس عظیم قرابت کی بنا پر آپ سب سے پہلے اُن کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور بموجب عہد پروردگار عالم ان کو جنت میں جگہ عطا ہو گی۔ جگہ بھی ایسی کہ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جائیں۔ یہ جو کچھ ہم نے لکھا صرف اس بنا پر کہ آپ کے والدین کریمین کو اہل قرابت کی تیسری قسم میں شمار کیا جائے ورنہ درحقیقت وہ قسم اول کے اول قسم کے حضرات ہیں۔

اگر کوئی شخص ان دو اقسام کو چھوڑ کر آپ کے والدین کریمین کو دوسری قسم کے اہل قرابت میں جانتا ہے اور اُن کے جہنمی ہونے کا قول کرتا ہے (معاذ اللہ) تو یہ قول ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا موجب بنے گا اور ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ الایۃ کے مصداق، مصداق لعنت باری تعالیٰ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ خود ہمیں اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے بچائے اور ایسے نظریات واعمال سے بھی محفوظ رکھے۔ جس سے ان کی ناراضگی کا خطرہ ہے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

ایک خط کا جواب

نورالعینین فی ایمان ابوین کریمین کی تکمیل کے بعد راقم الحروف شدید علیل ہو گیا ۔ اور پھر عارضہ قلب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تقریباً نو ماہ سے تالیف و تصنیف کا کام رکا ہوا تھا اسی دوران ایک سنی عالم دین کا خط وصول ہوا جس میں اہل تشیع کے چند اعتراضات درج تھے ۔ ایک تو تحریف قرآن کے بارہ میں اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین سے متعلق کہ معاذ اللہ وہ احناف کے نزدیک کافر ہیں ۔ اور اس اعتراض کے لیے تین دلائل نقل کیے ایک دلائل النبوۃ بیہقی سے اور دوسرا التفسیر کبیر امام رازی سے اور تیسرا مسلم شریف سے لیکن بیماری کی شدت کی وجہ سے اس کا جواب لکھنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ اسی دوران پیرومرشد قبلہ سیدی سید پیر باقر علی شاہ صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف نے حکماً فرمایا مولوی صاحب تصنیف کا کام شروع کریں شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے سبب شفا عطا فرمائے ۔ تو میں نے اللہ کے ولی کامل کے حکم کو باعث صحت و نجات سمجھتے ہوئے مذکورہ خط کو تلاش کیا ۔ تو کوشش بسیار کے بعد وہ خط مل گیا ۔ چونکہ اس خط کے ذکر کردہ تینوں دلائل نہایت وزنی تھے جس سے کم علم سے بڑھ کر علماء بھی شک و ریب میں مبتلا ہو سکتے تھے ۔ لہذا فقیر نے ان کے جوابات تحریر کیے ۔ مذکورہ دلائل کے جوابات اگرچہ پہلے بھی تحریر کیے جا چکے ہیں ۔ لیکن ان دلائل کی عبارات اور پھر کتب کے مختلف ہونے کی وجہ سے میں نے ضروری سمجھا کہ ان کے جوابات مفصل طور پر تحریر کیے جائیں ۔ لہذا اب پہلے خط کی اصل عبارت نقل کرتے ہیں ۔ اس کے بعد جوابات تحریر کریں گے ۔

خط کا مضمون

باسمہ سبحانہ ناشر محمد ذکل حسین حنفی
در خدمت اقدس محترم المقام احب الاحترام

مناظر اسلام و وارث سید خیر الانام شیخ الحدیث مولانا محمد علی صاحب دام مجدکم السلام علیکم
مزاج سامی۔ کچھ عرصہ قبل آپ کی تصانیف فقہ جعفریہ و تحفہ جعفریہ مطالعہ میں آئیں ان
کتب کو پڑھ کر میرا جی چاہا کہ آپ سے مکاتبت کا شرف حاصل کروں کیونکہ میری
لائبریری (کہ جس میں اکثر کتب شیعہ کے رد میں ہیں) میں آپ کی کتب نے نمایاں
حیثیت حاصل کر لی ہے۔ جو شخص بھی مطالعہ کرتا ہے تعریف و توصیف کرتا ہے
کیونکہ آپ نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ اکثر دوسرے علماء سے نہیں ہو
سکے۔ آپ کی تصانیف میں دیگر خوبیوں کے علاوہ عبارات پر اعراب اور ساتھ
ترجمہ ہے۔ حضرت والا میرا واسطہ ایسے گھرانہ سے ہے جو کہ شیعیت زدہ ہے۔
لہذا بحث و مباحثہ چھڑا رہتا ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ علماء سے رابطہ رکھوں
برائے کرم جواب سے ضرور نوازیے گا۔ چند اعتراضات جو اہل تشیع کی جانب
سے کئے جاتے ہیں درج کر رہا ہوں۔ آپ سے گزارش ہے۔ کہ تحقیق و تدقیق کی روشنی
میں جواب مرحمت فرمائیں۔ نمبرا تفسیر الصافی، ص ۸۸ پر ہے القرآن الف الف و سبع و عشرون الف حرف کیا یہ عبارت تحریف قرآن کے متعلق ہے۔ نمبر ۲ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان و عدم ایمان کے بارہ میں علماء اہل سنت کا عقیدہ
کیا ہے۔ کیونکہ حضرات شیعہ کی جانب سے درج ذیل روایات پیش کی جاتی ہیں بلا کرم
تشفی فرمائیں۔

سوال ۱: امام بیہقی نے کہا نبی علیہ السلام کے والدین بت پرست تھے۔

(الف) سیرۃ نبویہ باب لم یصح اسلام ابویہ جلد اول ص ۲۳۹ قال
البیہقی فی دلائل النبوۃ وکیف لا یکون ابواہ وجدہ بہذہ
الصفۃ فی الآخرۃ وقد کانوا یعبدون الوثن حتی ماتوا

وَكُفْرُهُمْ لَا يَقْدَحُ فِي نَسَبِهِ لِأَنَّ أَنْكِحَةَ الْكُفَّارِ صَحِيْحَةٌ

سوال ۲: امام نے کہا نبی علیہ السلام کے والدین کو مومن کہنا یہ رافضیوں کا عقیدہ ہے

(ب) تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۲۹۶ آیت وتقلبك في الساجدين سورۃ شعراء وَاعْلَمُوا أَنَّ الرَّافِضَةَ ذَهَبُوا إِلَى أَنَّ آبَاءَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانُوا مُؤْمِنِيْنَ وَتَمَسَّكُوا بِهٰذِهِ الْآيَةِ وَبِالْخَبَرِ........ وَأَمَّا أَصْحَابُنَا فَقَدْ زَعَمُوا أَنَّ وَالِدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ كَافِرًا۔

سوال ۳: امام مسلم نے کہا کہ نبی علیہ السلام کو ماں کے لیے استغفار کرنے سے منع کیا گیا

(ج) صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۰۶ کتاب الجنائز۔ عن ابي هريرة رض قَالَ زَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ أُمِّهِ فَبَكَى وَأَبْكَى مَنْ حَوْلَهُ فَقَالَ اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي براہ کرم ان حوالہ جات کے متعلق مکمل تحقیق و تدقیق سے نوازیں میں بڑی شدت سے انتظار کرونگا تمام احباب کو سلام

والسلام

ماسٹر نذر حسین حنفی ریٹائرڈ سلطان محمد جمالی ڈاک خانہ گروٹ تحصیل و ضلع خوشاب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب اشرح لی صدری و یسر لی امری و احلل

عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔

مذکورہ تینوں سوالات کے بالترتیب جوابات

پہلا اعتراض تفسیر اتقان ص ۸۸ سے جو نقل کیا گیا ہے۔ اس کا جواب عقائد جعفریہ جلد سوم ص ۴۹۵ تا ۵۰۰ تک ملاحظہ فرمائیں۔ لہٰذا اس کے جواب تحریر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب باقی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے بارہ میں اعتراضات ہیں۔ ان کے ترتیب وار جوابات اور اعتراضات کی اصل عبارات نقل کی جاتی ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

سوال اوّل کا جواب:

پہلا اعتراض جو سیرت نبویہ سے بحوالہ دلائل النبوۃ علامہ بیہقی سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کی اصل عبارت حدیث کہ جس سے بیہقی نے وہ عبارت لکھی کہ جس کو معترض نے نقل کیا ہے۔ وہ اصل حدیث پوری معترض نے نقل نہیں کی۔ اس لیے ہم دلائل النبوۃ کی پوری عبارت بمعہ حدیث اور معترض کی عبارت کے نقل کرتے ہیں تا کہ کشف تام ہو کیونکہ معترض نے اصل حدیث کو نقل نہیں کیا کہ جس سے علامہ بیہقی نے وہ عبارت مستنبط کی کہ جس کو معترض نے نقل کیا ہے۔ کیونکہ جب تک اصل حدیث سامنے نہ آئے اس وقت تک بیہقی کے استنباط کی حقیقت واضح نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا حدیث کی اصل عبارت درج ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

دلائل النبوة:

اخبرنا علی بن احمد بن عبدان قال حدثنا
احمد بن عبید الصفار قال حدثنا عبد اللہ
بن شریک قال حدثنا ابن ابی مریم قال حدثنا
ابن نافع بن یزید قال حدثنی ربیعه بن
سیف قال اَخْبَرَنِیْ اَبُوْعَبْدُ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِی
عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عمرو قَالَ قَبَرْنَا مَعَ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلاً فَلَمَّا
رَجَعْنَا وجد بنا بابه إِذَا هُوَ بِامْرَاةٍ مُقْبِلَةٍ
لاَ نَظُنُّهُ عَرَفَهَا فَقَالَ يَا فَاطِمَةُ مِنْ اَيْنَ جِئْتِ
قَالَتْ جِئْتُ مِنْ عِنْدِ اَهْلِ هٰذَا الْمَيِّتِ
رَحِمْتُ اِلَيْهِمْ مَيِّتَهُمْ وَعَزَّيْتُهُمْ قَالَ فَلَعَلَّكِ
بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدٰى قَالَتْ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ اَبْلُغَ
مَعَهُمُ الْكُدٰى وَقَدْ سَمِعْتُكَ تَذْكُرُ فِيْهِ
مَا تَذْكُرُ قَالَ لَوْ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدٰى
مَا رَاَيْتِ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَرَاهَا جَدُّ اَبِيْكِ
قُلْتُ حَبَّةُ اَبِیْهَا لَقَبُهُ المطلب بن هاشم
وَكَيْفَ لاَ يَكُوْنُ اَبَوَاهُ وَجَدُّهُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ
فِي الْاٰخِرَةِ وَكَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْاَوْثَانَ
حَتّٰى مَاتُوْا وَلَمْ يَدِيْنُوْا دِيْنَ عِيْسٰى بْنِ

علیہ السلام و آمرھم لا یقدح فی نسب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لِاَنَّ انکحۃ الکفار

صحیحۃ الا تراھم یسلمون مع زوجاتھم

فلا یلزمھم تجدید العقد و لا مفارقتھن

اذا کان مثلہ یجوز فی الاسلام۔ و باللہ

التوفیق۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۱۹۲ باب ذکر وفات عبد اللہ

ابی رسول اللہ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک آدمی کو دفنایا۔ واپسی پر جب ہم

اس کے گھر کے قریب سے گزر رہے تھے۔ اچانک حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت آئی۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ اسے

نہیں جانتے ہوں گے۔ سو آپ نے اس سے پوچھا۔ اے فاطمہ! کہاں

سے آ رہی ہو؟ عرض کیا۔ اس میت کے گھر والوں سے تعزیت کر کے

آ رہی ہوں۔ پوچھا۔ شائد تو ان کے ساتھ کُدای (قبرستان کا نام) بھی

گئی ہوگی۔ عرض کیا۔ اللہ کی پناہ! میں ان کے ساتھ کُدای جاؤں گی جبکہ

میں نے آپ سے سن رکھا ہے۔ کہ آپ نے اس کے بارے میں جو

فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تو ان کے ساتھ کُدای جاتی تو تو اس وقت

تک جنت نہ دیکھتی جب تک تیرے باپ کا دادا نہ دیکھ لیتا۔ (بیہقی)

کہتے ہیں۔ کہ اس سے مراد عبد المطلب بن ہاشم ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا

ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور دادا، آخرت میں اس

صفت والے (دوزخی) نہ ہوں۔ حالانکہ وہ تادم مرگ بتوں کی پوجا کرتے رہے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین انہوں نے نہ اختیار نہ کیا۔ ان کا دوزخی ہونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں اعتراض کی وجہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اس دور میں کفار کا نکاح درست تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ اپنی بیویوں سمیت مسلمان ہوتے تھے۔ لیکن انہیں پھر سے نیا نکاح کرنے کا نہیں کہا جاتا تھا۔ اور نہ ہی بیویوں کو جدا کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ اسلام میں جائز تھا۔ و باللہ التوفیق۔

حاصل کلام:

امام بیہقی کی ذکر کردہ روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا بت پرست ہونا اور اسی پر ان کا خاتمہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جواب اوّل:

معاملہ ثبوت کفر کا ہو۔ تو اس کے لیے حدیث ضعیف کام نہیں دیتی۔ لہٰذا اس حدیث کے ضعف کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد اور والدین کریمین کا کفر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ روایت مذکورہ کا ایک راوی ربیعہ بن یوسف ضعیف ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے۔

تہذیب التہذیب:

روی له ابی حاتم و النسائی حدیثا من روایته عن الجبلی عن عبد الله ابن عمر فی متع النساء عن زیادة الکدی و الترمذی آخر من روایته عن عبد الله بن عمر فی الموت

بعد الجمعة و قال غریب لیس اسنادہ بمتصل ربیعة انما یروی عن الحبلی عن عبد اللہ بن عمر و لا نعرف ربیعة سماعا من ابن عمر (تھذیب التھذیب جلد سوم ص ۲۵۵ تا ۲۵۶ حرف الراء)

ترجمہ: ربیعہ سے ابوداؤد اور نسائی نے بحوالہ حبلی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی جس کا مضمون یہ ہے۔ کہ کدی کی زیارت عورتوں کے لیے منع ہے۔ اور ترمذی نے جو روایت عبداللہ بن عمر سے بیان کی۔ وہ جمعہ کے بعد موت کے متعلق ہے۔ اور ترمذی نے کہا۔ کہ حدیث غریب ہے۔ اور اس کی اسناد میں اتصال نہیں ہے۔ ربیعہ بواسطہ حبلی حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتا ہے اور ربیعہ کا خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ہمیں معلوم نہیں ہے۔

میزان الاعتدال:

قال الترمذی لا نعرف لربیعه سماعا من عبد اللہ وضعفه الحافظ عبد الحق الازدی عند ما روی له حدیثا یا فاطمه ابلغت معلهم الکدی قالت لا لو بلغت معهم الکدی ما دخلت الجنة حتی یدخلها جد ابیك فقال ھو ضعیف الحدیث عنده مناکیر وقال ابن حبان لا یتابع ربیعة علی ھذا

فِی حَدِیْثِہٖ مَنَاکِیْر۔

(میزان الاعتدال جلد اول ص ۳۳۵ حرف الراء)

ترجمہ: امام ترمذی نے کہا۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے ربیعہ کا سماع ہمیں معلوم نہیں ہے۔ حافظ عبدالحق ازدی نے اس کی (ربیعہ) تضعیف کی ہے۔ اور (ضعیف قرار دینا) اس روایت کے وقت کہا۔ کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ سے کہا۔ اے فاطمہ! کیا تو ان کے ساتھ گدی بھی گئی ہے؟ عرض کیا۔ نہیں۔ فرمایا۔ اگر تو ان کے ساتھ گدی جاتی تو اس وقت تک جنت میں نہ جاتی جب تک تیرے باپ کا دادا اس میں نہ جاتا۔ یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد اس کے متعلق لکھا۔ کہ ربیعہ ضعیف الحدیث ہے۔ وہ مناکیر کی روایت کرتا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے۔ کہ اس پر ربیعہ کی متابعت نہیں کی گئی۔ اس کی حدیث میں مناکیر ہیں۔

توضیح:

مذکورہ حدیث کہ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے غیر مسلم ہونے کو ثابت کیا جا رہا ہے۔ اس کا مرکزی راوی ربیعہ بالاتفاق منکر الاحادیث ہے۔ روایت مذکورہ میں کسی نے اس کی اتباع بھی نہیں کی۔ اور مذکورہ روایت کے ذکر کرنے کے فوراً بعد حافظ عبدالحق ازدی نے اسے ضعیف قرار دیا۔ ایسی ضعیف روایت سے کسی کا کفر ثابت کرنا کون اسے تسلیم کرے گا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا اس روایت سے کفر ثابت کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔

جواب دوم:

مذکورہ ربیعہ کے شیخ ابو عبدالرحمٰن حُبلی بھی اس کی تضعیف پر مہر ثبت کرتے ہیں

قال ابو عبد الرحمٰن ربیعہ ضعیف۔ ابو عبدالرحمٰن کہتا ہے کہ

ربیعہ ضعیف ہے۔ حوالہ کے لیے نسائی شریف جلد اول ص۲۲۶ باب النعی

ملاحظہ ہو۔

جواب سوم:

امام نسائی نے جہاں اس حدیث کو ذکر کیا۔ اس کی شرح کرتے ہوئے

مولوی عطاء اللہ امرتسری نے امام سیوطی کا جواب نقل کیا۔

نسائی شریف:

والسیوطی رح مشعر بالقول بنجاة عبد المطلب

فقال لذالک اقول لا دلالة فی هذا الحدیث

علی ما توهمهم المتوهمون لانه لو مشت

امرأة مع جنازة الی المقابر لم یکن ذالک کفرا

للخلود فی النار کما هو واضح وغایة ما فی

ذالک ان یکون من جملة الکبائر التی یعذب

صاحبها ثم یکون اخر امره الی الجنة واهل

السنة یؤولون ما ورد من الحدیث فی اهل

الکبائر من انهم لا یدخلون الجنة بان المراد

لا یدخلونها مع السابقین الذین یدخلونها

اولا بغیر حساب فغایة ما یدل علیه الحدیث

الْمَذْكُوْرَ أَنَّهَا لَوْ بَلَغَتْ مَعَهُمُ الْكُدَى لَمْ تَرَ الْجَنَّةَ مَعَ السَّابِقِيْنَ

(نسائی شریف جلد اول ص ۲۱۶ مکتبہ سلفیہ لاہور)

ترجمہ: اور علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ جناب عبد المطلب کی نجات کے قائل ہیں انہوں نے کہا۔ کہ اسی لیے میں کہتا ہوں۔ کہ اس حدیث میں جناب عبد المطلب وغیرہ آپ کے آباؤ اجداد کے دوزخی ہونے کا وہم کرنے والوں کے لیے کوئی دلالت نہیں ہے۔ کیونکہ بالفرض اگر وہ عورت جنازہ کے ساتھ قبرستان تک چلی بھی جاتی۔ تو یہ کفر نہ ہوتا۔ کہ جس کی وجہ سے وہ خلود فی النار کا مستحق ہو جاتی۔ جیسا کہ واضح بھی ہے۔ اور اس بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ ایسا کرنا کبیرہ گناہ ہوتا جس پر اس کے مرتکب کو عذاب دیا جاتا۔ اور بالآخر وہ جنت میں چلا جاتا اہل سنت نے حدیث میں وارد اس مضمون کی تاویل کی ہے۔ جس میں کبیرہ گناہ کرنے والوں کو جنت میں داخل ہونے کی گنجائش نہیں وہ یہ کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب ان لوگوں کے ساتھ جو حساب و کتاب کے بغیر سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ لہذا حدیث مذکورہ زیادہ سے زیادہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر وہ عورت کدای قبرستان میں چلی جاتی تو سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والوں کے ساتھ وہ جنت میں داخل نہ ہوتی۔

توضیح:

معترض نے حدیث مذکور کے جملہ "مَا رَأَيْتِ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَرَاهَا جَدُّ أَبِيْكِ" کو قرآن کریم کی کفار کے بارے میں نازل شدہ آیت کے ایک جملہ

لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ، پر قیاس کیا۔ اور تعبیر یہ نکالا کہ جس طرح سوئی کے ناکے سے ہاتھی کا گزرنا محال ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا جنت میں جانا محال۔ جسے علامہ السیوطی نے اس قیاس کردہ وہم اسے تعبیر فرمایا۔ کیونکہ مسلک اہل سنت یہ ہے۔ کہ کبیرہ کا مرتکب بالآخر جنت میں جائے گا۔ اور محال صرف کفار کے لیے ہے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر کُدی نامی قبرستان میں چلی جاتیں۔ تو یہ زیادہ سے زیادہ کبیرہ گناہ ہوتا۔ اس لیے اس امر کے ارتکاب سے وہ خَلُوْدَ فِى النَّار کی مستحق نہیں ہو جاتیں۔ اس کبیرہ کی کچھ سزا چکھنے کے بعد وہ جنت میں بالآخر چلی جاتیں۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ یہاں مفہوم یہ ہے۔ کہ اے فاطمہ اگر تو کُدی میں جاتی۔ تو اپنے باپ دادوں کی طرح سیدھے اور ابتداءً جنت میں جانے والوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوتی۔ بلکہ تو اور تیرے باپ دادا کچھ سزا بھگت کر جنت میں آتے۔ تو معلوم ہوا کہ اس سے صرف اتنا ثابت ہوا۔ کہ آپ کے آباؤ اجداد کبائر کے مرتکب ہیں۔ اور یہ بھی تب کہ زیادہ سے زیادہ ثابت کیا جائے۔ یہ بھی بالفرض ہے ورنہ انہوں نے کوئی صغیرہ کیا اور نہ کبیرہ۔

جواب چہارم:

امام بیہقی نے مذکورہ روایت ذکر کرنے کے بعد یہ ثابت کرنا چاہا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کی چونکہ بت پرستی پر موت واقع ہوئی۔ لہذا ان کا دخول جنت میں ناممکن ہے "جد ابیک" سے مراد امام بیہقی نے عبدالمطلب بن ہاشم لیا۔ یہ ان کی اپنی رائے ہے۔ اس کی تائید میں کوئی آیت یا حدیث مسندہ صحیح بطور سند لاتے۔ تو پھر اس استنباط کا وزن ہو سکتا تھا لیکن تائید کی بجائے اس کی مخالفت میں قرآن و حدیث موجود ہے۔ ہم دعویٰ سے کہہ سکتے

(ز)۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کی بت پرستی کسی مستند و صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اور انہی امام بیہقی سے اسی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے بارے میں کچھ اس قسم کی احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ جن سے ان کا ایمان و اسلام پر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

دلائل النبوۃ:

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل یَوْمَ خَلَقَ الْخَلْقَ جَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِهِمْ ثُمَّ حِیْنَ فَرَّقَهُمْ جَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِ الْفَرِیْقَیْنِ ثُمَّ حِیْنَ جَعَلَ الْقَبَائِلَ جَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِ قَبِیْلَةٍ ثُمَّ حِیْنَ جَعَلَ الْبُیُوْتَ جَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِ بُیُوْتِهِمْ اَنَا خَیْرُهُمْ نَسَبًا وَّ خَیْرُهُمْ بَیْتًا۔

(دلائل النبوۃ ص ۱۶۸ باب ذکر شرف اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو بنایا۔ تو مجھے ان میں سے بہتر مخلوق میں رکھا۔ پھر جب ان کو جدا جدا کیا۔ تو مجھے ان میں اچھے اور بہتر فریق میں رکھا۔ پھر جب ان کے قبیلے بنائے تو مجھے بہتر قبیلہ میں رکھا۔ پھر جب ان کے خاندان بنائے تو مجھے بہتر خاندان میں رکھا۔ میں تمام مخلوق سے نسب و خاندان کے اعتبار سے بہتر ہوں۔

توضیح:

اس بہتری سے مراد مال و دولت و دیگر امور دنیا کی بہتری مراد نہیں۔ کیونکہ یہ بات نبی کے لیے باعث فخر نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی بہتری، بہتری نہیں۔ بلکہ مراد وہ بہتری ہے جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ جب یہ امر واضح ہے۔ کفر و شرک اور بت پرستی وغیرہ سے ایمان و اسلام اللہ کے ہاں بہتر و پسندیدہ ہے۔ تو پھر مذکورہ روایت سے یہ واضح ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اور گھرانہ (آباؤ اجداد) ایمان و اسلام سے مستفیض تھے۔ اس کی تائید میں ایک اور حدیث پاک ہے۔ جس میں آدم سے حضور تک ہر دور میں سات آدمیوں کا اسلام و ایمان پر رہنا مذکور ہے۔ اگر ان سات افراد میں آپ کے والدین کریمین کو شامل نہ کیا جائے تو پھر اور کون ہوگا جو ان کا مصداق ہوگا۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ آپ کے والدین کریمین مسلمان تھے پھر مزید یہ بھی حدیث میں موجود ہے۔ کہ کسی نبی کی والدہ کافرہ نہیں ہوئی۔ تو اس سے بالخصوص سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اور والدہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عدم کفر ثابت ہوا جب کفر و ایمان کے مابین تیسرا کوئی درجہ نہیں۔ تو آپ کی والدہ کا مومنہ ہونا ثابت ہوا۔ مختصر یہ کہ امام بیہقی کی دلائل نبوۃ کی عبارت کو اگر واقعی ان کی ہے تو لغزش پر محمول کریں گے۔ جیسا کہ ملا علی قاری کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں۔ یا پھر الحاقی عبارت ہوگی۔ صورت اولیٰ میں ایمان و اسلام کی تائید میں مذکورہ روایات ان کے رجوع پر محمول بھی ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

جواب پنجم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سے ان کے وصال شریف کے

وقت کہے گئے جو اشعار مختلف کتب میں ملتے ہیں، وہ ان کے بت پرست ہونے کی نفی کرتے ہیں، کیونکہ ان میں وہ بت پرستی سے اجتناب کی وصیت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، وہ اشعار درج ذیل ہیں۔

مسالک الحنفاء:

بارك فيك الله من غلام

يا ابن الذي من حومة الحمام

نجا بعون الملك المنعام

فودي غداة الضرب بالسهام

بمائة من ابل سوام

ان صح ما ابصرت في المنام

فانت مبعوث الى الانام

من عند ذي الجلال والاكرام

تبعث في الحل والحرم

تبعث بالتحقيق والاسلام

دين ابيك البر ابراهام

فالله انهاك عن الاصنام

ان لا تواليها مع الاقوام

(مسالک الحنفاء ص ۲۷ مطبوعہ حیدرآباد دکن مصنفہ امام السیوطی)

ترجمہ: سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا مقام ابواء میں جب انتقال کا وقت قریب آیا، تو یہ اشعار انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وصیت

کرتے ہوئے کہے جنہیں سماع بنت ابی رحم نے سنا اللہ تعالیٰ نے تجھے اے
بیٹے بچپن سے ہی برکت عطا فرمائی۔ اے اس عظیم باپ کے فرزند کہ
جس نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے قربان ہونے سے نجات پائی جب
صبح کے وقت عبدالمطلب نے اپنی قسم پوری کرنے کے لیے قرعہ اندازی
کی۔ تو بار بار آپ کا نام نکلنے کے بعد پھر ان کی طرف سے سو اونٹ
بطور فدیہ ادا کیے گئے۔ اے بیٹے تمہارے متعلق جو کچھ میں نے خواب میں
دیکھا۔ اگر وہ صحیح ہے۔ تو پھر تو تمام کائنات کی طرف مبعوث ہے تو اللہ تعالیٰ
نے تمہیں تمام زمین کے رہنے والوں کی طرف تحقیق و اسلام کے ساتھ
بھیجا ہے۔ آپ کے دادا ابراہیم علیہ السلام کا دین برحق ہے جس کے
تم اس کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ سو اللہ تعالیٰ تمہیں بتوں سے بچائے
رکھے۔ اور اس سے بھی کہ تم اور لوگوں کے ساتھ ان کی دوستی میں ہم
بھرنے لگو۔

مندرجہ بالا اشعار کی شرح اور ان پر تبصرہ کرتے ہوئے مواہب اللدنیہ کے شارح
امام زرقانی رقمطراز ہیں۔

زرقانی شرح مواہب اللدنیہ:

وَهٰذَا الْقَوْلُ مِنْهَا صَرِيْحٌ فِيْ اَنَّهَا مُوَحِّدَةٌ
اِذَا ذَكَرَتْ دِيْنَ اِبْرَاهِيْمَ وَبَعْثَ اِبْنِهَا بِالْاِسْلَامِ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَنَهْيِهِ عَنِ الْاَصْنَامِ وَمُوَالَا
تِهَا وَهَلِ التَّوْحِيْدُ شَيْءٌ غَيْرُ هٰذَا التَّوْحِيْدِ
الْاِعْتِرَافُ بِاللّٰهِ وَاِلٰهِيَّتِهِ وَاَنَّهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ
وَالْبَرَاءَةُ مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَنَحْوِهَا فَهٰذَا الْقَدْرُ

كافٍ في التبري من الكفر والثبوت صفة التوحيد
في الجاهلية قبل البعثة .... ولا يظن
بكل من كان في الجاهلية انه كافر فقد
تحنف فيها جماعة فلا بد ان تكون امه
صلى الله عليه وسلم منهم كيف واكثر من تحنف
انما كان سبب تحنفه ما سمعه من اهل الكتاب
والكهان قرب زمنه صلى الله عليه وسلم
من انه قرب بعث نبي من الحرم وصفته كذا و
امه صلى الله عليه وسلم سمعت من ذالك اكثر
مما سمعه غيرها وشاهدت في حمله وولادته
من اياته الباهرة ما يحمل على التحنف ضرورة
ورأت النور الذي خرج منها اضاء له قصور
الشام حتى رأتها كما ترى امهات النبيين۔

(زرقانی شرح المواہب جلد اول ص ۱۲۵ ذکر
وفات سیدہ آمنہ)

ترجمہ: قول اس بارے میں صریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ
موحدہ تھیں۔ کیونکہ انہوں نے دین ابراہیم کا ذکر کیا۔ اور اپنے فرزند کی
دین اسلام کے ساتھ بعثت اور بتوں کی پوجا سے ممانعت اور ان
کی موالات سے منع کا بھی ذکر کیا۔ تو کیا توحید اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
کے اقرار اس کے شریک نہ ہونے کی تصریح اور بتوں وغیرہ کی پوجا سے
منع کرنے کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے؟ بعثت سے قبل دور جاہلیت

بجائے بیزاری اور اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی صفت بیان کرنا مسلمان ہونے کے لیے کافی تھا۔ یہ ہرگز گمان کیا جائے کہ دورِ جاہلیت میں ہر ایک کافر تھا۔ کیونکہ اس دور میں ایک جماعت ایسی بھی رہی جو دینِ حنیف پر قائم تھی۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدہ ماجدہ کا اس جماعت میں سے ہونا انتہائی ضروری ہے۔ دینِ حنیفی پہ قائم رہنے والوں کا سبب یہی تھا۔ کہ انہوں نے اہل کتاب ۔اور کاہنوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا زمانہ قریب ہونا سن رکھا تھا۔ اور یہ کہ حرم میں عنقریب ایک اللہ کا نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ جس کی صفات یہ یہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے بہ نسبت دوسروں لوگوں کے اس بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ بلکہ دورانِ حمل و ولادت بہت سی واضح نشانیاں ملاحظہ فرمائیں تھیں۔ جو انہیں دینِ حنیفی پہ قائم ہونے کے لیے کافی و ضروری تھیں۔ اور آپ کی والدہ نے اپنے جسم سے ایک نور نکلتا دیکھا۔ جس سے شام کے محلات چمک اُٹھے تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے دیگر انبیاء کرام کی والدات کی طرح سب کچھ دیکھا۔ اور اس کے علاوہ سیدہ آمنہ کے موحدہ ہونے پر کچھ اور بھی شواہد موجود ہیں۔

طبقات ابن سعد:

أُعِيذُهُ بِاللّٰهِ ذِي الْجَلَالِ　　مِنْ شَرِّ مَا مَرَّ مِنْ جِبَالِ

حَتّٰى أَرَاهُ حَامِلَ الْحِلَالِ　　وَيَفْعَلَ الْعُرْفَ إِلَى الْمَوَالِي

وَغَيْرِهِمْ مِنْ حَشْوَةِ الرِّجَالِ۔

(طبقات ابن سعد۔ جلد اوّل ص ۱۱۱ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: (جب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا تو مندرجہ اشعار کہے) میں اس کو اللہ ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں۔ ہر اس چیز کی شر سے جو پہاڑوں سے اترتی ہے

پر پناہ کی درخواست اس وقت تک کے لیے ہے جب یہ بچہ ہتھیار اٹھانے کے قابل ہو جائے اور غلاموں اور دوسرے مستحقین کی مدد کے قابل ہو جائے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ اشعار میں اللہ ذوالجلال کی پناہ کا ذکر کرنا اور مصائب و تکالیف میں اُسے ماویٰ و ملجا تسلیم کرنا ان کے ایمان کی واضح علامت ہے۔ اگر بتوں کی پوجا ان کا معمول ہوتی۔ تو ایسے مواقع پر اس کا اظہار ضروری کرتیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہ مومنہ تھیں۔

طبقات ابن سعد:

يَا حَلِيمَةُ! اِعْلَمِيْ اَنَّكِ قَدْ اَخَذْتِ مَوْلُوْدًا لَهُ شَانٌ وَاللّٰهِ لَحَمَلْتُهُ فَمَا حَمَلْتُ اَحَدٌ مَا تَجِدُ النِّسَاءُ مِنَ الْحَمْلِ وَلَقَدْ اُتِيْتُ۔

(طبقات ابن سعد۔ جلد اول صفحہ ۱۵۱)

ترجمہ: سیدہ آمنہ نے سیدہ حلیمہ سے گفتگو کرتے ہوئے مزید کہا: اے حلیمہ! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے ایک عظیم الشان بچے کو گود میں لیا ہے خدا کی قسم! جب یہ میرے پیٹ میں تھا۔ تو مجھے ایسی کوئی تکلیف نہ ہوتی جو عورتوں کو دوران حمل ہوا کرتی ہے۔ اور میں نے انہیں جنم دیا۔ اور جب اس بچے کی ولادت کا وقت قریب آیا۔ تو مجھے کسی کہنے والے نے کہا۔ اِنَّكِ سَتَلِدِيْنَ غُلَامًا فَسَمِّيْهِ اَحْمَدَ وَهُوَ سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ۔ تیرے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے اس کا نام احمد رکھنا وہ تمام کائنات والوں کا سردار ہے۔

قارئین کرام! سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا خدا کی قسمیں اٹھانا اور ان آوازوں

کا سننا جو اللہ کی طرف سے بطور بشارت دی گئیں یہ ان کے ایمان دار ہونے پر واضح دلالت کرتا ہے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سید العالمین ہونے کو تسلیم کرکے اسے سیدہ حلیمہ سے بیان کرنا اس کی مزید تاکید کرتا ہے۔ ان شواہد و حقائق کے ہوتے ہوئے ان کو بت پرست گمان کرنا بعید از عقل ہے۔

عبد المطلب کے مومن و موحد ہونے پر دو شواہد

زرقانی:

(فَنَادٰی لِسَانُ الْقُدْرَةِ اَنَّ نَبِیَّهُ الْکَرِیْمَ یَکُوْنُ رَضِیْعًا لِحَلِیْمَةَ) مِنَ الْحِلْمِ وَقَدْ ذَکَرَ الْخَرْقِیْ اَنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ سَمِعَ وَقْتَ دُخُوْلِ حَلِیْمَةَ هَاتِفًا یَقُوْلُ۔ اِنَّ ابْنَ اٰمِنَةَ الْاَمِیْنَ مُحَمَّدٌ۔ خَیْرُ الْاَنَامِ وَخَیْرُ الْاَخْیَارِ۔ مَا اِنْ لَهٗ غَیْرَ الْحَلِیْمَةِ مُرْضِعٌ۔ نِعْمَ الْاَمِیْنَةُ هِیَ عَلَی الْاَبْرَارِ۔ مَامُوْنَةٌ عَلٰی کُلِّ عَیْبٍ فَاحِشٍ وَنَقِیَّةُ الْاَثْوَابِ وَالْاَزْرَارِ لَا تُسْلِمَنْهُ اِلٰی سِوَاهَا اِنَّهٗ اَمْرٌ وَحُکْمٌ جَاءَ مِنَ الْجَبَّارِ۔

(زرقانی جلد اول ص ۱۴۲)

ترجمہ: زرقانی میں مندرجہ بالا اشعار کے نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوگئی تو ایک فرشتہ نے آسمان سے ندا کی اس نومولود کو دودھ پلانے

کی سعادت کون حاصل کرے گا؟ پرندوں نے پیش کش کی کہ یہ ذمہ داری ہمیں دی جائے۔ ہم اس خدمت کو اپنے لیے باعث عظمت تصور کریں گے اسی طرح کی آرزو جنگلی جانوروں نے بھی کی۔ پھر قدرت کی طرف سے حلیمہ سعدیہ کے انہیں یہ آواز آئی) اللہ تعالیٰ کے مکرم پیغمبر کو دودھ پلانے والی حلیمہ صاحب علم ہوں گی۔ مذکور ہے۔ کہ عبدالمطلب نے حلیمہ کے تشریف لانے کے وقت سنا۔ ہاتف نے کہا۔ امنہ آمنہ کا صاحبزادہ محمد نامی تمام لوگوں اور تمام اچھوں سے اچھا ہے۔ اس کا حلیمہ کے سوا اور کوئی دودھ پلانے والا نہیں ہاں سیدہ امنہ وہ بہت پارسا عورت ہیں۔ ہر عیب سے بچی ہوئی بہت بہتر اور کپڑوں کے اعتبار سے نہایت ستھری عورت ہیں تمہیں حکم پروردگار ہے۔ کہ حلیمہ کے سوا کسی اور کو ہرگز یہ بچہ سپرد نہ کرنا۔

البدایہ و النہایہ:

قَامَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ یَدْعُوْ اللّٰہَ وَ ذَکَرَ یُوْنُسُ بْنُ بُکَیْرٍ عن محمد بن اسحاق اَنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ الْمَحْمُوْدُ رَبِّیْ اَنْتَ الْمُبْدِیُٔ الْمُعِیْدُ اِنْ شِئْتَ اَلْھَمْتَ کَمَا تُرِیْدُ لِمَوْضِعِ الْحِلْیَۃِ فِی الْحَدِیْدِ فَبَیِّنِ الْیَوْمَ کَمَا تُرِیْدُ اِنِّیْ نَذَرْتُ الْعَاھِدَ الْمَعْھُوْدَ اِجْعَلْہُ رَبِّ لِیْ فَلَا اَعُوْدُ۔

(البدایۃ النہایہ جلد دوم ص ۲۷۶)

ترجمہ: جناب عبدالمطلب اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہوئے کھڑے ہوئے

یونس ابن بکیر نے محمد بن اسحاق سے ذکر کیا کہ عبدالمطلب نے کہا اے اللہ! تو ہی بادشاہ اور تعریف و حمد کے قابل ہے۔ اے میرے پروردگار! تو ہی ابتدا پیدا کرنے والا اور پھر لوٹانے والا ہے۔ اگر تو چاہے تو مجھے سونے اور چاندی کی روکاوٹ کے باوجود الہام سے نواز دے۔ سوال کے دن تو اپنے وعدہ کو پورا کر دے۔ میرے نے تو نذر مانی ہوئی ہے تو اس سے بھر جانے کی مجبوری سے منت نہ عطا کر۔

توضیح:

زرقانی اور البدایہ والنہایہ کے مذکورہ حوالہ جات سے جناب عبدالمطلب کے موحد اور مومن ہونے کا روز روشن کی طرح ثبوت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الہامی طریقہ سے انہیں حکم دیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کی سعادت سیدہ حلیمہ کو ہوگی ماں کے سوا کسی اور عورت کو ہرگز سپرد نہ کرنا علاوہ ازیں خود جناب عبدالمطلب اپنے اشعار میں اللہ رب العزت کی ایسی حمد و ثنا کر رہے ہیں۔ جو ایک مومن ہی کر سکتا ہے۔ مشرک تو ایسے نظریات سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے والے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ملک، محمود، مبدئ، المعید اور رب ایسے صفاتی اسماء کا ذکر کیا۔ حالانکہ مشرکین اور کفار مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے معتقد ہی نہیں ہوتے۔ قرآن کریم خود ان کے باطل نظریات کی یوں ترجمانی کرتا ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو پھر زندہ کیے جائیں گے؟ یہ لوٹنا بہت دور کی بات ہے۔ اس کے برخلاف جناب عبدالمطلب اس کا اقرار کر رہے ہیں۔ اور پھر یہ بھی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے آرزو کرتے ہیں۔ کہ میں نے زمزم کا کنواں

کھودنا ہے۔ اگرچہ جس جگہ کو کھودنے کا ارادہ رکھتا ہوں وہ اساف اور نائلہ نامی بتوں کے درمیان ہے۔ اور کھودنے کی وجہ سے بتوں کو نقصان پہنچے گا اور اس پر مشرکین مکہ مجھ سے ناراض بھی ہو جائیں گے لیکن اگر اللہ چاہے تو یہ سب کچھ میرے سامنے روکاوٹ نہیں بن سکتا۔ میں تیری مدد اور مشیت سے یہ کام اور مانی ہوئی نذر پوری کر کے ہی دم لوں گا۔

امام بیہقی کی مذکورہ روایت سے معترض نے یہ ثابت کیا کہ جناب عبدالمطلب مومن نہ تھے۔ اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم نے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دیا ہے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے بوقت وصال جو اشعار کہے وہ ان کے نظریات و معتقدات کی آخری دلیل ہیں۔ جب دنیا سے جا رہی ہیں۔ تو ایمان و توحید کے ساتھ جا رہی ہیں اسی طرح جناب عبدالمطلب کے مواقع پر نظم و نثر اس پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ ذات حق پر یقین کامل رکھتے تھے۔ اور توحید کے زبردست عامل و پیرو تھے۔ لہذا یہی عقیدہ ہم مسلمانوں کو بھی ان کے متعلق رکھنا چاہیئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

توضیح:

علامہ زرقانی نے جو تبصرہ و تشریح کی وہ کسی بیان کی محتاج نہیں ہے۔ اس تبصرہ اور دوسرے شواہد سے یہ وہم بالکل جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین جنتی نہ تھے۔ لہذا امام بیہقی کی مذکورہ عبارت کے متعلق ہم وہی کچھ کہہ سکتے ہیں۔ جو لکھا جا چکا ہے۔ یعنی یا تو ان سے لغزش ہو گئی۔ اور بعد میں ان کے متعلق حسن ظن رکھتے ہوئے توبہ اور رجوع کا قول کر لیا۔ یا پھر اس عبارت کو الحاقی شمار کیا جائے گا۔ یہ اس لیے کہ ان جیسے حضرات کا عقیدہ ہمیں ان کے بارے میں یہ کہنے کی ہمت نہیں دیتا۔ کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں عدم ایمان کے معتقد ہوں گے۔

دوسرے سوال کی پوری عبارت

تفسیر کبیر:

وَاعْلَمْ اَنَّ الرَّافِضَةَ ذَهَبُوْا اِلٰى اَنَّ اٰبَاءَ النَّبِيِّ
كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ وَتَمَسَّكُوْا فِيْ ذٰلِكَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ
وَبِالْخَبَرِ ثُمَّ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالُوْا قَوْلُهُ تَعَالٰى
وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ يَحْتَمِلُ الْوُجُوْهَ الَّتِيْ
ذَكَرْتُمْ وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ الْمُرَادُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى
نَقَلَ رُوْحَهُ مِنْ سَاجِدٍ اِلٰى سَاجِدٍ كَمَا نَقُوْلُهُ
نَحْنُ وَاِذَا احْتَمَلَ كُلَّ هٰذِهِ الْوُجُوْهِ وَجَبَ
حَمْلُ الْاٰيَةِ عَلَى الْكُلِّ ضَرُوْرَةَ اَنَّهُ لَا مُنَافَاةَ
وَلَا رُجْحَانَ وَاَمَّا الْخَبَرُ فَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ
اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ
وَكُلُّ مَنْ كَانَ كَافِرًا فَهُوَ نَجَسٌ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى اِنَّمَا
الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ قَالُوْا فَاِنْ تَمَسَّكْتُمْ عَلٰى فَسَادِ
هٰذَا الْمَذْهَبِ بِقَوْلِهِ تَعَالٰى وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ
لِاَبِيْهِ اٰزَرَ قُلْنَا الْجَوَابُ عَنْهُ اَنَّ لَفْظَ الْاَبِ
قَدْ يُطْلَقُ عَلَى الْعَمِّ كَمَا قَالَ اَبْنَاءُ يَعْقُوْبَ

عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهٗ تَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ فَسَمّٰى اِسْمَاعِيْلَ اَبًا لَهٗ مَعَ اَنَّهٗ كَانَ عَمًّا لَهٗ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ رُدُّوْا عَلَىَّ اَبِىْ يَعْنِى الْعَبَّاسَ وَ يَحْتَمِلُ اَيْضًا اَنْ يَكُوْنَ مُتَّخِذُ الْاَصْنَامِ اَبَ اُمِّهٖ فَاِنَّ هٰذَا قَدْ يُقَالُ لَهُ الْاَبُ قَالَ تَعَالٰى وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَعِيْسٰى فَجَعَلَ عِيْسٰى مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرَاهِيْمَ مَعَ اَنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ جَدَّهٗ مِنْ قِبَلِ الْاُمِّ۔ وَاعْلَمْ اَنَّا نَتَمَسَّكُ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى لِاَبِيْهِ اٰزَرَ كَمَا ذَكَرُوْهُ وَصَرْفُ اللَّفْظِ عَنْ ظَاهِرِهٖ وَاَمَّا حَمْلُ قَوْلِهٖ (وَتَقَلُّبَكَ فِى السَّاجِدِيْنَ) عَلٰى جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ فَغَيْرُ جَائِزٍ لِمَا بَيَّنَّا اَنَّ حَمْلَ الْمُشْتَرَكِ لِكُلِّ مَعَانِيْهِ غَيْرُ جَائِزٍ وَاَمَّا الْحَدِيْثُ فَهُوَ خَبَرٌ وَاحِدٌ لَا يُعَارِضُ الْقُرْاٰنَ۔

(تفسیر کبیر جلد ۲۴ ص ۱۷۳ مطبوعہ مصر زیر آیت و تقلبک فی الساجدین)

ترجمہ: معلوم ہوا کہ رافضیوں کا مذہب یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد مومن تھے۔ انہوں نے اس پر مذکورہ آیت سے تمسک کیا ہے۔ اور ایک حدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے۔ پھر اس آیت کے بارے میں انہوں نے کہا کہ اس میں مختلف وجوہ کا احتمال ہے۔ جو تم نے ذکر کی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل کی۔ جیسا کہ

یہ قول ہم بھی کرتے ہیں جب اس آیت میں یہ تمام وجوہ محتمل ہیں، تو پھر آیت کو تمام وجوہ پر محمول کیا جانا واجب ہوگا۔ کیونکہ ان وجوہ کے مابین کسی وجہ کو ترجیح یا ان میں باہم منافاۃ نہیں ہے۔ اور حدیث پاک یہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا آیا ہوں۔ اور ہر کافر نجس و ناپاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بے شک مشرکین ناپاک ہیں۔ پھر رافضیوں نے مزید کہا۔ کہ اگر تم اس مذہب کے فاسد ہونے پر یہ دلیل پیش کرتے ہو۔ کہ

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو کہا۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں۔ کہ لفظ "اب" چچا کے لیے بولا گیا ہے۔ جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا۔ نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ الاٰیۃ ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم، اسحاق اور اسماعیل علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے۔ ان حضرات نے حضرت اسماعیل کو جناب یعقوب کا "اب" کہا۔ حالانکہ آپ ان کے چچا تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے میرا اب لوٹا دو۔ یعنی عباس۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ بتوں کی پوجا کرنے والا اُن کا نانا ہو۔ کیونکہ نانا کو بھی اب کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و من ذریته داؤد الایۃ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے حضرت داؤد، سلیمان...... اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو ذریت ابراہیم کہا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے والدہ کی طرف سے نانا تھے۔ جان لو کہ ہم (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے والدین کے عدم ایمان پر اللہ تعالیٰ کے قول لابیہ آزر سے تمسک کرتے ہیں۔ جیسا کہ رافضیوں نے ذکر کیا ہے۔ اور لفظ کو اپنے ظاہر سے کسی دلیل

کے بغیر پھیرنا درست نہیں ہوتا۔ اور تقلبك فی الساجدین کو تمام وجوہ مذکورہ پر محمول کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے۔ کہ لفظ مشترک کا تمام معانی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے۔ رہا حدیث مذکور کا معاملہ تو وہ خبر واحد ہے اور ایسی حدیث قرآن کریم کے معارض نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے چند امور معلوم ہوئے۔

۱۔ رافضی اس بات کے قائل ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد مومن تھے۔

۲۔ ان رافضیوں کی دلیل آیت و تقلبك فی الساجدین اور حدیث الم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الحدیث ہے۔ آیت مذکورہ میں تمام احتمالات میں باہم منافات نہیں اور نہ ہی کسی کو کسی پر ترجیح ہے۔ لہذا سارے احتمالات درست ہیں۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے عدم ایمان پر "لابیہ آزر" سے استنباط درست نہیں۔ کیونکہ لفظ اب عربی زبان میں باپ، چچا اور نانا پر بھی بولا جاتا ہے

۴۔ امام رازی نے رافضیوں کے جواب میں کہا۔ کہ "لابیہ آزر" میں لفظ "اب" کا جو ظاہر اور حقیقی معنی ہے وہ باپ ہی ہے۔ لہذا اسے چھوڑ کر غیر ظاہر معنی لینا درست نہیں۔

۵۔ اور حدیث مذکورہ خبر واحد ہے۔ جسے رافضیوں نے آپ کے آباؤ اجداد کے مومن ہونے پر بطور دلیل پیش کیا۔ اور خبر واحد، قرآن کریم کے معارض نہیں ہو سکتی۔

۶۔ آیت و تقلبک فی الساجدین اُن وجوہ و احتمالات میں مشترک ہے جو مفسرین نے بیان کیں۔ اور مشترک کا بیک وقت تمام معانی پر بولا جانا درست نہیں۔

لہذا معلوم ہوا۔ کہ امام رازی نے روافض کے مذہب کی تردید کر کے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد مومن نہیں۔ اور اسے اہل سنت کا عقیدہ قرار دیا ہے۔

سوال دوم کا جواب اوّل:

امام رازی کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین و آباؤ اجداد تمام کے مومن ہونے کا عقیدہ رافضیوں کا ہی ہے۔ یہ درست نہیں۔ کیونکہ اہل سنت کے ایک نامور محقق علامہ السیوطی بڑی شد و مد کے ساتھ اسی عقیدہ کے معتقد ہیں۔ انہوں نے اس کی تائید میں مستقل سات عدد رسالہ جات تصنیف فرمائے۔ جن میں بہت سی آیات و احادیث سے اپنا عقیدہ ثابت کیا۔ علاوہ ازیں جن سنی علماء کی تحریرات اس کے خلاف ملتی ہیں۔ مثلاً ملا علی قاری ہیں۔ ان کا اس سے رجوع بھی بعض کتب میں مذکور ہے۔ اسی موضوع پر علامہ آلوسی کہتے ہیں۔

روح المعانی:

وَاسْتُدِلَّ بِالْآيَةِ عَلٰى اِيْمَانِ اَبَوَيْهِ صلى الله عليه وسلم كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ كَثِيْرٌ مِنْ اَجِلَّةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَاَنَا اَخْشٰى الْكُفْرَ عَلٰى مَنْ يَقُوْلُ فِيْهِمَا رضى الله عنهما عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ عَلِيِّ الْقَارِيْ وَاَضْرَابِهِ بِضِدِّ ذَالِكَ۔

(روح المعانی جلد ۱۹ ص ۱۳۸ زیر آیت و تقلبک فی الساجدین)

ترجمہ: آیت (و تقلبك فى الساجدين) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان پر استدلال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یہ اکثر جلیل القدر اہل سنت کا مذہب ہے۔ اور میں تو اس شخص کے بارے میں کفر کا خوف رکھتا ہوں۔ جو ملا علی اور ان جیسے لوگوں نے آپ کے والدین کے متعلق عدم ایمان کا قول کیا۔ یہ ان کی ضد ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ مذکورہ عقیدہ صرف رافضیوں کا ہی نہیں ہے۔ بلکہ اہل سنت کے جلیل القدر حضرات کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ لہٰذا اسے صرف روافض کا عقیدہ قرار دینا قطعاً درست نہیں۔

امام رازی نے و تقلبك فى الساجدين میں مختلف احتمالات و وجوہ کو آیت میں مشترک کہہ کر کہا کہ مشترک کے بیک وقت تمام معانی نہیں لیے جا سکتے جس وہ رافضیوں کے اس قول کی تردید کر رہے ہیں کہ اس آیت میں مختلف وجوہ و احتمالات میں منافات اور ترجیح نہیں۔ لہٰذا تمام وجوہ اد لی جا سکتی ہیں۔ رافضیوں کی طرف منسوب کیا گیا مذکورہ قول فقیر کو تلاش بسیار کے باوجود نظر نہیں آیا۔ بہر حال اگر امام رازی کے اس قول کو دیکھا جائے۔ تو مشترک جب تک مشترک ہے۔ اس کے تمام معانی بیک وقت یا کوئی ایک (بلا ترجیح) لینا درست نہ ہوگا۔ اور جب اس کے کسی معنی کو ترجیح مل جائے۔ تو وہ مؤول بن جاتا ہے۔ اور مؤول قابل عمل ہے۔

رہا لفظ اب کو ظاہر سے پھیرنا تو اولاً یہ کہ اسے ظاہر سے پھیرا ہی نہیں گیا۔ شاید امام رازی کی نظر میں اس کا ظاہری معنی صرف "والد حقیقی" ہی ہے۔ حالانکہ والد حقیقی کے لیے لفظ "والد" موجود ہے۔ جیسے چچا، دادا وغیرہ کے لیے استعمال کرنا غیر ظاہر ہے۔ لیکن لفظ "اب" خود حدیث صحیح میں چچا کے لیے استعمال ہوا۔ اور قرآن کریم میں بھی چچا کے لیے استعمال ہوا اس لیے اسے ظاہر سے پھیرنے کا الزام درست نہیں ہے۔ علامہ السیوطی اسی موضوع پر لکھتے ہیں۔

الحاوی للفتاوی:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْہِ اٰزَرَ۔ قَالَ اِنَّ اَبَا اِبْرَاهِیْمَ لَمْ یَکُنْ اِسْمُہٗ اٰزَرَ وَاِنَّمَا کَانَ اِسْمُہٗ تَارِخَ وَاَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ مِنْ طُرُقٍ بَعْضُہَا صَحِیْحٌ عَنْ مُجَاہِدٍ قَالَ لَیْسَ اٰزَرَ اَبَا اِبْرَاهِیْمَ وَاَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ فِیْ قَوْلِہٖ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْہِ اٰزَرَ قَالَ لَیْسَ اٰزَرُ بِاَبِیْہِ اِنَّمَا هُوَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ تَیْرَحَ اَوْ تَارِحَ بْنُ شَارُوْخَ بْنُ نَاحُوْرَ بْنِ فَالِخَ وَاَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ عَنِ السُّدِّیْ اَنَّہٗ قِیْلَ لَہٗ اِسْمُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ اٰزَرُ فَقَالَ بَلْ اِسْمُہٗ تَارِخُ۔

(الحاوی للفتاوی جلد ثانی ص ۲۱۴)

ترجمہ: جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اب آزر سے کہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہیں بلکہ تارخ ہے۔ ابن ابی شیبہ، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے مختلف طرق سے جن میں سے بعض صحیح ہیں جناب سدی سے بیان کیا، کہ آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے۔ ابن منذر نے سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے بیان کیا کہ مذکورہ آیت میں آزر حضرت ابراہیم کے والد نہ تھے۔ بلکہ آپ کا نسب یوں ہے۔ ابراہیم بن تیرح یا تارخ بن شاروخ بن ناحور بن فالخ ابن ابی حاتم صحیح سند کے ساتھ سدی سے ہی ذکر کیا کہ ان سے کہا گیا۔ ابراہیم کے والد کا نام آزر ہے۔ فرمایا نہیں بلکہ ان کا نام تارخ ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والدین کیلئے استغفار کرنا قرآن کریم میں منقول ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مشرکین و کفار سے بیزاری اور عدم استغفار کا بھی ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ ان دونوں باتوں کے پیشِ نظر یہی بات سامنے آتی ہے۔ جسے علامہ السیوطی نے ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

الحاوی للفتاوی،

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ فَاسْتَغْفَرَ لِوَالِدَيْهِ وَذٰلِكَ بَعْدَ هَلَاكِ عَمِّهِ بِمُدَّةٍ طَوِيْلَةٍ وَيُسْتَنْبَطُ مِنْ هٰذَا اَنَّ الْمَذْكُوْرَ فِي الْقُرْآنِ بِالْكُفْرِ وَالتَّبَرِّي مِنَ الْاِسْتِغْفَارِ لَهُ هُوَ عَمُّهُ لَا اَبُوْهُ الْحَقِيْقِيُّ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى مَا اَلْهَمَ۔

(الحاوی للفتاوی جلد دوم ص ۲۱۴)

ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت کی۔ اور یہ دعا چچا کے مرنے سے بہت بعد مانگی۔ اس سے استنباط کیا گیا۔ کہ قرآن میں جس کے کفر اور استغفار سے بیزاری کا ذکر ہے۔ وہ آپ کا چچا تھا حقیقی والد نہ تھا۔ اللہ کی حمد کہ اس نے مجھے یہ الہام بتایا۔

جوابِ دوم:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بلکہ تمام آباؤ اجداد کے بارے میں عقیدہ مذکورہ عبارت کے خلاف ہے۔ آپ اس کے معتقد ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سمیت، تمام آباؤ اجداد دینِ حنفی پر تھے۔ شرک و بت پرستی سے دُور تھے۔ ملاحظہ ہو۔

الحاوی للفتاوی،

اَلْمَسْلَكُ الثَّانِیْ اَنَّهُمَا لَمْ یَثْبُتْ عَنْهُمَا شِرْكٌ بَلْ كَانَا
عَلَى الْحَنِیْفِیَّةِ دِیْنِ جَدِّهِمَا اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ
كَمَا كَانَ عَلٰى ذٰلِكَ طَائِفَةٌ مِّنَ الْعَرَبِ زید بن
عمرو بن نفیل و ورقه بن نوفل و غیرهما
وَهٰذَا الْمَسْلَكُ ذَهَبَتْ اِلَیْهِ طَائِفَةٌ مِّنْهُمُ الْاِمَامُ
فَخْرُ الدِّیْنِ الرَّازِیْ فَقَالَ فِیْ كِتَابِهٖ اَسْرَارُ التَّنْزِیْلِ
كَمَا نَصُّهٗ قِیْلَ اِنَّ اٰزَرَ لَمْ یَكُنْ وَالِدَ اِبْرَاهِیْمَ
بَلْ كَانَ عَمَّهٗ وَاحْتَجُّوْا عَلَیْهِ بِوُجُوْهٍ مِّنْهَا اَنَّ اٰبَاءَ
الْاَنْبِیَاءِ مَا كَانُوْا كُفَّارًا وَّیَدُلُّ عَلَیْهِ وُجُوْهٌ مِّنْهَا
قَوْلُهٗ تَعَالٰى اَلَّذِیْ یَرَاكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی
السَّاجِدِیْنَ قِیْلَ مَعْنَاهُ اَنَّهٗ كَانَ یَنْقُلُ نُوْرَهٗ مِنْ
سَاجِدٍ اِلٰى سَاجِدٍ بِهٰذَا التَّقْدِیْرِ فَالْاٰیَةُ دَالَّةٌ عَلٰى
اَنَّ جَمِیْعَ اٰبَاءِ مُحَمَّدٍ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ وَحِیْنَئِذٍ
یَجِبُ الْقَطْعُ بِاَنَّ وَالِدَ اِبْرَاهِیْمَ مَا كَانَ مِنَ الْكَافِرِیْنَ
اِنَّمَا ذَاكَ كَانَ عَمَّهٗ اَقْصٰى مَا فِی الْبَابِ اَنْ یُّحْمَلَ
قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَتَقَلُّبَكَ فِی السَّاجِدِیْنَ عَلٰى وُجُوْهٍ اُخْرٰى
وَاِذَا وَرَدَتِ الرِّوَایَاتُ بِالْكُلِّ وَلَا مُنَافَاةَ بَیْنَهَا
وَجَبَ حَمْلُ الْاٰیَةِ عَلٰى كُلٍّ وَّمَتٰى صَحَّ ذٰلِكَ ثَبَتَ
اَنَّ وَالِدَ اِبْرَاهِیْمَ مَا كَانَ مِنْ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ
ثُمَّ قَالَ وَمِمَّا یَدُلُّ عَلٰى اَنَّ اٰبَاءَ مُحَمَّدٍ مَا كَانُوْا

مُشْرِكِيْنَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ
الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ
نَجَسٌ فَوَجَبَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ اَحَدٌ مِّنْ اَجْدَادِهٖ مُشْرِكًا
وَهٰذَا كَلَامُ الْاِمَامِ فَخْرُ الدِّيْنِ بِحُرُوْفِهٖ وَنَاهِيْكَ
بِهٖ اِمَامَةً وَّجَلَالَةً فَاِنَّهٗ اِمَامُ اَهْلِ السُّنَّةِ فِيْ زَمَانِهٖ
وَالْقَائِمُ بِالرَّدِّ عَلٰى فِرَقِ الْمُبْتَدِعَةِ فِيْ وَقْتِهٖ وَالنَّاصِرُ
لِمَذْهَبِ الْاَشَاعِرَةِ فِيْ عَصْرِهٖ وَهُوَ الْعَالِمُ الْمَبْعُوْثُ
عَلٰى رَأْسِ الْمِائَةِ السَّادِسَةِ لِيُجَدِّدَ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ
اَمْرَ دِيْنِهَا وَعِنْدِيْ فِيْ نُصْرَةِ هٰذَا الْمَسْلَكِ مَا
ذَهَبَ اِلَيْهِ الْاِمَامُ فَخْرُ الدِّيْنِ اُمُوْرٌ اَحَدُهَا دَلِيْلٌ
اِسْتَنْبَطْتُهٗ مُرَكَّبٌ مِنْ مُقَدِّمَتَيْنِ الْاُوْلٰى اَنَّ
الْاَحَادِيْثَ الصَّحِيْحَةَ دَلَّتْ عَلٰى اَنَّ كُلَّ اَصْلٍ مِنْ
اُصُوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى
اَبِيْهِ عَبْدِ اللّٰهِ فَهُوَ مِنْ خَيْرِ اَهْلِ قَرْنِهٖ وَاَفْضَلِهِمْ
وَالثَّانِيَةُ اَنَّ الْاَحَادِيْثَ وَالْاٰثَارَ دَلَّتْ عَلٰى اَنَّهٗ لَمْ
تَخْلُ الْاَرْضُ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ اَوْ اٰدَمَ اِلٰى بَعْثَةِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِلٰى اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ مِنْ
نَاسٍ عَلَى الْفِطْرَةِ يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ وَيُوَحِّدُوْنَهٗ
وَيُصَلُّوْنَ لَهٗ وَبِهِمْ تُحْفَظُ الْاَرْضُ وَلَوْلَاهُمْ
لَهَلَكَتِ الْاَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِذَا قَارَنْتَ بَيْنَ هَاتَيْنِ
الْمُقَدِّمَتَيْنِ اِنْتَجَ مِنْهُمَا قَطْعًا اَنَّ اٰبَاءَ النَّبِيِّ

لَمْ يَكُنْ مِنْ مُشْرِكٍ لِأَنَّهُ قَدْ ثَبَتَ فِي كُلِّ مِنْهُمْ
أَنَّهُ مِنْ خَيْرِ قَرْنِهِ فَإِنْ كَانَ النَّاسُ الَّذِيْنَ هُمْ
عَلَى الْفِطْرَةِ هُمْ آبَاؤُهُمْ وَهُمْ الْمُدَّعَى
وَإِنْ كَانُوْا غَيْرَهُمْ وَهُمْ عَلَى الشِّرْكِ لَزِمَ أَحَدُ
الْأَمْرَيْنِ إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ الْمُشْرِكُ خَيْرًا مِنَ الْمُسْلِمِ وَهُوَ
بَاطِلٌ بِالْإِجْمَاعِ وَإِمَّا أَنْ يَكُوْنَ غَيْرُهُمْ خَيْرًا مِنْهُمْ
وَهُوَ بَاطِلٌ لِمُخَالَفَةِ الْأَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ فَوَجَبَ
قَطْعًا أَنْ لَا يَكُوْنَ فِيْهِمْ مُشْرِكٌ لِيَكُوْنَ مِنْ خَيْرِ أَهْلِ
الْأَرْضِ كُلُّهُمْ فِي قَرْنِهِ۔

(الحاوی للفتاوی جلد دوم ص ۲۰۱ مکتبہ نوریہ
فیصل آباد)

ترجمہ: مسلک ثانی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین سے شرک کرنا
ثابت نہیں۔ بلکہ وہ اپنے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف
پر تھے۔ جیسا کہ عرب کے کچھ لوگ اس دین پر تھے۔ جن میں سے زید بن عمرو بن
نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہ ہیں۔ یہ مسلک ایک بہت بڑے گروہ کا مذہب
ہے۔ جن میں سے امام فخر الدین رازی بھی ہیں۔ امام موصوف اپنی تفسیر
اسرار التنزیل میں لکھتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا
حقیقی باپ نہ تھا بلکہ چچا تھا۔ اس پر کئی طرح سے حجت پیش کی گئی۔ ان میں
سے ایک حجت یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کے آباؤ اجداد کافر نہ تھے۔ اس پر
کئی طرح کے دلائل ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وہ ذات جو تمہیں
دیکھتی ہے جب تم قیام کرتے ہو۔ اور آپ کا نمازیوں میں منتقل ہونا۔

کہا گیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف
منتقل ہوتا رہا۔ اس مفہوم کے پیش نظر آیت مذکورہ اس امر پر دلالت کرتی ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے۔ اب یہ یقینی واجب ہو
جاتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد کافر نہ تھے۔ کافر ان کے چچا
تھے۔ انتہائی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ آیت مذکورہ میں اور بھی کئی وجوہ بیان
ہوئی ہیں۔ جب ان تمام کے بارے میں روایات وارد ہیں۔ اور ان
میں باہم منافاۃ بھی نہیں۔ تو پھر آیت مذکورہ کو تمام وجوہ پر محمول کرنا واجب
ہے۔ اور جب یہ صحیح ہوا۔ تو ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد
بُت پرست نہ تھے۔ پھر امام موصوف نے کہا۔ اور ان دلائل میں سے
ایک دلیل جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے غیر مشرک ہونے پر
دلالت کرتی ہے۔ یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ میں
ہمیشہ سے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا چلا آیا ہوں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک مشرک نجس ہیں۔ لہٰذا واجب ہے کہ آپ
کے آباؤ اجداد میں سے کوئی ایک بھی مشرک نہ ہو۔ یہاں تک امام رازی
کا کلام تھا۔

امام رازی کی جلالت علم اور امامت مسلّم ہے۔ وہ اپنے دور کے تمام
اہل سنت کے امام تھے۔ اور بدعتیوں کے رد میں ڈٹنے والے تھے اشاعرہ
کے مسلک کے ناصر تھے۔ اور وہ ایسے عالم تھے۔ جنہیں چھٹی صدی میں اس
امت کے امور دینیہ کی تجدید کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اور میرے نزدیک
مسلک مذکورہ کی تائید و نصرت میں چند امور پیش نظر ہیں۔ یہ مذہب جیسا کہ
امام رازی کا ہے۔ ان دلائل میں سے ایک یہ ہے۔ جو دو مقدمہ جات

سے مرکب ہے۔ پہلا مقدمہ یہ کہ بکثرت احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد حضرت آدم سے تا حضرت عبداللہ اپنے
اپنے دور کے بہترین انسان تھے۔ اور افضل آدمی تھے۔ اور دوسرا مقدمہ یہ کہ احادیث
و آثار اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ یہ زمین حضرت آدم و نوح سے لے کر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بلکہ تا قیامت ایسے لوگوں سے خالی نہ رہے گی
جو اللہ تعالیٰ کو پوجتے ہوں گے۔ اس کی توحید کے ماننے والے ہوں گے۔ ان
لوگوں کے سبب سے ہی زمین محفوظ ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور اس کے تمام
بسنے والے ہلاک ہو جاتے۔ جب ان دو مقدمات کو ملایا جائے۔ تو نتیجہ
قطعی طور پر یہ نکلے گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بھی
مشرک ہرگز نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ وہ اپنے دور کے بہترین
آدمیوں میں سے تھے۔ اگر فطرت پر قائم رہنے والے ہر دور میں یہی حضرات تھے۔
تو یہی مدعی ہے۔ اور اگر ان کے علاوہ دوسرے تھے۔ اور یہ مشرک تھے۔
تو دو باتوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گی۔ ایک یہ کہ مشرک مسلمان سے
بہتر ہو۔ یہ بالاجماع باطل ہے۔ دوسرا یہ کہ ان سے کوئی اور بہتر ہو۔ اور یہ
بھی احادیث صحیحہ کی مخالفت کی وجہ سے باطل ہے۔ لہٰذا قطعاً واجب ہے کہ ان
میں سے کوئی ایک بھی مشرک نہ تھا۔ تاکہ ان کا اپنے دور کے انسانوں میں بہترین
انسان ہونا متحقق رہے۔

قارئین کرام بخیال فرمائیں۔ کہ امام رازی خود دلائل واضحہ سے اس بات کے معتقد
ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بلکہ تمام آباؤ اجداد مومن اور موحد تھے۔ اس
لیے تفسیر کبیر کی مذکورہ عبارت جو معترض نے پیش کی۔ وہ یا تو سراسر الحاقی ہے۔ جو زیادہ
قوی ہے۔ یا پھر ابتدائی نظریہ ہوگا۔ جس سے امام موصوف نے رجوع کر لیا ہے۔ اور

رجوع کے بعد دلائل قاہرہ و باہرہ سے آپ کے والدین کریمین کا مومن ہونا ذکر فرمایا۔ یہ توفیق بھی اللہ کی طرف سے ہی ہے۔ کہ انہوں نے اپنے سابقہ نظریہ سے رجوع فرمایا۔ اور امید ہے۔ کہ اب غفور و رحیم نے ان کی لغزش کو معاف کر دیا ہو گا۔

واللہ اعلم بالصواب

جواب سوم:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں مذکورہ عقیدہ خود ان کے مشرب و مسلک کے خلاف ہے۔ جیسا کہ جواب دوم میں علامہ السیوطی کی زبانی آپ حضرات ملاحظہ کر چکے ہیں۔ کہ امام موصوف مشرب اشاعرہ کے بہت بڑے ستون تھے۔ اور اشاعرۃ کا نظریہ ان لوگوں کے بارے میں جنہیں کسی پیغمبر کا دور نصیب نہ ہوا۔ یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کے ہاں عذاب نہیں پائیں گے۔ بلکہ وہ نجات یافتہ ہیں۔ اگرچہ کسی دین الٰہی پر کار بند نہ بھی ہوں۔ اس بات کو امام موصوف نے مذکورہ تفسیر میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔

تفسیر کبیر:

اَلْمَسْئَلَةُ الثَّالِثَةُ. قَالَ اَصْحَابُنَا وُجُوْبُ شُكْرِ الْمُنْعِمِ لَا يَثْبُتُ بِالْعَقْلِ بَلْ بِالسَّمْعِ وَ الدَّلِيْلُ عَلَيْهِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا. وَجْهُ الْاِسْتِدْلَالِ اَنَّ الْوُجُوْبَ لَا تَتَقَرَّرُ مَاهِيَتُهٗ اِلَّا بِتَرَتُّبِ الْعِقَابِ عَلَى التَّرْكِ لَا عِقَابَ قَبْلَ الشَّرْعِ بِحُكْمِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ فَوَجَبَ اَنْ لَا يَتَحَقَّقَ الْوُجُوْبُ قَبْلَ الشَّرْعِ ثُمَّ اَكَّدُوْا هٰذِهِ الْاٰيَةَ بِقَوْلِهٖ

تَعَالٰی رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ
عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ بِقَوْلِہٖ لَوْ اَنَّا اَھْلَکْنٰا
ھُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِہٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا
رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰی۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۵ ص ۲۰۱ مطبوعہ)

ترجمہ: تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ ہمارے اصحاب (اشاعرۃ) کے نزدیک منعم (اللہ تعالیٰ) کا شکر عقل سے نہیں بلکہ سمع سے ثابت ہوتا ہے۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ و ماکنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ ہم رسول بھیجے بغیر عذاب دینے والے نہیں ہیں۔ استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ وجوب کی حقیقت اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی۔

جب تک اس کے ترک پر عقاب مترتب۔ نہ ہو۔ اور آیت مذکورہ کہتی ہے۔ کہ شریعت سے قبل عقاب نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ شریعت سے قبل وجوب کا تحقق نہ ہو۔ پھر اس آیت کی تاکید ایک اور آیت سے ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ رسلاً مبشرین الآیۃ۔ ہم رسول بھیجتے ہیں ڈرسنانے والے اور خوش خبری دینے والے تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت رسولوں کے آنے کے بعد نہ رہے۔ اور ایک دوسری آیت لو اَنّا اھلکناھم الآیۃ اگر ہم ان لوگوں کو پیغمبر کے بھیجے جانے سے پہلے عذاب دے کر ہلاک کر دیتے تو وہ (قیامت کو) کہتے۔ اے پروردگار! تو نے ہماری طرف کیوں نہ رسول بھیجا کہ ہم تیری آیات کی اتباع کرتے اس سے قبل کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ اشاعرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی زبانی ان کی

زبانی ان کی تفسیر سے ان لوگوں کے متعلق اشاعرہ کا عقیدہ ہم نے بیان کیا جو دور فترت میں رہنے والے ہیں۔ اسی طرح کا نظریہ امام موصوف نے اپنی ایک اور تصنیف "المحصول" میں بھی ذکر کیا ہے۔ جسے علامہ السیوطی نے یوں نقل فرمایا ہے۔

الحاوی للفتاوی:

فَقَالَ فَخْرُ الدِّیْنِ الرَّازِیْ فِی الْمَحْصُوْلِ شُکْرُ الْمُنْعِمِ لَا یَجِبُ عَقْلًا خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَۃِ لَنَا اَنَّہٗ لَوْ تَحَقَّقَ الْوُجُوْبُ قَبْلَ الْبِعْثَۃِ لَعُذِّبَ تَارِکُہٗ فَلَا وُجُوْبَ اَمَّا الْمُلَازَمَۃُ فَبَیِّنَۃٌ وَ اَمَّا اَنَّہٗ لَا تَعْذِیْبَ فَلِقَوْلِہٖ سُبْحَانَہٗ وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا نَفْیُ التَّعْذِیْبِ اِلٰی غَایَۃٍ لِبِعْثَۃٍ فَیَنْتَفِیْ وَ اِلَّا وَقَعَ الْخُلْفُ فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَ ھُوَ مُحَالٌ۔ انتہی۔

(الحاوی للفتاوی جلد دوم ص ۲۰۶ عنوان مسالک الحنفاء)

ترجمہ: امام رازی نے محصول میں کہا منعم کا شکر ازروئے عقل ہمارے نزدیک واجب نہیں۔ معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر بعثت سے قبل وجوب کا تحقق ہو جائے۔ تو اس کے تارک کو عذاب دیا جائے گا لہٰذا بعثت سے قبل وجوب نہیں۔ ان دونوں میں تلازم بالکل بین ہے۔ رہی یہ بات کہ عذاب نہ ہوگا۔ تو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اس میں عذاب دینے کی نفی کی غایت بعثت کو قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا جب بعثت نہیں تو تعذیب نہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے قول میں خلف لازم

آئے گا۔ اور یہ محال ہے۔ انتہیٰ

الحاصل:۔

معترض کی پیش کردہ دو عدد عبارات کے ہم نے عقل و نقل سے جوابات دیئے اور یہ کہ خود صاحب عبارت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں مسلک ان عبارات کے خلاف ہے۔ جس سے دو ہی باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ مذکورہ عبارات ان کی اپنی نہیں بلکہ الحاقی ہیں۔ دوسرا یہ کہ شروع میں ان کا نظریہ یہ ہو سکتا تھا لیکن بعد میں ان حضرات نے رجوع کر لیا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بلکہ تمام آباؤ اجداد مشرک نہ تھے۔ موحد اور مومن تھے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَااُولِی الْاَبْصَار

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میت پر نماز پڑھ چکو تو اس کے لیے مخلصانہ دعا کرو

مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۳ باب المشی بالجنازہ

نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کے جواز پر قرآن و حدیث سے
مضبوط دلائل اور منکرین کے اعتراضات کے مسکت جوابات

دُعا بعد جنازہ کا جواز

تالیف

قاری محمد طیبؒ

ناشر:

فرید بک سٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

بزرگوں کے مبارک معمولات پر اعتراضات کا تحقیقی جواب

عبادت میں کثرت بدعت نہیں

— تصنیف —

علامہ محمد عبد الحی لکھنوی

— ترجمہ —

پروفیسر سید محمد ذاکر سیالوی
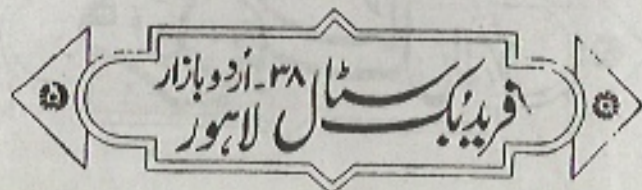
مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی پُرنور فضاؤں سے ابھرنے والی ایمان افروز

صدائے حق وانصاف

اصلاحِ فکر و اعتقاد

تالیف

سید محمد علوی مالکی مکی حسنی

ترجمہ

یٰسٓ اختر مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

سات ضخیم جلدوں میں شرح صحیح مسلم کی تکمیل اور عالمگیر مقبولیت اور شاندار پذیرائی کے بعد

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی عمّ فیوضہ

کی ایک اور فکر انگیز اور علمی تصنیف قرآن مجید کی تفسیر بنام

تبیان القرآن

چند خصوصیات :

قرآن مجید کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ اور آسان اردو میں قرآن کریم کی تشریح ،

احادیث ، آثار اور اقوال تابعین پر مبنی قرآنی آیات کی تشریح ،

قرآن پاک کی آیات سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت ، جلالت اور آپ کی خصوصیات کا استنباط ،

عقائد اسلامیہ میں عقائد اہلسنت کی حقانیت اور فقہی مذاہب میں فقہ حنفی کی ترجیح ،

مفسرین کی چودہ سو سالہ کاوشوں کا ماحصل ، مجتہدین کی آراء پر نقد و تبصرہ اور تصوف کی چاشنی ،

مشکلات اعراب قرآن کا حل ، عصری مسائل پر محققانہ ابحاث اور مذاہب باطلہ کا مہذب رد ،

یہ ایک ایسی تفسیر ہوگی جس کی ندرتوں سے اہل ذوق کو تلاش اور پیاس تھی جس کی ضرورت اہمیت اور افادیت صدیوں تک باقی رہے گی ۔

پیشکش
فرید بک سٹال
۳۸ ۔ اردو بازار ، لاہور